دورِ حاضرہ کی تعلیم یافتہ خواتین کے

ادبی کارنامے، سوانح حیات، تعلیم، جد و جہد

مطبعہ شمس الاسلام پریس

قیمت (عہ)

فہرست

اس تذکرہ کو

محترمہ جناب نواب نور النساء بیگم صاحبہ بنت نواب سالار جنگ اول

کے

اسم گرامی سے بلحاظ آپ کی تعلیمی دلچسپیوں نسوانی ہمدردیوں کے

معنون

کرنے کی عزت حاصل کیجاتی ہے امید کہ یہ پیشکش نظر استحسان دیکھا جائیگا

خاکسار

محمد عبد الرزاق بسمل

بیرون دبیرپورہ حیدر آباد دکن

مئی ۱۹۲۹ء

تعلیم نسواں کی موجودہ رفتار جس شاندار مستقبل کی بشارت ہے اوس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ملک میں خواتین کے بیسیوں تذکرے شائع ہو جاتے۔ لیکن ڈھونڈھے سے کوئی دکھائی نہیں دیتا یہ ایک ایسی کمی تھی جس سے اغماض بھی تعلیمی گنہ تھا۔ اس لئے ارادہ کر لیا گیا کہ برا بھلا جیسا کچھ ممکن ہو داغ بیل ڈالدی جائے بہت ممکن ہے کہ قابل اور وقیع ہستیاں اس پر ایک شاندار عمارت کا اضافہ کریں۔

لیکن سب سے پہلے اہم اور مشکل سوال خواتین کے صحیح پتوں کا حاصل کرنا تھا جس کے ذریعہ درخواست کیجاتی جب کچھ پتے دستیاب ہو گئے تو خواہران مسلم و ہنود کی خدمات میں کثرت سے درخواستیں کی گئیں مختصر سوانحِ حیات۔ تعلیمی حالت۔ نظم یا نثر کا کوئی نمونہ جو "شاہکار" ہو چاہے وہ مطبوعہ ہی کیوں نہ ہو عنایت فرمائیں۔

بعض خواتین نے متعدد درخواست پر ادائے جواب کو اخلاق کا

مرادف سمجھ کر خاموشی اختیار فرمالی۔ اکثر نے استفساری حد تک مراسلت جاری رکھی، بیشتر نے شرف پذیرائی عطا فرما کر حالات بھیجے۔ ہمت بڑھائی بعض روشن خیال خواتین نے تصویر کی بحث چھیڑ دی جنھیں جواب دیا گیا۔

"سوسائٹی کی حالت اتنی بلند نہیں کہ تصویر کی درخواست کی جائے
حالات کے ملنے میں دشواریاں ہو رہی ہیں۔ تصویر طلب کر کے
کون ہدف سہام ہو، البتہ جو خواتین تصویر دینا چاہیں ان کے
بلاکس بنوا کر شائع کرنے میں تامل نہیں"۔

مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہی خواتین جنھوں نے بڑی شد و مد سے تصویر کی بحث چھیڑی تھی تصویریں تو کیا بھجوائیں باوجود مسلسل درخواستوں کے حالات تک عنایت نہیں کئے!! جن امید افزا تمناؤں کو لے کر اس کام کی ابتدا کی گئی تھی وہ رفتہ رفتہ صبر آزما ثابت ہونے لگا اور جس کام کا بیڑا اٹھایا گیا تھا اوس سے واپس لوٹنا ابھی کچھ ناممکن سا نظر آنے لگا مگر اس کے ساتھ ہی بعض خواتین جنھیں اس کا احساس تھا ممکنہ اعانت میں دریغ نہیں کیا۔ اپنی اپنی سہیلیوں کو خانگی خطوط لکھے زنانہ رسائل میں اپیلیں شائع کیں۔ زبانی توجہ دلائی۔ متعدد اوقات یاد دہی کی مگر "ہم جنسی" کا فلسفہ بھی یہاں شکستہ ہو گیا۔ اور اون کی اپیلیں بھی "صدا بصحرا" ہی ہو کر رہیں۔ ایک خاتون کا فرمودہ "خواتین کا بیدار کرنا

ٹیڑھی کھیر ہے" بالکل سچ ثابت ہوا غرض یہ اور اسی قبیل کے ماحول میں اگر دو ڈھائی سال کی مسلسل جد و جہد کا نتیجہ جو پیش کیا جا رہا ہے وہ قابل ستائش نہ سہی لیکن موجب مکوہش بھی نہیں کہلا سکتا، ورنہ ارادہ یہ تھا کہ کوئی پڑھی لکھی خاتون تذکرہ سے نہ رہ جائے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ جو کام اپنے بس کا نہو۔

تعلیم نسواں کی فراوانی اور اس گروہ محترم کی یہ بے حسی دلیل ہے کہ کہ ہنوز تعلیم کا صحیح احساس خواتین میں پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ ہر طرف تعلیم نسواں کا ایک شور سنائی دے رہا ہے۔ موجودہ تذکرہ میں اگر خواہران ہنود کا ذکر خیر نہو تو آپ ہماری مجبوریوں اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس فرمائیں۔ جی تو چاہتا ہے کہ اس داستان کو ذرا تفصیل سے بیان کریں لیکن اب جبکہ سامنے مستقبل موجود ہے تو ماضی کا دکھڑا کچھ موزوں ثابت نہوگا

جہاں یہ سب کچھ تھا وہاں چند دردمند ہستیاں ایسی بھی تھیں جنھیں تذکرہ کے لئے فراہمی حالات میں غایت دلچسپی تھی، وہ اگر ہمارے تشکر کے محتاج نہ سہی مگر ہم تو جناب نورجہاں صاحبہ نازؔ جناب محمودہ اختر حسینؔ جناب حجاب اسمٰعیل صاحبہ کے توجہات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ہاں آپ اس میں ملکہ ثریا افغانستان کے بھی کچھ حالات ملاحظہ کر پائیں گے مانا کہ آپ ہندوستان کی نہ سہی لیکن سرزمین ہند پر آپ کا نقش قدم

تو موجود ہے جس سے تعلیم نسواں میں بیداری کی روح دوڑ گئی ہے۔

بہت ممکن ہے کہ آپ اس کو ایک مختصر سا مجموعہ فرمادیں یہ سچ ہے لیکن اسی اختصار کے فراہمی میں جن جن دقتوں کا سامنا ہوا یا تو وہ ہیں واقف ہیں جنھوں نے حالات کے عنایات کرنے میں کتنی مرتبہ ہماری درخواستوں کو شرف پذیرائی سے محروم فرمایا۔ یا اس کا اندازہ وہ ہستیاں کرسکتی ہیں جنھیں کبھی اس طرح کے کام کرنے کا موقع ملا ہو۔

موجودہ پیش کش کو اس سلسلۂ زرین کی پہلی کڑی تصور فرمائیں انشاءاللہ یہ داستان آئندہ اور طویل ہوجائے گی۔

خدا کرے کہ یہ **عرض حال** خواتین کو متاثر کرے اور نیند کے ماتے خواب شیریں سے بیدار ہوں اور دوسری جلد کے لئے حالات دینے میں اپنے احساسات کا کامل ثبوت دیں۔

بیحد ندامت ہے کہ اس کے اشاعت میں ضرورت سے زیادہ تعویق ہوئی جس کے لئے ہم بہنوں سے معذرت خواہ ہیں لیکن کیا کیجئے کہ حیدرآباد دکن میں اچھی طباعت اور کتابت کا کال ہے۔ لے دے کے دو ایک پریس ہیں جن میں کام کی کثرت رہتی ہے۔ جی نہیں چاہتا تھا کہ کسی معمولی پریس سے کام لیا جائے جس پریس کا انتخاب کیا گیا اس کے مالک ضرورت سے زیادہ خلیق واقع ہوئے ہیں اور اسی اخلاق کا نتیجہ ہے کہ تذکرہ دیر سے شائع

ہو رہا ہے یقین ہے کہ ہماری مجبوریاں ہنوں کے پاس لائق عفو ہونگی

آخر میں اس قدر عرض ہے کہ

ایک بے مایہ بزم شاہانہ میں جو تحفہ گدایانہ پیش کر رہا ہے کسی ایک ہن کے تعلیمی جد و جہد میں وجہ افزائش ثابت ہوا تو میں سمجھوں گا کہ مجھے اپنی محنت و کاوش کا پورا صلہ مل گیا۔

خاکسار

محمد عبد الرزاق بسمل

بیرون دبیرپورہ حیدرآباد دکن
ذی حجۃ الحرام ١٣٦٦ ہجری

تعارف

"تذکرۂ جمیل" میں جو چیز پیش نظر ہوگی وہ متمدن دنیا میں بسنے والی اقوام کے لئے نہیں بلکہ ہندوستانی مسلم قوم کے لئے بے شک ایک نئی چیز ہے جس میں اون کا وہ بھولا ہوا سبق دہرایا گیا ہے جس کو سرزمین ہند پر قدم رکھنے کے بعد اپنے دوسرے خصائل وعادات کے ساتھ ساتھ نسیاً منسیا کر دیا گیا تھا۔ انیسویں صدی کے وسط میں "بیداری ہند" کی ایک لہر اٹھی اس وقت اس کی عام ضرورت محسوس کی گئی لیکن محض "فرض کفایہ" کی طرح فی دس ہزار ایک کے عدد ہی کو تکمیل ارشاد مبارک " طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ " سمجھا گیا۔ بیسویں صدی کی آمد پر اس کے دیگر برکات اور فوائد کے ساتھ ہی ساتھ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مفہوم ومنشاء کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے زمانہ جیسے بے رحم وغیر ہمدرد استاد کی

سرزنش پر خواہ مخواہ بیدار رہونا پڑا۔ صدیوں کی جہالت نے شکوک وشبہات کے سینکڑوں کانٹے اس منزل میں بچھا کر عوام کے لئے اس کو "پُل صراط" بنا دیا لیکن سلجھے ہوئے دماغ اس کے فوائد کو دیکھ کر فوراً اس طرف متوجہ ہوگئے۔ اگرچہ بالکل ان کے شخصی نفع کی بات تھی لیکن ان کا یہ ایثار قابل قدر ہے کہ ذاتی تفاخر کے بجائے دوسروں کے لئے اپنا نمونہ پیش کیا گیا۔

چنانچہ یہ مجموعہ ہے ان دردمندان قوم اور بہی خواہاں و مخلصان ملت کے کارناموں کا۔ یہ معزز و محترم ہستیاں۔ علم و عفت کی دیویاں صرف اپنے ہی جنس کے لئے راہ عمل پیش کرتی ہیں بلکہ ہمارے لئے بھی ادبی تنوع کے علاوہ ایک زبردست آتش فشاں پہاڑ ہے جس کے سرگرم شعلوں سے خدا کرے کہ ہماری غفلتیں ختم ہوجائیں اور ہماری آنکھیں کھل جائیں بیداری ہند کے بعد ہندوستان کی سب سے زیادہ سرگرم اور کارگزار مجلس "کانگریس" خیال کی جاتی ہے جو اپنے دورِ حیات کی ۸ منزلیں طے کرتی ہوی قربت میں اپنی "سہنری جوبلی" منانے کی مستحق ہوگئی ہے لیکن یقین جانئے کہ کانگریس پلیٹ فارم کے آتش بیان مقرر۔ لیگ کے مخلص کارکن جمیعۃ العلماء کے مقدس واعظ ہرگز ہرگز اس خوش آیند خواب کی تعبیر نہیں ہوسکتے جس کو دیکھتے دیکھتے تنگ آکر، نوروزجی، گوکھلے، تلک، سرسید

ح

لاجپت رائے وغیرہ ہمیشہ کی میٹھی نیند سو گئے۔

اے بدنصیب ہندوستان! اٹھ! او جوش ہو کہ تیری حقیقی آزادی کی کوشش اب شروع ہو گئی ہے فرقہ وارانہ دنگل کے پہلوان تیری آہنی قید کو اور سخت۔ مضبوط کر رہے تھے یہ سب جانتے تھے کہ ماں کی گود میں جو اسباق حریت کے ملیں گے وہ بہت موثر اور پر اثر ہوں گے بمقابلہ دنگل میں ورزش کے بعد فرقہ وارانہ زور آزمائی کرنے سے۔ لیکن خوشا نصیب کہ اب ہماری ماؤں نے ہی خود اس فرض کو محسوس کر لیا ہے۔

اے مادر وطن! وہ دن دور نہیں کہ تیری یہ عزیز بیٹیاں نہایت سرخروئی کیساتھ تجھے آزادی دلائیں گی۔ ایثار و اخلاص کے یہ نمونے یقیناً ان تنگ نظروں کی آنکھیں کھول دینگے جو ابھی تک تعلیم نسواں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھ رہے ہیں بد نصیبی سے چند حضرات کی ناسمجھی اور فقدان علم کے باعث مغربیت کی رو اور تعلیم متوازی خطوط میں چلنے کے بجائے ابتدا ہی میں ایک دوسرے سے مل گئی ہیں لیکن حقیقی تعلیم و تربیت کے ان مکمل نمونوں کو دیکھئے کہ باوجود دنیا کے کاروبار میں انتہائی بے بسی سے پھنسے ہوئے ہونے کے علم کی لو نہیں بجھی۔ بلکہ اس تعلیم نے ان کی دنیوی زندگی کو رشک جنت بنا دیا ہے۔ محترمہ خدیجۃ الکبریٰ۔ محترمہ ظفر جہاں محترمہ ممتاز بیگم وغیرہم نہ صرف ان کی ساتھیوں کے بلکہ ناتجربہ کار و بےفکری کی زندگی

بسر کرنے والی ہستیوں کے لئے بھی ایک مشعل راہ اور چراغ ہدایت ہیں ماں باپ کے زیر سایہ چین و امن کی زندگی بسر کرنے والیوں کے لئے بھی یہ مجموعہ چند ماڈل پیش کریگا کہ باوجود دولت ـ ثروت کے جو مرادف ہے جہل و غیر ذمہ دارانہ زندگی کا ۔ وہ برابر تحصیل علم میں مشغول و منہمک ہیں ۔ جس کا نمونہ محترمہ موئدزادہ فرخ سلطان سکینہ ایم اے ایل ۔ ایل ۔ بی معین جل التیس کلکتہ ہیں ۔

اس مجموعہ کے ادبی فوائد کے سلسلہ میں نہایت شرم و ندامت کے ساتھ یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ باوجود انتہائی خود غرضی ۔ ایک صدی سے زائد تعلیم پاتے ہوے مردوں میں معدودے چند کے سوا وہ لطافت اور اسلوب بیان پیدا نہ ہو سکا ۔ جو تقریباً نصف صدی کے اندر ہی کی کوششوں میں ان خواتین نے حاصل کیا ہے ۔ محترمہ ظفر جہاں و محترمہ خدیجۃ الکبریٰ کے مضامیں سائنٹفک خیالات کو عام فہم زبان میں ادا کرنے کا بہترین نمونہ ہیں تو تخیل و افسانہ نگاری اور شاعری کے بہتر نمونے ۔ محترمہ رابعہ خاتون پنہاں ۔ محترمہ بلقیس خاتون جمال محترمہ امۃ الوحی محترمہ حجاب اسمٰعیل ۔ محترمہ نور جہاں ناز ۔ محترمہ تہذیب فاطمہ عباسی کے مضامین میں ملیں گے ۔

یہ مجموعہ ایک مرقع ہے ہندوستان کی نسوانی تحریک بلکہ آزادی کے

مبارک کوششوں کی ابتدا کا۔ آینوالی نسلیں اس کو نہایت ادب و احترام
کے ساتھ آنکھوں پر رکھیں گی کہ یہ تاریخ ہو گی۔ ان کے گزرے ہوے
بزرگ ہستیوں کی۔

مولوی محمد عبدالرزاق صاحب بسمل نہ صرف نسوان ہند کی جانب
سے بلکہ تمام مردوں کی طرف سے بھی مستحق صد تشکر ہیں کہ ایک طرف تو
انھوں نے اس جگر کاوی سے بہی خواہی اور انسانیت کا حق ادا کرتے
ہوے دیگر ماؤں۔ بہنوں ۔کے لئے ایک نمونہ پیش کر دیا تو دوسری
طرف مردوں کی آنکھیں کھولدیں کہ اب مزید غفلت وجہالت کا زمانہ باقی
نہیں رہا۔

آل انڈیا لیڈیز کانفرنس کو خاص طور پر اس جانب توجہ کرنی چاہیے
کہ ایک مخلص و بہی خواہ نے نہایت باا ثر و مفید کام انجام دیا ہے یہ مبالغہ
نہوگا اگر میری توقع کا اظہار کروں کہ ایسے مفید کام میں کانفرنس مدد کا ہاتھ
بڑھاتی ہا۔

بسمل صاحب کی نسبت اس سے زاید کہنا بے سود ہوگا کہ وہ مختلف
ادبی پرچوں کے مضمون نگار اور "صنف نازک" کے مؤلف ہونے کی
حیثیت سے کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ذاتی نیاز کی بنا پر یہ کہا جا سکتا کہ
انھوں نے اپنی عمر اس طبقہ کی خدمت گزاری میں بسر کر دی۔ مردوں کی

غفلت کا وہ ایسا درد رکھتے ہیں کہ ہر ممکنہ کوشش اسی طبقہ کی بہبودی میں صرف کی جاتی ہے۔

وہ اس دُھن میں فنا ہو چکے ہیں لیکن یہ "ہر زماں از غیب جان دیگر است" کا مرتبہ ہے کہ سنبل کے عرف عام سے مصروف خدمت گزاری ہیں۔ بہر حال حیدرآباد خوش نصیب ہے کہ وہ بھی اپنے پاس ایک "راشد" ایک "ممتاز علی" وغیرہ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے پُر امن عہد "عثمانی" میں سنبل صاحب کے اس کوشش کو حیدرآباد اور اقلیم ہند میں بارآور فرمائے۔ آمین

ذی حجۃ الحرام ۱۳۴۷ھ
نام پلی اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد

خاکسار

محمد معین الدین علی

یہ کچھ چپ چپ سے تھے اور کھانے کے وقت اکثر غوطے میں چلے جاتے۔ میں نے پوچھا! کہاں ہیں؟ کہنے لگے۔ "بسمل صاحب کے ملیدے مست رہا ہوں۔۔ بیچارے دبیر پورہ سے یہاں تک آتے ہیں کئی خط لکھے چاہتے ہیں کہ ان کے تذکرے کا دیباچہ لکھوں اور وہ بھی ہو تو عورتوں کی بولی میں۔ مشکل یہ آن پڑی کہ تذکرہ بھی پڑھ لیا۔ اس سے تو طبیعت اتنی مرعوب ہوگئی کہ اب کچھ لکھتے بن نہیں پڑتی۔ انھوں نے کتنی کچھ محنت نہ کی ہوگی جب یہ بیبیاں پردہ نشین خواتین کے حالات جمع کیے۔ ہماری معاشرت اور تمدن ایسا ہے۔ اور غیرت اتنی ناک پر دھری ہے کہ اپنی مستورات کے حالات تو کجا ان کے ناموں تک کے چاردیواری سے باہر جانے کے روادار نہیں۔ اور حیدرآباد میں تو اگر ان گھریلو قیدی والوں کا ذکر بھی کریں گے تو ضمائر وافعال میں مذکر کے صیغے استعمال کرکے ان کو پگڑی کی اوٹ میں لے لیں گے۔

اس حالت میں آتنی ساری بیویوں کا حال اکٹھا ہو جاتا بسمل صاحب کی اعجاز نہ کہوں تو کیا کہوں۔ مری ٹالم ٹول سے ان کی کتاب چھپنے میں دیر ہو رہی ہے۔ دور سے ان کو دیکھ لیتا ہوں تو چور سا ہو جاتا ہوں اتنے وعدے کئے اور ایک نہ وفا کیا۔ وہ بھی اپنے دل میں کیا کہتے ہونگے۔ اور نہ ان کو کوئی مدد ہی دی۔ خیر اس کی توجیہہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ میاں کو جب کسی کا مخلصانہ کام پسند آتا ہے تو وہ اس شخص کو دوسروں کی مدد سے بے نیاز کرا دیتا ہے۔ رات دن اونکے دیباچے کی ادھیڑ بن میں رہتا ہوں۔ لیکن ان کی محبت اور بات کی گراں سل مرے ارادوں کے پودے کو پھپکنے نہیں دیتی اور میری ذکاوت کی ٹہنیاں اس بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں اور تخیل کی کونپلیں ٹکرا ٹکرا کے رہ جاتی ہیں۔ کامیابی کا پھل لگے تو کیونکر لگے۔ پھر مضامین اتنے گوناگوں۔ چاروں کھونٹ کی بیویاں۔ ہندوستان کا کوئی کونہ نہ چھٹا۔ جس کی کوئی نکلوتی رہگئی ہو۔ کاں کاں سے کھوج کر کے حال نکالے ہیں۔ بمبئی والی عطیہ بیگم جن کو یمن کی شہزادی لکھا ہے اگر ان کو اور ان کی بہنوں زہرہ بیگم خالہ جان اور بیگم جنجیرہ کو ایوان رفعت میں دیکھتے تو حویلی تو لال قلعہ کا کوئی قصہ سمجھی جاتی اور وہ تینوں بہنیں شاہ جہاں کی بیٹیاں۔ جہاں آرا بیگم۔ روشن آرا بیگم۔ اور تیسری بی گیتی آرا ہی جاتی جاتیں، کتنی ہی بیویاں ہیں جن کو ہم

دونوں جانتے ہیں اور منہ بولے رشتے بدے ہوئے ہیں۔ دیباچہ ہو یامقدمہ لکھوں تو پورے حالات پر تبصرہ ہو۔ کتاب کا نچوڑ پیش کیا جائے مضامین کا تقابل ہو مضمون نگاروں کا موازنہ۔ کس کو کس پر ترجیح دیں۔ قرآن شریف کے کس پارے کو کس پارے پر فضیلت اور کس سورت کو کس سورے پر فوقیت دیں یہ کوئی سہل کام نہیں۔ پھر جامع سہل ہونے کے لحاظ سے پانی چوائے جانے کے سختی الگ ٹھیرے۔ ترس کھاکھا کام نہ نکالیں تو ظالم سنگدلوں میں شمار ہو۔ سرگاڑی۔ پیرپیۃ کرکے اِدھر سے اُدھر لڑبکتے پھرتے ہیں اور کونے کونے سے حالات جمع کرتے جن شناساؤں۔ دوستوں۔ رفیقوں پر زعم تھا۔ کہ وہ کام میں ہاتھ بٹائیں گے۔ انھوں نے سب سے زیادہ جی چرایا تو بیچارے کیسا آزردہ اور دلریش ہوتے ہونگے۔ شاباش ہے ان کی ہمت پر کہ انھوں نے تن تنہا اتنے بڑے کام کا بیڑا اٹھایا۔ یہ اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ اس میں اس قسم کا تذکرہ لکھا جارہا ہے جو اپنی نوع کا سارے مشرق میں ایک ہی ہے آینوالی نسلوں کو اپنی قوم کی مایۂ ناز خواتین کا ایک ایسا تذکرہ مل جائیگا جو ہمیں اپنے بزرگوں سے میراث میں نہ ملا اور ہمارا جی لوٹتا ہے کہ اسی طرح کا اب سے کوئی دو ڈیڑھ سو برس پہلے کی بیویوں کا تذکرہ ہمارے اسلاف چھوڑ جاتے اور ہم ان مستور حالات پر وقوف

پاتے اور اپنے بزرگوں کی، نیم بہتروں کے دماغی ارتقا کا پتہ چلتا"
میں چپکی بیٹھی سنتی رہی اور کہا اُوئی اتنی سی بات کی اتنی الجھن۔ اے
جو آپ نے باتیں کیں۔ کہئے تو میں ان کو لکھ لوں۔ پھر آپ ایک نظر دیکھ
جائیے جو بات رہ گئی ہو اسے یاد دلائیے" تاکہ میری طرف سے بھی
دو چار صفحے کالے ہو جائیں۔ اپنے بنّی جی کے نام پر ختم کرتی ہوں اور دعا
ہے کہ میری قوم کی نئی کلیاں اس گلدستے کی بوباس سے تازہ رنگ پائیں
اور تذکرے کے جامع کی محنت بہ خیر ہو جائے۔ آمین ثم آمین۔

سیدہ بدر النساء بیگم
اہلیہ آغا حیدر حسن
پروفیسر نظام کالج حیدرآباد

ملکہ ثریا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملکہ ثریّا خانم افغانستان

آپ ۲۴ اپریل ۱۸۹۸ء کو ارض شام میں پیدا ہوئیں بچپن کا زمانہ وہیں بسر ہوا آپ کے والد ماجد علامہ محمود طرزی افغانی النسل اور نہایت قابل اور زیرک مدبر ہیں۔ جن دنوں علامۂ موصوف بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر شام میں تشریف فرما تھے۔ اسی زمانہ قیام میں آپ نے وہیں شادی کی، اس لحاظ سے ملکہ محترمہ والدہ کی طرف سے شامی اور والد کے طرف سے افغانی ہیں، چونکہ آپ نے اپنے لئیق پدر بزرگوار کے زیر نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کی ہے، اس لئے فارسی اور پشتو میں کامل دستگاہ رکھتی ہیں، اس کے علاوہ موجودہ یورپی زبانوں سے فرانسیسی بھی جانتی ہیں قدرت نے فہم و ذکاوت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ تحریر و تقریر میں بھی ملکہ رکھتی ہیں، نہایت وسیع الاخلاق ہیں۔ طبقہ نسواں سے بے انتہا ہمدردی

رعایا کا ہمیشہ خیال رہتا ہے۔ یہ ایسے صفات ہیں کہ آپ کی ہر دلعزیزی کا سکہ افراد ملک کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے تعلیم نسواں سے طبیعت کو خاص لگاؤ ہے سلطنتِ افغانستان میں تعلیم نسوان کی بیداری کی آپ ہی روح رواں ہیں اور کوشاں ہیں کہ یہاں کی خواتین بھی تعلیمی امور میں متمدنہ ممالک کی خواتین کی دوش بدوش ثابت ہوں جس سے قوم کا مستقبل نہایت درخشاں ہو جائیگا

سنہ ۱۹۱۹ء میں جب افغانستان اور انگلستان میں کچھ آویزش ہوگئی تھی، اس وقت آپ نے ملک و قوم کی نمایاں خدمت انجام دی ہے دوران جنگ میں بہ نفس نفیس فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ فرمایا، سپاہیوں میں شجاعت اور دلاوری کی اسپرٹ پھیلائیں، جب تک زمانہ ختم ہوا آپ نے کبھی اچھی غذا نہیں کھائی، آرام نہیں لیا۔ عام سپاہیوں کی غذا کو آپ نے بھی اپنے لئے اختیار کر لیا تھا۔

سنہ ۱۹۲۷ء میں یورپ کا شاہانہ سفر کیا ہے اور بہت کچھ معلومات حاصل کئے ہیں جہاں تشریف لے گئیں۔ نسوانی زندگی کا بامعان ملاحظہ فرمایا ہے، زنانہ زچہ خانون میں جا کر زچاؤں کو دیکھا، ان کے بچوں کو اپنے گود میں لیا۔

۲۶ر دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء کو جب شاہی اسپشیل قاہرہ پہنچی اور شاہ اور ملکہ کا شاندار جلوس نکلا اور فروکش ہوا تو "انجمن اتحاد النساء" کے ممبروں کا ایک وفد

جس میں دورِ حاضرہ کی تعلیم یافتہ خواتین ،، ہدیٰ خانم شعراوی، بیگم محمد علی پاشا، بیگم حمدی پاشا، احسان خانم، منیرہ خانم، عزیزہ خانم فردوس خانم، بیگم حسین پاشا، پر مشتمل تھا، ہدیہ مبارکباد پیش کرنے کیلئے ملکہ موصوفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ تعلیم کے لئے آپ نے کئی ایک ایوانات شاہی مع سامان مدارس کے سپرد فرمائے ہیں، قصر شہر آرا مدرسہ حبیبیہ کے سپرد کرکے بعض سیاحوں کو جو اس کے برج پر چڑھے تھے جہاں ادارہ مکتب واقع تھا یہ کہنے کا موقع دیا کہ اس سے زیادہ عالیشان اور نفیس مقام شاید ہی دنیا میں کسی درسگاہ کو نصیب ہوا ہو۔ مہتاب باغ جیسا وسیع ایوان مکتب "حربیہ" کو پھر جوں جوں تعلیمی رفتار میں اضافہ ہونے لگا، شاہی محل خالی کرکے درسگاہوں کے حوالے کرتی گئیں۔

نواب ملکہ سلطان جہاں صاحبہ سابق والیٔ بھوپال

ریاست بھوپال کی وسعت قریب .... ۷ اسکوئر میل ہے اور رعایا دس لاکھ جس کو ایک افغانی امیر جناب دوست محمد خان ملازم اورنگ زیب نے فتح کیا تھا۔ سنہ ۱۷۰۷ء سے آپ کی نسل نے گورنمنٹ انگریزی سے اتحاد رکھا اور چند روز بعد برٹش گورنمنٹ کے ساتھ عہد و پیماں کیا اور حقوق ریاست اور قبضہ منظور ہوا۔ گدی نشین رئیس کے قتل ہونے کے بعد بھتیجا چونکہ کم عمر تھا اس لئے اس کی بیوہ قدسیہ بیگم صاحبہ نائب سلطنت ہوئیں۔ قدسیہ بیگم کی صاحبزادی سکندر بیگم صاحبہ جو اپنے بھائی محمد کی حمایت میں تھیں جس کو برٹش گورنمنٹ نے سنہ ۱۸۳۷ء میں مستحق ریاست قرار دیا اور جس کا انتقال سنہ ۱۸۴۴ء میں ہو گیا۔ ان کی بیوہ صاحبزادی سکندر بیگم صاحبہ تخت نشین ہوئیں خود بعد سنہ ۱۸۶۸ء تک حکومت کی۔ پھر ان کی صاحبزادی شاہجہاں بیگم صاحبہ تخت نشین ہوئیں اور ان کا انتقال سنہ ۱۹۰۱ء میں ہوا اور تخت کی مالک

آپ ہوئیں۔ برسوں مسلمانوں کی تاریخ میں سکندر بیگم صاحبہ کا نام باقی رہیگا
آپ اصلاح ملک پر آمادہ ہوئیں آپ کی کچہری اور کورٹ کا راستہ حیات افزا
تھا۔ اوس کی عمارت راجوں کی عمارت سے اعلیٰ تھی آپ کو سنہ ۱۹۱۰ء میں
تمغہ گریٹ کمنڈر اسٹار آف انڈیا گورنمنٹ سے عطا ہوا ہے آپ نے اپنے
عہد حکومت میں بہت کچھ اصلاحیں کیں۔ آپ کا پایہ تخت متوسط شہر ہے
جسمیں ۔ ۔ ۔ ۷۷ آدمی ہیں ایک بڑے تالاب کے دھنے کنارے پر بنا ہوا ہے
بیچ میں ایک خوبصورت ملک ہے کاشتکاری اچھی ہوتی ہے جنگل اور
کثرت سے فصل ہوا کرتی ہے۔ آپ کے احسانات ملک پر عام ہیں اور آپ کی
علمی خدمتیں اور شاندار امدادیں کبھی تاریخ کے صفحوں سے حک ہونیوالی نہیں
تعلیم قدیم اور جدید کی شاید ہی کوئی درسگاہ ہو جس کو آپ نے امداد نہ دی ہو
تقریباً پچاس ہزار روپیہ سالانہ انجمنوں کی امداد اور مدارس میں صرف ہوتا ہے
"سیرت نبویؐ" کا کام آپ ہی کی توجہ سے عالم وجود میں آیا ۔ ملک میں ابتدائی
تعلیم مفت اور لازمی کی ابتدا آپ ہی نے کی۔ نہایت وسیع اخلاق ۔
منکسر المزاج ۔ رحمدل ہیں۔ کئی دفعہ یورپ کی سیاحت کی ہے جب سے کہ زمان
حکومت نواب حمید اللہ خان بہادر بی، اے کے سپرد کی ہے آپ کا زیادہ تر
وقت عبادت میں صرف ہوتا ہے ۔ اسلامی آداب کا یہ عالم تھا کہ اپنے عہد
حکومت میں کورنشات وغیرہ سب برطرف ۔ خالص اسلامی طریقہ پر اسلام علیکم کا

رواج دیا اس میں اکثر آپ تقدیم فرمائی تھیں۔ کثیر التعداد کتب کی مصنفہ ہیں تاریخ اسلام کی ایک باعظمت خاتون کا مرتبہ حاصل ہے آپ کے حالات کے لئے تذکرہ کے مختصر اوراق ناکافی ہیں محض بعض رسائل سے کچھ کچھ حالات اقتباس کیے گئے ہیں۔

پردہ پر خیالات

ہندوستان میں شاید پردہ کا یہ مقصد مدنظر رکھا گیا ہے، کہ مردوں اور عورتوں کا نامناسب میل جول روکا جائے پردہ سے مراد یہ تھی کہ عورتیں اپنے زیب و زینت کا اظہار نہ کریں چنانچہ اسی خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے پردہ دوسرے ممالک میں رائج ہوا بعض ممالک میں اب پردہ رائج ہے لیکن کہیں اس کی یہ شدت نہیں جو ہندوستان میں ہے اگر ضروریات زمانہ کا خیال رکھ کر پردہ کے رواج میں از سر نو مناسب ترمیم کیجائے تو اس سے تعلیم نسواں پر جو مضر اثر پڑ رہا ہے وہ دور ہو جائے اور ساتھ ہی وہ صورت حالات بھی نہ رہے جس کے متعلق معترضین بہت تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ جس طرح کا پردہ ہندوستان کے مسلمانوں میں رائج ہے یہ صحیح طور پر اسلامی نہیں اور ہماری لڑکیوں کی تعلیم کو بہت نقصان پہنچا رہا ہے۔ نیز ان کی جسمانی اور ذہنی تربیت میں بھی حارج ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ

کہ اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے فیصلہ کریں کہ کیا وہ محض ایک رسم کے لئے اپنی قوم کے نصف حصہ کو معطل اور مفلوج رکھنا گوارا کرتے اور تنگ خیالی کی قربان گاہ پر اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کو بھینٹ چڑھانا جائز سمجھتے ہیں۔

نورالنسا بیگم بڑی صاحبزادی

نواب میر تراب علیخاں مرحوم، سر سالار جنگ اول، مختار الملک بہادر مدار المہام دولت آصفیہ کی صاحبزادی نواب میر لائق علیخاں بہادر عماد السلطنتہ مدار المہام حیدر آباد دکن کی بڑی ہمشیرہ اور نواب مکرم الدولہ مرحوم کی زوجہ محترمہ ہوتی ہیں۔ حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے ایوان میں پائیں۔ ذوق طبیعت اور شوق مطالعہ کی بدولت اردو، فارسی میں اچھی قابلیت پیدا کی اور انگریزی سے بھی واقف ہیں جس طرح نواب سر سالار جنگ اول کا اسم گرامی حیدر آباد دکن کے تنظیم و تعلیم میں پیش پیش ہے اوسی طرح آپ کا وجود طبقۂ نسواں کے لئے سرمایۂ نازش و افتخار۔

شعر و شاعری کا اچھا ذوق رکھتی ہیں چنانچہ حیدر آباد میں سب سے اول آپ نے ہی زنانہ مجلس قایم کی جس میں ہر سال ہندوستان کے مشہو

مرثیہ گو "نفیس" کی صاحبزادی اپنے مرثیئے پڑھا کرتی تھیں۔

آج سے تیس چالیس قبل جبکہ مردوں ہی میں تعلیمی ذوق کا فقدان تھا آپ نے اپنے فرقہ کی جہالت سے متاثر ہوکر خاص اپنی دیوڑھی میں ایک زنانہ مدرسے کی بنیاد ڈالی جس میں ملک کے امراء اور جاگیرداروں کی لڑکیاں زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونے لگیں۔ اس مدرسے کی زیادہ تر خوبی اور خصوصیت یہ تھی کہ تعلیم سے زیادہ تربیت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ ترتیب ہی وہ شئے ہے جو گھروں کو سنوارنے والی، تہذیب و شائستگی، کی پھیلانے والی اور لڑکیوں کو سگھڑ بنانیوالی ہے۔ چنانچہ آپ ہر لڑکی کی ذہانت اور فراست کا بذاتہ معائنہ فرمائیں اور انھیں ادب، تمیز، طریقۂ بود و باش، کی تعلیم دیتیں، اور جب دسترخوان چنا جاتا تو تمام لڑکیوں کو اپنے ساتھ لیکر خاصہ نوش فرمائیں، خورد نوش کے آداب و قواعد بتاتیں۔ یوں بیٹھنا چاہئیے، یوں کھانا لیا جائے ہاتھ اس طرح دھویا جائے، منہ یوں صاف کیا جائے، دیکھنے کو یہ امور بظاہر معمولی دکھائی دیں لیکن اس کے اندر معاشرتی زندگیوں کا بحرِ عظیم موجیں مار رہا ہے۔ اسی تربیت اور تعلیم کا اثر ہے کہ آج اس مدرسہ میں زانوئے ادب تہ کرنیوالی لڑکیاں ملک کے اعلیٰ طبقوں میں سلیقہ، نفاست، شائستگی، ہمدردی، آراستگی میں دوسروں کیلئے

معاشرت کا مکمل نمونہ ہیں۔ جہاں سے تہذیب اور شائستگی کی شعاعیں نکل کر اور گھروں کو منور کر رہی ہیں۔ آپ کی شادی آپ ہی کے قریبی عزیز نواب مکرم الدولہ بہادر سے جو خود خاندانی امیر اور کسی زمانہ میں حیدرآباد دکن کی ذمہ دارانہ خدمت مدار المہامی بھی کر چکے تھے ہوی اس کے بعد موصوفہ نے اپنے اسٹیٹ کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور نہایت مدبرانہ طریقہ پر ایک معتمد کے تحت اپنے جاگیرات کے کاروبار انجام دینے لگیں، جن کے تدبر کا ایک زمانہ قائل ہے۔

چونکہ آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوی اس لئے اپنے چھوٹے بھائی نواب منیر الملک بہادر کی صاحبزادی کو اپنے آغوش میں لیا اور انھیں اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلانے لگیں۔ مگر قدرت کو تو کچھ اور منظور تھا افسوس کہ ان معصومہ کی عمر نے وفا نہیں کی اور ایک حادثہ کی بدولت چودہ پندرہ سال کے سن میں آپ کو داغ مفارقت دیگئیں، جس کے صدمہ سے آپ برداشتہ خاطر رہنے لگیں۔ پھر اپنی چھوٹی ہمشیرہ کے منجھلے صاحبزادہ نواب زین العابدین خاں صاحب بہادر کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا۔ جو ماشاءاللہ نہایت تعلیم یافتہ۔ خوش اخلاق اور سوسائٹی میں قدرو منزلت کی نظروں دیکھے جاتے ہیں جو اس وقت آپ کے اسٹیٹ کے کاروبار میں دخیل ہیں۔

چونکہ نواب سر سالار جنگ اولیٰ کی اولاد میں آپ نواب میر لائق علیخاں بہادر

بھی بڑی ہیں۔ اس لئے "بڑی صاحبزادی" کے نام سے ملک میں یاد کیجاتی ہیں۔ بہت کم حضرات حیدرآباد دکن میں ایسے ہونگے جنھیں آپ کا اصلی نام معلوم ہو۔ ممالک محروسۂ سرکار عالی میں کسی کی زبان پر "بڑی صاحبزادی" کا نام آجائے تو ذہن فوراً آپ کی جانب منتقل ہوجاتا ہے۔

تخمیناً ڈیڑھ ایک لاکھ کا اسٹیٹ ہے اور یہ اسٹیٹ نہایت منظم اور باقاعدہ دفاتر کے مماثل ہے جہاں سے وقتاً فوقتاً احکامات اجرا ہوتے رہتے ہیں۔

بذل و نوال داد و دہش کی صحیح شان رکھتی ہیں نہایت سیرچشم اور مخیر واقع ہوئی ہیں سینکڑوں مفلس اور نادار گھرانے آپکے دامنِ دولت سے وابستہ ہیں جنھیں ماہانہ تنخواہیں بطور امداد ملتی ہیں کوئی سائل آپ کے دروازہ خالی نہیں پھرا۔ عتباتِ عالیات کی زیارت سے بھی آپ مشرف ہوچکی ہیں اور مقامات مقدسہ سے آپ کو بیحد الفت ہے اور کچھ نہ کچھ تحفہ و ہدایہ وہاں بھیجتی رہتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نواب سالار جنگ اول کے اخلاق اور اوصاف کی مکمل نمونہ ہیں۔ بادشاہ وقت کی اطاعت گزار اور خیرخواہ ہیں۔ ملک کے امرا میں آپ کا شمار ہے آپکا یہ خاص مذاق ہے کہ ملک کے شریف گھرانوں سے لڑکے لڑکیاں لیکر اونھیں اپنی نگرانی میں تعلیم دلائیں اور اونکی آئندہ زندگیوں کو ہرطرح شاد کام بنائیں۔ یہ ایک ایسا وصف ہے کہ

طبقۂ امرا میں اس کی نظیر شاید مشکل ہی ۱۲ سے دکھائی دے تو دکھائی دے۔

غرض آپ کا وجود ملک اور اہل ملک کے درماندہ اور نادار شریف گھرانوں کے لئے باعثِ رحمت ہے جو اپنے شرافت کی وجہ سے کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کر سکتے۔ اگر ملک میں آپ کی طرح چند اور ہستیاں پیدا جائیں تو پھر نکبت اور افلاس کا کافی درماں ہو سکتا ہے۔

سروجنی نائڈو

بنتِ ڈاکٹر اگھور ناتھ چٹوپادھیہ

آپ ۱۸۷۹ء میں بمقام حیدرآباد پیدا ہوئیں اگرچہ آپ کے
والدین بنگال کے اصلی باشندے تھے لیکن یہیں بود و باش اختیار کر لی تھی
ایام شیرخوارگی میں آپ کے والدین آپ سے اُردو میں بولتے تھے آپ کی
ابتدائی تعلیم انگریزی مدراس میں ہوئی اور سولہ برس کے سن میں یہاں سے
وظیفہ لیکر انگلستان گئیں اور غیرمعمولی ذہانت کی بدولت تھوڑی سی مدت
میں انھیں زبان پر کامل قدرت اور دستگاہ حاصل ہوگئی۔ بیس برس کے
سن سے پہلے آپ گولڈن تھرشولڈ، کی مصنفہ بن چکی تھیں۔ پھر آپ کی
نظموں کے اور دو مجموعے شائع ہوے اور انگلستان کے خوشگو شعرا کی صف
میں انھیں جگہ مل گئی اگرچہ زبان انگریزی ہوتی ہے لیکن جذبات تاثرات
تمام ایشیائی ہیں۔

۱۸۹۵ء میں انگلستان گئیں جہاں تین سال تک قیام رہا۔ اول

وکنگز کالج لندن؛ اور اس کے بعد ۱۸۹۸ گرٹن، میں تعلیم پائیں اور اس اثناء
میں اٹلی کا سفر بھی کیا جہاں کے مناظر نے آپ کی شاعری میں اور لطافت
پیدا کر دی۔ آپ کے قیام انگلستان کا زمانہ بیشتر علمی صحبتوں میں بسر ہوا
لیکن خرابی صحت کے باعث ۱۸۹۸ء میں اپنے وطن واپس آئیں اور
اس کے چند دنوں بعد ڈاکٹر گوبند راجلو نائڈو سے عقد ہوا۔ شادی کے
بعد سے لیکر آج تک آپ کی زندگی ملک کی خدمت کے لئے وقف رہی ہے
اور آپ کے کارنامے ہندوستان کی عہد حاضرہ کی تاریخ کا ایک مستقل
جزو ہیں۔

آپ کی ذات ملک کے لئے مختلف النوع برکات کا سرچشمہ ہے
اگر صرف آپ کے وہی کام لئے جائیں جو رفاہ عام کے ذیل میں آتے ہیں تو وہ
کسی فرد واحد کے لئے سرمایۂ زندگی بننے کو کافی ہیں۔ موسیٰ ندی کی عظیم
طغیانی کے وقت حیدرآباد میں آپ کی خدمات گراں رہیں جس کی داد
حکومت سے قیصر ہند کے طلائی تمغہ کی شکل میں ملی۔ جس سے آپ کے بیش بہا
انسانی جذبات کا پتہ چلتا ہے آپ کی سیاسی خدمات عالم آشکارا ہیں ہندو مسلم
اتحاد آپ کا نصب العین ہے۔

آپ جس طرح کہ بہترین شاعرہ ہیں اسی طرح بہترین مقررہ بھی ہیں جنھیں
آپ کی تقریریں سننے کا اتفاق ہوا ہے وہ ہمیشہ آپ کے قوت بیانیہ کے

معترف رہے ہیں اس وقت ملک کے کئی مقررین میں وہ اثر نہیں جو قدرتاً اس
خاتون کو حاصل ہے تقریر نہایت دلنشین ہوتی ہے اور کبھی کبھی بعض مجالس
میں اردو میں بھی تقریریں کی ہیں۔

۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۷ء تک آپ کی نظموں کے تین مجموعے شائع ہوئے
ہیں۔ طلائی آستانہ، طائر وقت، شکستہ پر، طلائی آستانہ میں بندرہ
سے بچیس برس کی عمر تک کا کلام ہے۔ طائر وقت زبان اور تخیل کے لحاظ
سے آپ کے کلام کی پختگی کا پورا ثبوت ہے۔ شکستہ پر میں یہ صفت
اور بھی زیادہ نمایاں ہو گئی ہے۔ حب وطن، شفقت مادری، انسانی ہمدردی
غرض کوئی ایسا جذبہ نہیں جو آپ کی نظموں میں جلوہ گستر نہ ہو۔ نظموں میں
مؤذن کی اذان اور پجاریوں کے بھجن سے پنساریوں کے گیت پالکی
بردار کہاروں کے گانے اور فقیر کی صدا سب قسم کے نغمے موجود ہیں
چند فقروں یا چند لفظوں میں کسی واقعہ یا نظارہ کی پوری تصویر پڑھنے والے
کے سامنے کھینچ دیتی ہیں آپ کے تفصیلی حالات کے لئے ایک دفتر درکار
ہے یہاں تیمناً تبرکاً مختصر سے حالات دیدئے گئے ہیں۔ قوم کی طرف سے
آپ کے احترام اور اعزاز کی یہ آخری انتہا ہے کہ کانگریس جیسی اہم مجلس کی
صدر بھی رہ چکی ہیں۔ اگست ۱۹۲۸ء میں پھر امریکہ تشریف لے گئیں۔

اس وقت آپ کی دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں چھوٹی صاحبزادی

حال ہی میں انگلستان سے اپنا کورس ختم کر کے وطن واپس آئی ہیں۔ ذیل میں آپ کی نظم کا ترجمہ دیا جاتا ہے کہ خیالات کا پتہ چل سکے۔

ستی

اے شمع زندگانی آخر لب اجل نے
یک بار جل بجھی تو اس طرح تجھ کو پھونکا

ممکن نہیں کہ روشن پھر ہو شرارہ تیرا
اس تیرہ خاکداں میں کیونکر گزر ہو تیرا

اے نخل زندگانی۔ پائی قضا نے تجھ کو
افسوس بیخ و بن سے پامال کر کے چھوڑا

ممکن نہیں کہ پھر تو سرسبز بارور ہو
جو نخل سوکھ جائے دشوار ہے کہ تر ہو

اے وجہ زندگانی! تلخی مرگ نے یوں
ہم کو کیا دو پارہ جو لفظ ہوں شکستہ

فی الاصل ایک تھا ہم جب ہو چکی جدائی
بے جان ہو کے قالب باقی نہیں رہیگا

(شباب)

عطیہ بیگم

بنت مسٹر حسن علی فیضی استنبول کے باشندے تھے آپ ایک
عرب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کی رگوں میں شاہی خاندان کا
خون موجیں لے رہا ہے ۱۸۸۶ء میں بمقام آطہ پیدا ہوئیں، جو ایشیائے
کوچک کی طرف استنبول کے قریب ہے آپ کے والدین سیاحت
تصنیف و تالیف اور طالب علمانہ شوق و ذوق کے لحاظ سے ممتاز رہے
ہیں آپ کی حقیقی بہن ہر ہائینس بیگم صاحبہ جنجیرہ (جن کی ذات سے ریاست
کی ترقی اور وقار وابستہ ہے) اور دوسری بہن زہرہ بیگم ہر دو صاحب
تصنیف و تالیف اور ادیب ہیں آپ کی تعلیم گھر پر آپ کی والدہ صاحبہ
امیر النساء بیگم کی نگرانی میں ہوئی جو متعدد مشرقی اور مغربی زبانوں سے
واقف تھیں، آپ انگریزی مادری زبان کی طرح جانتی ہیں۔ کچھ
ترکی، فارسی، فرنسیسی سے بھی واقف ہیں۔ کئی بار تمام عالم کی سیاحت
کر چکی ہیں آپ کو ترکی نے "شفقت نشان" کے درجہ دوم کا تمغہ ملا ہے

(ہندوستان میں مشکل کوئی مسلمان خاتون ہونگی جنھیں یہ نشان ملا ہو)
ہر ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ کو درجۂ اول کا شفقت نشان، ملا تھا، عطیہ بیگم
ہندوستانی موسیقی کی ماہر تسلیم کی گئی ہیں اور آپ نے اس فن کے متعلق
انگریزی میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، راگوں کی نسبت نہایت
گہری تحقیق کی ہے آواز اور جنس انسانی کی موزونیت کے لحاظ سے انکی تقسیم کی
ہی ۱۹۱۶ء میں بمقام بڑودہ موسیقی کی جو کانفرنس منعقد ہوی تھی اس کی
ابتدا کرنیوالوں میں آپ کا خاص طور پر حصہ تھا اور ہندوستانی موسیقی کی
ایک مرکزی اکاڈیمی قایم کرنے اور اوس کی شاعیں تمام ہندوستان میں
پھیلانے کے متعلق آپ نے تقریر کی تھی۔ دنیا کی سب سے پرانی یونیورسٹی
(ساربونی) میں ہندوستانی موسیقی پر لکچر دئے ہیں اور آپ وہ پہلی
ہندوستانی خاتون ہیں جن کو یہ عزت حاصل ہوی۔ یہاں آپ کے گانے
کے ریکارڈ لئے گئے۔ پیرس میں،، پرایما دونا پا لائیں نوآرڈو، کے سیالون
میں آپ نے تقریر کی جنھوں نے آپ کیلئے ایک گیت تیار کیا تھا ۱۹۱۸ء
میں آپ نے امریکہ کے کوئی (۹۲) نہایت اہم تعلیمی۔ معاشرتی حلقوں
میں ماہرین فن کے روبرو تقریریں کیں اور ۱۹۲۳ء میں جاپان اور جرمنی
میں بھی۔ جب آپ کی تقریریں، برلن، میں ہو رہی تھیں تو سفیر افغانستان
اودیب بے جو ہر مجسٹی ملکہ افغانستان کے بھائی تھے، تمغہ امانیہ آپکو عطا فرمایا

نسوانی آزادی کے لئے آپ خاص طور پر کوشاں ہیں اور اس معاملہ میں ہمیشہ پیش پیش رہتی ہیں آپ پردہ نہیں کرتیں اڈیٹر عصمت کے جواب میں یہ فرماکر تسلی کردی کہ، میں مسلمان لڑکیوں کو بے پردہ دیکھنا نہیں چاہتی، سنہ ۱۹۰۶ء میں آپ پہلی لیڈیز کانفرنس جو علیگڈھ میں منعقد ہوی تھی شریک ہوکر سرکاری وظیفہ پر ولایت روانہ ہوئیں کہ وہاں کے طریقہ تعلیم کا مطالعہ کریں مگر ایک سال کے بعد واپس چلی آئیں، کیونکہ آپ کی دانست میں اس قسم کا طریقہ ہماری لڑکیوں کیلئے غیر موذوں ہے اس وقت سے آپ ہندوستان میں ایسے مدارس کے قیام کی سعی اور کوشش میں لگی ہوئیں ہیں جہاں مذہبی اور عملی اصول پر تعلیم دی جائے آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعہ ہندوستان کے مسلمانوں کی غلط اور کمزور پالیسی کو مذموم ٹھیرایا۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں مرحوم سلطان عبدالحمید خاں کی خدمت میں باریاب ہوئیں اور سلطان نے اپنے ہاتھ سے تمغہ عطا فرمایا۔ ڈسمبر ۱۹۲۶ء کے جشن جوبلی، علیگڈہ کے موقع پر کوئی بیس ہزار آدمیوں کے مجمع میں مسلمانوں کے کمزور پالیسی پر جو تقریر کی وہ آپ اپنی نظیر ہے۔

گذشتہ دو سال سے بمبئی کارپوریشن کا مقابلہ کر رہی ہیں اور میونسپل اسکول کمیٹی کی غفلتوں اور خرابیوں کا پردہ چاک کرنے میں مصروف ہیں یہاں تک کہ کارپوریٹرز کو اسکول کمیٹی کے برخاست کرنے

کیلئے ایک زر ولیوشن پیش کرنا پڑا اور میونسپل اسکول کے مقامی افراد نے اسکول کمیٹی سے اسکول کے برخاست کردینے کی درخواست کی۔

آپ نے بالا رام اسٹریٹ بمبئی میں یکم مئی ۱۹۲۵ء سے مسلمان لڑکیوں کے لئے ایک ابتدائی ماڈل اسکول کی بنیاد ڈالی ہے جس نے دو ماہ کے عرصہ میں نمایاں نتائج پیدا کئے ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ مسلمانوں کے تمام مدارس اسی اصول پر چلائے جائیں، اردو، قرآن مجید، خاص کر اور دستکاری انگریزی، لازمی مضمون قرار دئے جائیں، مدرسہ نہایت سرعت کے ساتھ مدارج ترقی طے کررہا ہے اور آپ کو توقع ہے کہ سرکار اور میونسپلٹی سے گرانٹ بھی منظور ہو جائیگا۔ آپ کو کارپوریشن کا ممبر نامزد کرنے کی بھی کوشش عمل میں آرہی ہے آپ کا مہتم بالشان اور زرین کارنامہ یہی اسکول ہے جو "صالحات امین" کے نام سے مشہور ہے آپ کا سب سے پہلا سفر یورپ ۱۹۰۶ء میں ہوا۔ ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء میں آپ کی شادی مسٹر رحمٰن فیضی سے ہوئی جو ایک مشہور آرٹسٹ تھے۔

نوٹ۔ یہ حالات آپ نے انگریزی میں بھیجے تھے جس کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

۲۱

مسلمانوں کو ایک پیام

دور حاضرہ کا سب سے اہم ضروری مہتم بالشان مسئلہ مسئلہ تعلیم نسواں ہے خیرات چونکہ گھر سے شروع ہوتی ہے اس لئے میرا روئے سخن اس پیام میں صرف مسلمانوں کی طرف ہے جنکی غفلت اور خود غرضی نے اس سدا بہار گلدستہ کو وادئی پرخار بنا دیا ہے آج جب کہ ہندوستان کی ہر قوم معراج کمال پر پہنچ چکی ہے وہ تین صدی پیچھے لٹک رہے ہیں اسلام وہ قابل فخر مذہب ہے جس نے عورت کو اپنے آغوش میں لیکر اس کو وہ حیثیت اور مرتبہ دنیا میں عطا فرمایا جس کی نظیر نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ دور گذشتہ میں اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں ایسی خواتین پیدا کیں جن کا نام ہمیشہ روشن رہیگا وہ ولی کامل ہوئیں، میدان کارزار کی جرنل ہوئیں، سلطنتوں کی ملکہ بنیں، مملکت نثر و نظم کی حکمراں ہوئیں، ان کی تصانیف ان کے اشعار آج تک ان کا نام روشن کر رہے ہیں، اور وہ حق رکھتی ہیں کہ ہم ان کے مبارک ناموں پر ان کی قابل قدر خدمات کے معاوضہ میں ان الفاظ سے فاتحہ کے پھول چڑھائیں:—

تمہیں کہتا ہے مردہ کون تم زندوں کی زندہ ہو　　تمہاری نیکیاں زندہ تمہاری خوبیاں باقی

المختصر یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان عورت زندگی کے ہر میدان میں تمام دنیا

سبقت لے گئی تھی۔

زمانہ گذشتہ کی ترقی، زمانہ موجودہ کی پستی کے مقابلہ کا نتیجہ قابل اظہار ہے، ہندوستان مردوں کے مدرسوں، کالجوں، کانفرنسوں جلسوں اور ادب سے لبریز ہے اور مردوں کی ہر اس ضرورت کی جس کا وقت مطالبہ کرتا ہے تکمیل ہو رہی ہے، لیکن یہ سب ترازو کے ایک پلڑے میں ہو رہا ہے، اور اس کا وزن اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ترازو کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں اور اب بھی کوتاہ بیں، خود غرض اور نفس پرست پالسی اسی طرح اقوام اسلام پر چھائی ہوئی ہے اور مسلمان اپنی نفسانیت اور خود پرستی میں اس قدر مستغرق ہیں کہ وہ اس شاہراہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جو مقدس مذہب اسلام نے منزل مقصود پر پہنچنے کے واسطے ان کو بتایا تھا۔

اسلام نے علی الاعلان کہا تھا کہ "جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے" مگر اس کے برخلاف اس کے سر پر بنا دی گئی ہے (یعنے بجائے قدموں میں سر رکھنے کے اس کی اولاد اس کے سر پر چڑھ رہی ہے) بجائے اس کے کہ وہ گھر کی ملکہ ہوتی اور تعلیم کا پہلا بیج بچہ کی طبیعت میں جبکہ دنیا میں اس کا ظہور ہوا۔ اس کے ہاتھ سے بویا جاتا وہ اپنے تمام حقوق سے محروم کر دی گئی اور وہ پیدائشی حق جو فطرت انسانی نے اس کو عطا کیا تھا ظلم و ستم سے چھین لیا گیا اور وہ ایک پامال ہستی رہ گئی، ایسی ہستی جو

اس قابل بھی نہ رہتی کہ اپنے خدمات پیش کر سکتی یا مرد کو کسی قسم کی مدد دے سکتی اس طرح بدبخت عورت نہ صرف گھر ہی کے واسطے ناکارہ ہو گئی بلکہ نہ مرد کے کام کی رہی نہ وطن کی اور نہ خدا کی۔ ان حالات کو سامنے دیکھنے کے بعد یہ عظیم الشان جلسے کسقدر مضحکہ خیز ہیں جو ہر سال کے اختتام پر ہندوستان میں منعقد ہوتے ہیں مسلمان ہرگز منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ وہ سیدھے راستہ پر نہ چلیں اور احکام اسلام کے روبرو سر تسلیم خم نہ کردیں۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کین رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است
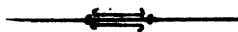
ظفر جہاں بیگم

بنت مولوی محمد لطیف صاحب بی اے سب جج کی دوسری صاحبزادی
ہیں بمقام لشکر گوالیار اپنی ننہیال میں پیدا ہوئیں (جہاں آپکے نانا
مولوی کریم بخش صاحب مرحوم پنشنر ڈپٹی کلکٹر جو ریاست گوالیار میں
مشیر وضع قوانین کے عہدہ پر فائز تھے) بزرگوں نے آپ کا نام ربیس جہاں بیگم
اور تاریخی نام ظفر جہان بیگم رکھا۔ پانچ سال کی عمر تک اپنے دادا مرحوم کے
یہاں الہ آباد میں مقیم رہیں۔ اس کے بعد بیس سال کی عمر تک اپنے والد مرحوم
کے ہمراہ ملازمت کے سبب اودھ کے مختلف مقامات میں رہیں۔

آپ کے والد اگرچہ اعلیٰ تعلیم نسواں کے مخالف تو نہ تھے لیکن اسے
چنداں ضروری بھی نہیں سمجھتے تھے اس وجہ سے آپ اور آپ کی دوسری
ہمشیرہ صاحبہ کا تعلیم کے لئے کوئی خاص انتظام بھی نہیں کیا۔ آپ کی والدہ
جتنا خود پڑھی ہوئی تھیں اتنا ہی انھیں بھی پڑھایا یعنے قرآن شریف
اور معمولی اردو۔ چونکہ آپ کے والد خود ادب لطیف کے دلدادہ تھے اس لئے

انگریزی اخبارات کے ساتھ اردو اخبارات اور ادبی رسائل بھی برابر منگواتے رہتے۔ تہذیب نسواں، عصمت۔ خاص آپ لوگوں کے لئے جاری کرایا۔

پرچوں میں خواتین کے مضامین دیکھ کر آپ کو بھی مضمون نگاری کا شوق پیدا ہوا اور برا بھلا لکھ کر والد کو بغرض اصلاح دکھلانا شروع کیا چونکہ وہ خود ایک فاضل ادیب اور زبردست شاعر تھے معمولی نثر پسند نہیں آتی تھی اور اصلاح ایسی دیتے تھے کہ ایک جملہ اصلی رہ گیا باقی وہ خود لکھ دیتے اور ہمیشہ یہ ہدایت ہوتی کہ ابھی مشق کئے جاؤ جب ایسا لکھنے لگو تب کسی اخبار یا رسالہ میں بھیجنا" آپ اس سے دل برداشتہ ہو کر کہتیں کہ ہم آپ کی سی لیاقت کہاں سے لا سکتے ہیں، آپ گریجویٹ ہیں اور وکیل ہائیکورٹ ہم کس برتے پر آپ کی برابر کر سکتے ہیں، جواب ملتا، " یہ تو ضرور سچ ہے مگر میں نہ تم سے انگریزی لکھواتا ہوں نہ قانونی مسائل حل کراتا ہوں جس کے لئے بی اے اور وکیل ہائیکورٹ کا امتحان پاس کرنے کی ضرورت ہو اردو نظم و نثر کی مہارت ہو جانے کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ اس میں تم مجھ سے کم رہو" بہت دنوں یہ سلسلہ رہا کبھی جوش میں آکر آپ لکھنے لگتیں اور کبھی عاجز آکر چھوڑ دیتیں۔ کئی سال کے بعد آپ کے والد نے

بعض مضامین پسند کئے اور جب مضمون پسند آتا تو فرط مسرت میں فرمایا کرتے کہ "مجھے خدا کی عنایت سے بجا طور پر فخر حاصل ہے کہ میری لڑکیوں نے میرا سا دماغ پایا ہے"۔

۱۹۱۳ء میں بریلی کے ہر دل عزیز اور کامیاب وکیل مولوی حافظ محمد ظہور الدین صاحب بی، اے، ایل، ایل، بی میونسپل کمشنر اور یم۔ ایل۔ سی سے آپ کا عقد ہوا اوصاف ظاہری اور باطنی کے لحاظ سے آپ کے شریک حیات کو بے مثل کہا جائے تو داخل مبالغہ نہ ہوگا ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۶ء تک آپ کے یہاں سات اولادیں ہوئیں جن میں چار لڑکیاں اور تین لڑکے سب خدا کی عنایت سے زندہ اور سلامت ہیں جن کی تعلیم و پرورش ہو رہی ہے۔

شادی کے بعد آٹھ سال نہایت آرام و مسرت آسایش و اطمینان سے بسر کئے لیکن جہاں پھول ہوگا وہاں کانٹا، جہاں خوشی ہوگی وہاں رنج بھی لازم و ملزوم ہے ۱۹۲۰ء میں آپ کے شوہر نے ترک موالات کے سلسلہ میں اپنی کامیاب اور روز افزوں وکالت کو خیرباد کہکر اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ سب کو مالی مشکلات میں پھنسا دیا گزر اوقات کے لئے سوائے قلیل جائداد کے کوئی صورت نہ رہی اگرچہ اس وقت ارادہ تھا کہ کوئی نہ کوئی دوسرا روزگار شروع کریں، لیکن قومی کاموں نے اتنی مہلت نہ دی

اور پانچ سال اس کے نذر ہو گئے۔ جب کانگریس کمیٹی نے اپنا فیصلہ
منسوخ کر کے دوبارہ وکالت اور ملازمت کی اجازت دی تو آپ نے
سنہ ۱۹۲۵ء میں پھر وکالت شروع کی، لیکن قومی کاموں کی مصروفیت سے
اتنی فرصت کہاں کہ پوری توجہ سے کام کرتے جس کے بغیر اس پیشہ
کی کامیابی ناممکن ہے آپ کے مشاغل قوم کے لئے خواہ کتنے ہی سود مند
کیوں نہ ہوں لیکن آپ کے خاندان کی تباہی کے باعث ہو رہے (کسی
کی بنی ہوئی تقدیر بگڑنے پر) اعزا اور احباب کا جو برتاؤ ہوتا ہے اس کو
دیکھ کر محترمہ نے جہاں تک ممکن ہے کنارہ کشی اور گوشۂ تنہائی اختیار
کر لی ہے۔ اس حالت میں دل گھبراتا ہے تو پھر اپنا مشغلۂ مضمون نگاری
کو اختیار کر لیا ہے کبھی محفل تہذیب میں شامل ہوتی ہیں تو کبھی بزم عصمت،
میں اس طرح انجمن کا لطف بھی خلوت میں حاصل ہے آپ کی تحریر نہایت
پختہ اور عام فہم ہوتی ہے لطف یہ کہ آپ نے جب کبھی لکھا قلم برداشتہ
لکھا مسودّہ و مبیّضہ کی زحمت گوارا نہیں کی آپ کا وجود اپنی جنس
کے لئے موجب فخر و ناز ہے آپ کے مضامین بلند پایہ ہوتے ہیں بحث
نہایت مدلل اور قوی ہوتی ہے اپنے فرقہ کی بہترین مصلح ہیں آنیوالی
نسلیں آپ کو اپنا رہبر تسلیم کرینگی۔

قوم کسے کہتے ہیں

آج کل تعلیم نسواں کا مسئلہ بہت زوروں پر ہے ہزاروں مخالف ہیں اور ہزاروں موافق۔ خیر یہ اپنی اپنی رائے ہے مجھے اس سے کوئی بحث نہیں۔ البتہ مجھے ان لوگوں پر ضرور تعجب ہوتا ہے۔ جو اپنی قوم کی جہالت کا رونا روتے ہیں اور قومی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر دھواں دھار تقریروں کے ذریعہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام پر جو مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں۔ ان کا باعث جہالت اور صرف جہالت ہے اور اگر ہماری قوم اب بھی بیدار نہ ہوئی اور اسی طرح قعر جہالت میں پڑی رہی تو (خدانخواستہ) چند روز میں صفحۂ ہستی سے فنا ہو جائیگی۔

لیکن جب تعلیم نسواں کا مسئلہ انہی حضرات کے روبرو آتا ہے تو وہ جھٹ مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں یا بالکل خموشی اختیار کرتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے لیڈروں کی مراد قوم سے کیا صرف مرد ہے؟ کیا وہ عورتوں کو خارج از قوم سمجھتے ہیں؟ میری رائے میں تو مرد عورت، بچے سب قوم میں داخل ہیں اور انہی سب کے مجموعے سے قوم بنتی ہے لیکن ایسے حضرات کی تحریریں

اور تقریریں ضرور تعجب خیز ہیں جو قوم کو جہالت کی دنیا سے نکال کر تعلیم و تہذیب سکھانا چاہتے ہیں لیکن عورتوں کو اس میں شریک کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ اسی قسم کے لوگوں کی تحریروں اور تقریروں نے میرے دل میں وہ سوال پیدا کیا جو اس مضمون کی سرخی ہے۔

کیا کوئی صاحب اس کا جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں گے اگر بفرض محال اس کا یہی مطلب نکالا جائے کہ عورتیں خارج از قوم ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ مرد عورتوں کو قوم سے خارج کر کے کیا ترقی کر سکتے ہیں۔ سب سے اول تو افزائش نسل کا کام ہے جس کا بوجھ قدرت نے مرد عورت دونوں پر مساوی کر دیا ہے۔ عورتوں کو خارج کر کے مردوں کی قوم تنہا یہ کام نہ اپنی عقل کے زور سے انجام دے سکتی ہے نہ علم سے اور ظاہر ہے کہ جب نسل ہی آگے کو نہ چل سکے گی تو قوم کس طرح رہیگی اور جب قوم کا وجود ہی نہ رہیگا تو ترقی کون کریگا؟ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قوم کے لئے مرد اور عورت کا وجود لازم و ملزوم ہے کسی ایک جنس کو خارج کرنے سے قوم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے قوم کے فائدے کے لئے جو بات کہی جائے اس میں دونوں کا شریک رکھنا ضروری ہے۔

اگر قوم کو جہالت سے نقصان پہنچا۔ اور تعلیم سے سنبھل جانے کی امید ہے کہ تو بحیثیت قوم مرد عورتیں دونوں ہی اس میں شریک ہیں

اس کی کیا وجہ کہ مردوں کی تعلیم کیلئے تو آپ ایڑی سے چوٹی تک زور لگائیں اور عورتوں کے نام پر خاموش ہو جائیں؟ ہاں آپ کے نزدیک عورتوں کو جاہل ہی رکھنا ضروری ہے۔ تو یہ دوسری بات ہے۔ لیکن اس صورت میں قوم کا نام نہیں لینا چاہیئے، بلکہ صاف طور پر بجائے قوم کے صرف "گروہِ مرداں" کہنا چاہیئے۔

خدیجۃ الکبریٰ

آپ کا وطن موضع حسین پور ضلع مظفر نگر صوبہ متحدہ ہے۔
ماہ دسمبر سنہ ۱۸۹۷ عیسوی خانقاہ ڈوگران ضلع گوجرانوالہ (پنجاب) میں
پیدا ہوئیں آپ کے دادا منشی حاجی فتح علی صاحب انسپکٹر پولیس تھے
اور برسوں خاص شہر لاہور اور امرتسر میں کوتوال رہے تینتیس ۳۳ سال
پنشن پاتے رہنے کے بعد ماہ مئی سنہ ۱۹۲۸ء میں بعمر نوے سال امرتسر میں
انتقال کیا۔ چونکہ آپ کے والد مرحوم محکمہ نہر میں ملازم تھے اور ایک جگہ
مستقل قیام نہ تھا اس وجہ سے آپ کا اور آپ کے بھائیوں کی تعلیم کا کوئی
انتظام نہ ہو سکتا تھا۔ لاچار ہو کر شہر پٹیالہ میں جہاں تعلیمی سہولتیں زیادہ تھیں
ایک مکان خرید کر والدہ صاحبہ اور سب بہن بھائیوں کے مستقل قیام کا
انتظام کر دیا۔ آپ نے پہلے محلے کے پرائمری زنانہ اسکول میں تعلیم ختم
کی پھر سرکاری وکٹوریہ زنانہ اسکول میں شریک ہوئیں جہاں درجہ ہشتم
کی خواندگی ختم کرنے پائی تھیں کہ آپ کے والد نے والدہ صاحبہ اور تینوں

بہنوں کو اپنے پاس بلا لیا۔ دونوں بھائی جو ہوشیار ہو گئے تھے وہ بدستور پٹیالہ میں تعلیم پاتے رہے۔

۱۹۱۶ء میں ۱۸ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی اور علیگڈھ جہاں آپ کے شوہر مولوی ادریس احمد صاحب بی اے یل ٹی کالج کے اسسٹنٹ سکرٹری تھے آ گئیں۔ دو برس وہاں قیام رہا اس کے بعد آپکے شوہر گورنمنٹ سروس میں داخل ہو کر پراونشل ایجوکیشنل سروس کے گریڈ میں ضلع بجنور گورنمنٹ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوے اسی زمانہ میں چھ ماہ کے اندر آپ کے سر سے والدین کا سایہ اٹھ گیا اور کچھ عرصہ کے بعد دو چھوٹی بہنوں نے بھی انتقال کیا۔ اب صرف ایک بہن تین بھائی رہ گئے۔ یہ تینوں بھائی چھوٹے ہیں بہ سلسلہ ملازمت پانچ سال بجنور میں قیام رہا اور چار برس شاہجہانپور میں دو برس سے آپ بریلی میں مقیم ہیں۔ جو قسمت روہیلکنڈھ کا صدر مقام ہے۔

اس وقت تک آپ کو چھ اولادیں ہوئیں۔ سب سے پہلی لڑکی اشرف النساء نے بہت تھوڑے عرصہ میں انتقال کیا اس کے بعد دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بزمانہ قیام بجنور پیدا ہوے اور ایک لڑکا شاہجہانپور اور ایک بریلی میں۔ بڑی لڑکی کا نام شائستہ بانو ہے جس کی عمر دس سال کی ہے۔ چھوٹی کا نام خجستہ بانو ہے جس کی عمر آٹھ سالہ ہے لڑکیاں ہر کاری

زنانہ اسکول کی چوتھی اور تیسری جماعت میں زیر تعلیم ہیں بڑا لڑکا
جلیس احمد مکان پر تعلیم پا رہا ہے چھوٹے لڑکے رئیس احمد اور سلیس احمد
کی عمر میں چار سال اور دو سال کی ہیں۔ سلیس احمد کے پیدائش کے
موقعہ پر لاہور اور امرتسر کے زنانہ رسالوں کے نامہ نگاروں نے
قطعات اور تاریخیں شائع کئے ہیں شاہجہاں پور میں جب آپ کی
دو لڑکیاں تعلیم کے قابل ہوئیں تو حسن اتفاق سے ایک روز سرکاری
زنانہ اسکولوں کی انسپکٹرس میم صاحبہ آپ کے یہاں آئیں اور کہا کہ اپنی
لڑکیوں کو سرکاری مسلم ماڈل اسکول میں داخل کرا دو۔ یہ زنانہ اسکول
چلتا نہیں کیونکہ شاہجہاں پور کے مسلمان تعلیم نسوان کے سخت مخالف
ہیں اگر آپ اس اسکول کی حمایت پر کمر بستہ ہو جائیں تو یہ اسکول
جلد ترقی کر سکتا ہے۔ مدرسہ کو قایم ہوئے پانچ چھ ماہ گزر چکے
تھے اور صرف پانچ لڑکیاں تھیں۔ انسپکٹرس صاحبہ کی تحریک سے
متاثر ہو کر آپ تائید پر آمادہ ہو گئیں۔ اور سب سے پہلا کام یہ کیا
کہ اپنے مکان کے برابر والی ایک وسیع عمارت میں مدرسہ منتقل
کرا لیا تاکہ آمد و رفت کا ہر وقت موقع ملتا رہے پھر دونوں لڑکیوں
کو داخل کرا دیا اس کے بعد مقامی خبر فاری کی خواتین سے ملاقاتوں کا
سلسلہ شروع کر دیا۔ سب کو ایک ایک کر کے اسکول میں لائیں اور تعلیم

ملایا پردہ کے انتظامات دکھلائے اس طرح بہت سی خواتین کو ہم خیال کرکے اون کی لڑکیوں کو اسکول میں داخل کردیا۔ چونکہ اسکول میں قرآن شریف اور دینیات کا کوئی انتظام نہ تھا اور مقامی مسلمانوں کو اعتراض تھا وہاں کی میونسپلٹی سے تحریک کرکے معلمہ کیلئے دس روپیہ ماہوار کا مستقل گرانٹ منظور کرایا۔ چنانچہ ایک معلمہ قرآن شریف اور دینیات کیلئے مقرر ہوگئی۔ اب لڑکیوں کی تعداد بڑھنا شروع ہوی پھر آپ کے شوہر نے اپنے دوستوں سے اور آپ نے اپنے ملنے والیوں سے اسکول کے لئے قریب ایکہزار کے چندہ کیا۔ جس سے تین نہایت خوبصورت پردہ دار ہاتھ گاڑیاں لڑکیوں کو مدرسہ لانے لیجانے کے واسطے بنوایئں اور مدرسہ کی عمارت میں پردہ کا پورا انتظام کیا۔ ابتداءً سرکار سے صرف دو کہاروں کی منظوری ایک ڈولی کے لئے تھی۔ جب طالبات کی تعداد بڑھی تو آپ نے پہلے دو اور پھر چار کہار زائداً اپنی طرف سے مقرر کئے جس کی تنخواہ چندہ سے دیجاتی تھی۔ جب تعداد سو تک ہوگئی تو سرکار سے بجائے دو کے چھ کہاروں کی منظوری ہوگئی۔ خوش قسمتی سے اس اسکول کی ہیڈ معلمہ نارمل پاس یعنے تربیت یافتہ تھیں۔ اون کی حقیقی بڑی بہن لائق خاتون تھیں مگر اون کے پاس تعلیمی سند نہ تھی لہذا وہ سرکاری سکول میں ملازم نہ ہوسکتی تھیں آپ کے کہنے سننے سے خانصاحب نے

آہستہ آہستہ ان کو پردہ میں تعلیم دی جس کے بعد وہ مڈل کامیاب ہوکر اسکول میں ملازم ہوگئیں۔

سینے پرونے، کارچوب۔ کشیدہ کاری۔ کروشیا وغیرہ میں یہ دونوں بہنیں طاق تھیں۔ مدرسہ میں ان کے علاوہ رفتہ رفتہ دو اور معلمات مقرر ہوگئیں۔ آپ کی لڑکیوں نے تین سال اس اسکول میں تعلیم پائی۔ جولائی ۱۹۲۲ء میں شاہجہانپور چھوڑا تھا اوس وقت یہ اسکول نہایت کامیاب حالت میں تھا۔ مقامی مسلمانوں کی سردمہری نے طالبات کی تعداد کم کردی ہے۔

چونکہ زنانہ اسکول کی تائید کے سلسلہ میں بہت سی خواتین سے ملاقات ہوچکی تھی اس لئے زیادہ تر تو اسکول کی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے نیز تبلیغ فنڈ میں مدد دینے کی غرض سے شاہجہانپور میں خواتین کی ایک انجمن قائم کی تھی جن کے عہدۂ سکریٹری کی ذمہ داری خود آپ نے اپنے پر لی۔ یہ انجمن ۱۳ر نومبر ۱۹۲۵ء کو قائم ہوئی۔ انجمن کے قیام پر "سب سے پہلی انجمن" کے عنوان سے مولوی سید ممتاز علی صاحب منیجر رسالہ تہذیب نسواں لاہور نے ۲۸ر نومبر ۱۹۲۵ء کے رسالہ میں بہت مسرت کا اظہار کیا ہے اور امید ظاہر کی تھی کہ دوسرے شہروں میں بھی ایسی انجمنیں قائم ہوں گی۔ انجمن کے ماہوار جلسے ہوتے تھے اور خواتین سے

باہمی میل جول رہتا تھا۔ تفریح کے علاوہ جلسہ میں کچھ نہ کچھ مفید کام ہوا کرتا تھا۔ اس انجمن میں خواتین کا سب سے پہلا شرک تبلیغ فنڈ قائم ہوا یعنی تہذیب نسواں کی معرفت سینکڑوں روپیہ مرکزی تبلیغ فنڈ کو بھیجا گیا اس کے بعد زنانہ انجمنوں کے قیام کا سلسلہ ہندوستان میں برابر جاری ہے بریلی، کانپور، رڑکی، کراچی، لاہور میں اس وقت انجمنیں قائم ہیں جب آپ بریلی آئیں تو یہاں کی خواتین نے اپنی انجمن کے صدارت کا اعزاز ان کو بخشا۔ چنانچہ ماہوار جلسوں میں آپ یہ خدمت برابر انجام دیرہی ہیں۔

کئی سال سے لاہور اور امرتسر کے زنانہ رسالوں میں آپ کے مضامین شائع ہوئے ہیں "نورجہاں" اور "سہیلی" میں مضامین کی تعداد محدود رہی ہے البتہ تہذیب نسواں میں ہر سال میں پچیس کے اوسط سے مضامین رہتے ہیں۔ چنانچہ سب نامہ نگاروں سے زیادہ مضامین لکھنے کے صلہ میں تہذیب نسواں، نے دوبارہ آپ کو اول نمبر کا انعام دیا ہے۔ اور کئی بار دوسرا، تیسرا، آپ کے مضامین عموماً، تعلیم نسوان کی حمایت خواتین کی معاشرتی اصلاح۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق ہوتے ہیں سنہ ۱۹۲۵ء میں سلک مروارید کے عنوان سے آپ نے بہت سے تاریخی مضامین شائع کئے ہیں سنہ ۱۹۲۶ء میں "منگیتر سے خط و کتابت" کی بحث تھی

کافی حصہ لیا ہے۔ نیجر تہذیب نسواں آپ کی قابلیت کے معترف ہیں جنوری ۱۹۲۶ء کے پرچہ تہذیب میں مولوی ممتاز علی صاحب ان الفاظ میں آپ کی لیاقت کا اعتراف فرماتے ہیں"

"محترمہ خدیجۃ الکبریٰ صاحبہ نے نہایت سلجھا ہوا ذوق پایا ہے انداز تحریر میں ایک خوشگوار بے تکلفی ہے اور ہر موضوع کا نہایت خوبی سے تجزیہ کر کے اپنے دلائل کو پڑھنے والے کے ذہن نشین کرتی ہیں"۔

آپ مسلمان خواتین میں ہندوستان کے مروجہ پردہ کے حامی نہیں ہیں بلکہ اسمیں بہت کچھ تخفیف اور ترمیم کی ضرورت سمجھتی ہیں آپ کی رائے ہے کہ "ہندوستان میں پردہ شعار اسلامی کے حیثیت سے قایم و رائج نہیں ہے تاریخ سے ثابت ہے کہ پردہ ہندوستاں میں قدیم سے رائج چلا آتا ہے اور اس میں جس قدر شدت ہوئی وہ مقامی حالات کے زیر اثر ہوی لہذا پردہ کی اصلاح مذہبی احکام کے حوالوں سے ہرگز نہ ہوگی۔ بلکہ جوں جوں تعلیم کی ترقی ہوگی مردوں اور عورتوں کے معاشرت میں اصلاح ہوگی، مردوں کے اخلاق درست ہوں گے اور وہ عورت کی عزت کرنا سیکھیں گے۔ پردہ میں خود تخفیف ہوتی چلی جائیگی افغانستان کی ملکہ ثریا جب تک ہندوستاں میں ہیں پردہ میں رہیں لیکن بمبئی پہنچکر بے نقاب

ہوگئیں۔ مطلب صاف ہے کہ پردہ کا دارومدار ملک کی حالت پر ہے۔
ذیل کا مضمون آپ کی وسیع تجربہ کا اعلان کر رہا ہے۔

بچّوں کو تعلیم کی ترغیب و تشویق

مغربی ممالک میں مدت دراز سے کوششوں کا سلسلہ جاری ہے کہ تعلیم کے طریقوں کو اس قدر دلچسپ اور دلاویز بنایا جائے کہ بچوں کو تعلیم سے وحشت ہونے کے بجائے رغبت پیدا ہو اور بچّے تعلیم سے بھاگنے کے بجائے اوس کو کھیل سمجھ کر حصول تعلیم میں مشغول رہیں چنانچہ مشہور و معروف طریقہ تعلیم جو "کنڈر گارٹن" کے نام سے موسوم ہے اور جرمنی میں ایجاد ہوا ہے اس کا مقصد بھی یہی ہے "کنڈر گارٹن" کے لفظی معنی ہیں "بچوں کا باغ" یعنی جس طرح باغ تفریح کی جگہ ہوتی ہے اسی طرح جس درگاہ میں یہ طریقہ رائج ہے وہ بھی بچوں کے لئے باغ کی مانند دلکش ہوتی ہے۔

اس قسم کے آسان اور دلکش طریقے اب رفتہ رفتہ ہندوستان کے مدرسوں میں بھی کہیں کہیں رواج پا رہے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ بچوں کی ماں بہنیں چونکہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں اس لئے ان طریقوں سے نفع نہیں پہنچتا۔

جب ہمارے بچے اسکولوں میں داخل کئے جاتے ہیں انکی وہ عمر گزر چکی ہوتی ہے جس عمر میں دلچسپ طریقوں سے بچوں کے دلوں میں حصول تعلیم کا شوق پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے کیونکہ گھروں پر ماؤں بہنوں کے تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ طریقے کام میں نہیں لائے جا سکتے۔

ہمارے ملک میں پیشتر۔ بیت بازی پہیلیاں، چیتاں اور معمے بچوں سے دریافت کرنے کا رواج بھی تحصیل علم کی ترغیب اور بچوں میں غور و فکر کی عادت پیدا کرنے کی غرض سے تھا مگر ان تدبیروں سے بچوں کو غور کرنے کی عادت تو پڑتی تھی لیکن قوت مشاہدہ کی مشق کا بالکل موقعہ نہیں ملتا تھا اور انسان کی سب قوتوں میں سب سے زیادہ کار آمد اور سب سے زیادہ مفید قوت مشاہدہ ہی ہے۔ جس کی مشق کا ہمارے بچوں کو بالکل موقعہ ہی نہیں ملتا اور پھر بڑی عمر میں یہ قوت عموماً معطل رہتی ہے۔ بچوں کی عادت میں داخل ہے کہ وہ بجائے چپ چاپ خالی بیٹھے رہنے کے یا صرف کچھ سنتے رہنے کے اپنے ہاتھوں سے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا اور کسی نہ کسی شغل میں مصروف رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں چنانچہ جملہ نئے طریقہ ہائے تعلیم میں اسی اصول کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ دوران تعلیم میں لڑکے خود اپنے ہاتوں سے کچھ نہ کچھ کرتے رہیں یورپ اور امریکہ کے مخصوص تعلیمی طریقوں کو سیکھ کر کام میں لانا دیر طلب امر ہے

اور بعض طریقوں میں روپیہ بھی زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہی میرا قصد اسوقت یہ ظاہر کرتا ہے کہ جو مائیں تھوڑی بہت تعلیم یافتہ ہیں اور اسکول کے نصاب تعلیم سے واقف ہیں وہ بھی اگر چاہیں تو تھوڑی سی توجہ سے بچوں کو بہت کچھ سکھلا سکتی ہیں۔ اسی طرح رقمیں اور ہندسے سکھانے کے بھی آسان ترکیبیں بتائی جا سکتی ہیں۔

میرے ایک چار رسالہ بچہ کو ایک میم صاحبہ نے ہدیہ کے طور پر انگریزی چھوٹے بڑے حروف تہجی اور ہندسے سکھانے کا چوبی بکس دیا تھا جس میں ایک ایک انچہ کے لمبے چوڑے اور اونچے لکڑے کے خوبصورت ٹکڑے تھے۔ ہر ہر ٹکڑے کے چھ رخوں پر نظر فریب تصویریں حروف اور ہندسے چھپے ہوئے تھے۔ تین چار دن میں بچے کو سب حروف اور ہندسے یاد ہو گئے چھوٹی عمر کے بچوں کو سائنس یعنی علم طبعیات کے موٹے موٹے اصول بہت آسانی سے سکھائے جا سکتے ہیں اور بچے اون کے سیکھنے میں بڑا شوق ظاہر کرتے ہیں۔ میں اپنا مطلب مثالوں سے واضح کرتی ہوں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ بچے کس طرح کام میں بھی مشغول رہ سکتے ہیں اور خود بخود علم بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً بچہ کو ایک مٹی کی رکابی پر جھلی مڑنے کو کہو وہ مڑہ لیتا ہے اور سکھا دیتا ہے اب چھوٹا سا دھیڑا بن گیا۔ بچہ جب اس سے خوب کھیل چکے تب اس سے

ہو کہ اسے آگ کے سامنے خوب سینکے۔ تھوڑی دیر آگ کے سامنے رہنے سے وہ
پھٹ جائیگا۔ ممکن ہے کہ بچہ ڈر بھی جائے۔ یا اوسے افسوس ہو۔ لیکن اس کا کچھ
مضائقہ نہیں۔ ضرورت ہو تو ایسا کھیل پھر بن سکتا ہے۔ اسی بچہ کو چولہے میں پکتی
ہوئی روٹی (پھلکا) دکھلاؤ پھر اس سے کہو کہ تانبے کی چھوٹی گھڑیا پانی سے لبالب
بھر کر چولہے پر رکھے اور نیچے آگ سلگائے۔ تھوڑی دیر میں پانی چھلک چھلک کر
گھڑیا سے نیچے گرنے لگیگا۔ پھر چائے کا پانی جوش کھاتے وقت سماور کا ڈھکنا
تھرتھراتے اوس بچہ کو دکھاؤ۔ پھر ایک لوہے یا تانبے یا پیتل کی اتنی بڑی گولی
بچہ کو دو جو لوہے کے تار کے چھلہ میں سے چھلہ کو رگڑاتی ہوئی پار ہوجائے۔ بچہ سے کہو کہ
گولی خوب گرم کرے۔ اب چھلہ کو دستپناہ کے بیچ میں تھام کر بچہ سے کہو کہ گرم گولی
دوسرے دستپناہ کے مدد سے اوس چھلہ میں سے نکالے مگر ہرگز اوس چھلہ میں
وہ نہ نکل سکیگی۔ اگر بچہ نے لوہار کو لکڑی کے پہیہ پر لوہے کی ہال چڑھاتے دیکھا
ہو تو ہال کو اپلوں کی آگ سے گرم کرنیکی تدبیر کے طرف توجہ دلاؤ۔ اگر بچہ نے تانگہ
یا یکہ میں سفر کیا ہے تو اوسے وہ واقعہ یاد دلاؤ کہ تانگہ والے نے آدھا راستہ طے کرنیکے
بعد تالاب یا ندی پر گھوڑوں کو پانی پلایا تھا اور بالٹی بھر بھر کر پہیوں پر
پانی ڈالا تھا وغیرہ وغیرہ۔ ساتھ ہی ساتھ ہر موقعہ پر بچوں سے سوال کرتے ہو
کہ ایسا کیوں ہوا۔ عقلمند ماں یا بہن کے سوالات پر رفتہ رفتہ بچہ خود بتلا سکیگا۔ کہ
گرمی پانے سے چیزیں بڑہتی اور پھیلتی ہیں۔ علم طبیعات کا یہ مشہور اصول ہے اسطرح

ملائی برف کی قلفی بچہ کو کھولکر دکھلاؤ اوسمیں ہمیشہ گڑھا پڑا ہوا ہوتا ہے۔ دودھ کی دیگچی میں دودھ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد دودھ کی سطح نیچے کو بیٹھ جاتی ہے۔ گرم لوہے کی گولی کو پانی سے ٹھنڈا کرکے پھر چھلے میں سے نکلواؤ۔ فوراً نکل جاویگی لوہے کی دو فٹ بھر کی برابر کی سلاخیں ایک کو گرم کرکے سرخ کرلو۔ دونوں کو زمین پر رکھو۔ گرم سلاخ زیادہ لمبی ہوگی مگر پانی سے بجھا دو پھر دونو سلاخیں برابر ہو جاوینگی۔ وغیرہ وغیرہ۔ بچہ موزوں سوالات کے جواب میں اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں خود یہ قاعدہ بتا دیگا کہ سرد سے چیزیں سکڑتی ہیں۔ یہ علم طبیعات کا دوسرا اہم قاعدہ ہے۔ ان دو قاعدوں کے معلوم ہو جانیکے بعد ان قاعدوں کے ماتحت بے شمار دلچسپ سوالات بچوں سے کئے جا سکتے ہیں جن سے نہ صرف بچوں کی معلومات میں مفید اضافہ ہوگا بلکہ اون کو نئی نئی باتیں معلوم کرنیکا اور اپنی قوت مشاہدہ کام میں لانے کا چسکا پڑ جائیگا۔

زہرا بیگم فیضی

بنت مسٹر حسن فیضی۔ آپ کے اجداد یمنی الاصل ہیں۔ حکمران بادر کے ہمراہ
ہندوستان تشریف لائے اور شہر کنبایت صوبہ گجرات اضلاع بمبئی میں سکونت
اختیار کی پھر رفتہ رفتہ اور بزرگوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا لیکن عرب سے سلسلہ
مناکحت منقطع ہوا اسلئے یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ہنوز رگوں میں عربی خون دوڑ رہا ہے
چونکہ آپکے والدین ایک ہی اجداد کے نام لیوا تھے اور باہمی تعلقات سے یہ رشتہ اور
بھی مستحکم ہوتا گیا۔

آپ کا ننھیال ہمیشہ علم و کمال میں مصروف رہا ہے اور لڑکوں کی تعلیم کیسا تھ
لڑکیوں کی تعلیم سے غفلت نہیں برتی گئی اور انہیں اتنی تعلیم دلادی جاتی تھی کہ
اپنے کاروبار انجام دے سکیں اور یہ زبان ہندوستان کی دیرینہ سکونت کے سبب
گجراتی ہوتی تھی۔ پھر ضرورت زمانہ اور وسائل معیشت نے آپ لوگوں کو بمبئی کی
مستقل سکونت پر مجبور کیا۔ جسکو آجکل اپنا وطن کہہ سکتے ہیں اسطرح آپ ہندوستانی

ہوگئیں۔ بمبئی جیسا مقام جہاں گجراتی۔ مرہٹی۔ انگریزی سے مخلوط اردو زبان بولی جاتی ہے وہاں صحیح اردو آپکے یہاں بولی جانا تعجب سے خالی نہیں۔ لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ سفر میں بہت کچھ آسانیاں پیدا ہوگئیں تھیں۔ اسلئے اہل زبان سے اردو بولنے اور سننے کے اکثر و بیشتر مواقع ملتے رہے پھر تو رفتہ رفتہ آپکے بزرگوں نے گجراتی کو خیرباد کہدیا اور اردو نے خود بخود اپنی جگہ نکال لی۔ آپکے بزرگ اس نکتہ کو خوب سمجھ چکے تھے کہ رفتار زمانہ کا خیال کر کے اپنی زندگیوں کو مرتب اور شائستہ بنانا چاہیے۔ اور یہ اُسوقت تک ممکن نہیں جبتک کہ اپنی بیبیوں کو بھی اپنے برابر کا شریک وسہیم بنایا جائے یہی وہ گر ہے کہ جس سے زندگیاں حقیقی طور پر مرتب ہوسکتی ہیں اور لڑکیاں علم و عقل سے آراستہ۔

آپ ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے پائیں جو خود بھی تعلیم یافتہ اور زمانہ شناس خاتون تھیں۔ پھر استادوں سے ۱۲ برس کے سن تک دینیات۔ عربی۔ فارسی اردو۔ پر کافی دسترس حاصل کرلی چونکہ اوس زمانہ میں آپکے یہاں پردہ کا زیادہ خیال تھا اسلئے کچھ دنوں کے بعد تعلیمی سلسلہ موقوف رہا اور آپ کی عربی تعلیم صرف و نحو تک پہونچکر ادھوری رہگئی۔ ۱۳ سال کے سن میں آپنے ایک کتاب کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔ انگریزی اپنے مذاق کے تحت گھر ہی پر سیکھ لی اور مطالعہ نے اسمیں بہت کچھ معاونت کی۔ جب تعلیم سے فرصت ملی تو آپکی شادی ہوگئی۔ لیکن بہت جلد اپنے رفیق حیات سے دائمی مفارقت ہوگئی یہ کٹھن نزل آپ نے صبر استقلال

کے ساتھ علمی اشغال میں لگی اور اپنے طبقہ کی فلاح و بہبودی میں بدرجہ کمال دلچسپی لینے لگیں۔ چنانچہ زنانہ کالج علیگڈھ کو ابتدائی چندہ فراہم کرنے میں شیخ عبداللہ صاحب کا بہت کچھ ہاتھ بٹایا ہے۔ آپ کئی کتابوں کی مصنفہ اور مولفہ ہیں۔ مختلف پرچوں میں مضامین نگاری کی اور یہ علمی مشغلا ابھی تک جاری ہے۔ ملک میں عزت و وقعت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہیں۔ چین۔ جاپان۔ امریکہ۔ سوئیٹزرالنڈ۔ پیرس لندن۔ قسطنطنیہ وغیرہ کی بھی سیاحت کر چکی ہیں۔ ہندوستان کا چپہ چپہ آپکا دیکھا ہوا ہے اور جہاں جہاں آپ تشریف لیگئیں وہاں کے سفرنامے لکھے ہیں محض تعلیمی جذبات سے متاثر ہو کر دو زنانہ مدرسوں میں معلمی کا کام بھی انجام دیا ہے چونکہ آپ کے والد کا کاروباری سلسلہ چالیس سال تک قسطنطنیہ سے رہا ہے اور آپ کو وہاں جانیکا اتفاق ہوتا رہا اور زمانۂ قیام میں آپ نے ترکی زبان سے بھی واقفیت پیدا کر لی اپنے کنبہ میں اردو کے نشر و اشاعت کیلئے ایک انجمن "بزم فصاحت" کی بنیاد ڈالی تھی جہاں لکھنؤ سے ہر ہفتہ ایک خاتون آتی رہیں اور انجمن خوب کامیاب رہی۔ آپ نہایت اچھی اردو لکھتی ہیں بمبئی کی آب و ہوا کا آپکی اردو پر مطلق اثر نہیں ہوا۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں جب سب سے پہلی مرتبہ مسلم لیڈیز کانفرنس کا اجلاس ہوا تھا اوسکی پریسیڈنٹ آپ ہی منتخب ہوئی تھیں پھر کئی سالوں تک کانفرنس میں خاموشی رہی۔ دوبارہ بیگم صاحبہ بھوپال کی صدارت میں اس کا فروغ ہوا۔

جوبلی علیگڈھ کے موقع پر اسکا اجلاس ہوا تو دوبارہ کرسی صدارت کو آپ ہی نے موزوں
ثابت کیا۔ آجکل گھر پر بھی برادری کی لڑکیوں کو زیور علم سے سنوارنے میں آپ ہمہ تن
مصروف ہیں آپکے تمام اوقات کا حصہ علمی شغلہ میں بسر ہوتا ہے۔ آپکی قابلیت کا اعتراف
بارہا مولانا شبلی مرحوم مولانا راشد الخیری مولانا ممتاز علی جیسے بزرگ کرچکے ہیں بہت کم
تعلیم یافتہ بیبیاں ہونگی جنہوں نے محترمہ کا نام نہ سنا ہو۔ غرض آجکل آپکا سب سے
زیادہ دلچسپ اور پسندیدہ مشغلہ دور دراز کے درماندہ بہنوں سے مراسلت کرنا اور انہیں
اونکے مصائب میں صائب موثرہ دینا اور دامے۔ درمے اونکی مالی اعانت کرکے
اونکی زندگیوں کو خوشگوار بنانا ہے۔ گویا آپ مجسمہ علم و عمل رحم و کرم ہیں۔

صحت اور قوت ارادی

حفظ ما تقدم کا اگر خیال رکھا جائے تو ان تمام تکلیفوں میں تخفیف ہوسکتی ہے
بلکہ میں یہانتک کہہ سکتی ہوں کہ انسان اپنی اندرونی قوت کو استعمال کرنیکی طاقت
پیدا کریں تو امراض اوس سے دور بھاگیں گے یعنے ارادۂ دلی اسقدر بڑی قوت
ہے کہ جسکا بیان مجھسے ایک حد تک تحریر نہ ہوسکے گا البتہ زبانی سمجھا سکتی ہوں۔
یہ قوت کامل توجہ سے پوری طرح زیر ہوسکتی ہے اس اندرونی طاقت پر قدیم
زمانے میں خدارسیدہ اور معرفت کے شائق اشخاص محض توجہ کی بدولت غالب
آجاتے تھے، اور ایسی قوت کو نافہم لوگ کبھی کبھار اتفاق سے دیکھ لیتے تو طلسم

یا سحر سمجھتے تھے یا سن لیتے تھے تو حیرت سے انگلیاں دانتوں میں پکڑ لیتے تھے کہ فلاں
فلاں شخص فوق الانسان ہے۔ ہم میں سے ہر بہن اس بے نظیر قوت کو بڑھا سکتی ہیں
یا اپنی لاپرواہی سے زائل کر کے بیکار کر دیتی ہیں کیونکہ ہر انسان میں یہ قوت موجود ہے
صرف طریقۂ استعمال سے ناآشنا ہیں۔ بیکار ہو جاتا اس زمانہ کا دستور العمل ہے اور اسی
طریقہ میں دنیا گرفتار ہو رہی ہے۔ فی زمانہ ہر انسان دواخانہ بن کے معالجوں کے
ہاتھوں اپنے کو سپرد کر دیتا ہے۔ خواہ بیماری ہو یا شبہ ہر حالت میں معالج بلوایا جاتا ہے
ذرا سی چھینک آئی عزیزوں کے اور اپنے چھکے چھوٹ گئے۔ قدیم زمانہ میں اکثر بچوں کو
بزرگوں کی صحبت میں چھوڑ دیتے تھے اور انکے زیر سایہ پرورش پاتے تھے جب جا کر
ان بچوں میں عجیب و غریب قوتیں پیدا ہوتی تھیں۔ خوراک سوچ سمجھکر اعتدال سے
کھاتے تھے۔ انکے قوی مضبوط اور بیماریوں سے مبرا رہتے تھے اوس زمانہ میں
عمر طبعی کو پہونچنا صحت کے ساتھ آسان تھا کیونکہ احتیاط کے ساتھ بسر ہوتی
تھی اور یہ بات تسلیم شدہ تھی کہ وہ آجکل کے لوگوں کی طرح عمر بھر رینگتے نہ رہتے تھے
اچھے تندرست رہتے تھے۔ اندرونی قوت کو بڑھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ
ہمیشہ اپنے دل میں یہ خیال جما ہوا رکھیں اور اپنے آپ تنہائی میں کہیں کہ
میں کبھی بیمار نہیں ہوونگی اور مجھے بیمار نہیں پڑنا بلکہ نہایت تندرستی سے
تادم زیست بسر کرونگی۔ اس طرح کھانے پینے بیٹھنے اٹھتے چلتے پھرتے سونے
کیلئے یہ ہی ارادہ کریں اور ہر کام کے واسطے یہ عزم اپنے دل میں پورے

درمیان کیساتھ کریں کبھی پست ہمت نہوں ہر وقت اپنے کو آمادہ رکھیں تو اندرونی قوت
طرہتی رہیگی اور اسکا فائدہ تھوڑے عرصہ میں جا کر معلوم ہوگا۔ متلی۔ سفرہ۔ دستوں
کی کثرت، سر کا درد، جنکی شکایت اکثر رہا کرتی ہے اسی قسم کی تکلیفیں اپنی قوت
ارادی سے فوراً برطرف ہوسکتی ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ پوری توجہ سے ان کے برطرف
ہونیکی خواہش ہوتی رہی ورنہ کبھی فائدہ نہ ہوگا۔ تشخیص سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر
بیماریاں ہاضمہ کی خرابی سے ہوتی ہیں اور جب آنتوں پر ہضم نہ ہونیوالی ثقیل
خوراک کا بوجھ پڑتا ہے تب جا کر امراض کی تکلیفیں پیدا ہوتی ہیں مسلسل یہ تکالیف
اگر جاری رہتی ہیں تو تمام جسم کی حالت رفتہ رفتہ بدل جائے گی دوران خون میں
رکاوٹ پیدا ہو کر طبیعت کا حال ناگفتہ بہ ہوجائیگا حالت صحت میں زیادہ ضروری
ہے کہ اعتدال اور احتیاط برتی جائے۔ کھائیں مگر سمجھ سے نہ یہ کہ جو پسند آیا غیر معمولی
حدتک کھالیا اور بیمار ہوگئے ہمیشہ تھوڑی سے بھوک باقی ہو تب جا کر کھانے سے
ہاتھ کھینچ لیں۔ شکم سیر ہرگز نہ کھائیں۔ نہ دواؤں کے محتاج بنیں۔ جیسے جیسے
بیماریاں لاحق ہوتی رہینگی ویسے ویسے کمزوری اپنا تسلط کرلے گی اسلئے اپنے
ارادہ دلی کو کام میں لیکر بیماریوں کو نزدیک نہ آنے دیں آنتوں کو صاف
ستھرا رکھنے سے جسمانی صحت کو بڑا فائدہ ملتا رہتا ہے اسکی ترکیب یہ ہے کہ
صبح سویرے ایک کٹورہ پانی بھر کے پئیں رات کو سوتے وقت بھی پئیں۔ ان کے
علاوہ دن میں ۲ کٹورے بے پیاس کے پئیں تاکہ آنتیں اچھی طرح دھل جائیں انہیں سے
آنتوں میں ہاضمہ کرنے کی طاقت پیدا ہوجائے گی۔

عطیہ فیضی صاحبہ

مویدزادہ بیگم سکینہ فرخ سلطان ایم اے

جناب موید الاسلام سید جلال الدین الحسینی اڈیٹر حبل المتین
کی دوسری صاحبزادی ہوتی ہیں۔ آپ کے والد ماجد اصلاً ایرانی اور
کاشان کے بڑے اعلیٰ معزز اور تاریخی خاندان سے ہیں۔ حسینی سید ہیں
آپ کا شجرہ چرم گوسفند پر لکھا ہوا ابتک موجود ہے۔ آپکی دادی صاحبہ
خانم سلطان کاشان کی بڑی معزز اور محترم خاتون تھیں۔ جنہوں نے
اپنے زمانہ میں تعلیمی امتیازات بہت کچھ حاصل کئے تھے اور علاوہ بریں
نہایت خوشنویس بھی تھیں۔

آپ کا جائے مولد شہر کلکتہ ہے۔ جب آپکی عمر ۴ برس کی ہوئی
اوسی وقت سے تعلیم کا آغاز کر دیا گیا۔ ابتداءً قرآن مجید۔ دینیات اور
فارسی کی تعلیم دیگئی۔ اور فارسی کی پڑھائی کے لئے شیراز سے معلم
طلب کیا گیا تھا۔ انگریزی کی تعلیم ۷ برس کی عمر سے شروع ہوئی جسکے لئے
مختلف یوروپین اتالیقہ رکھی گئیں۔ فرانسیسی زبان کی تحصیل کیلئے بھی

آپکے والد نے ایک خاص فرانسیسی اتالیق کا انتظام کیا اور علم موسیقی اور مصوری کے واسطے بھی مختلف معلمین رکھے گئے۔

جس وقت آپ نے مٹریکیولیشن کو نہایت نمایاں امتیاز کیساتھ پاس کیا تھا۔ اوس وقت آپ بہت ہی کم سن تھیں۔ اور یہ تعلیم ابتک گھر ہی پر یوروپین اتالیقین اور ایرانی معلم کے زیر نگرانی ہوتی رہی تھی لیکن اس درجہ کمال پر پہونچنے کے بعد اتنی قابلیت کی کوئی اتالیقہ ملنا دشوار تھا۔ جو آپ کو اعلیٰ تعلیم کے واسطے آمادہ کر سکے۔ اسلئے آپ کو دالٹسن کالج کلکتہ میں جو لڑکیوں کی جدید ترین اور بہترین تعلیم کے لئے مخصوص ہے شریک کرا دیا گیا۔ اور یہاں سے نمایاں طور پر آپنے انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے امتحانات کامیاب کئے۔ بی اے میں آپ کو خاصکر زبان انگریزی میں فرسٹ کلاس آنرز ملا۔ گویا یہی وہ پہلا سال تھا جبکہ کسی لڑکی نے انگریزی میں فرسٹ کلاس آنرز پاس کیا اس سے قبل کسی کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا بی اے کی تکمیل کے بعد آپ گھر ہی میں ایم اے فارسی کے امتحان کی تیاری میں مصروف ہوئیں۔ اس امتحان میں بھی آپ تمام صوبہ بنگال میں اول آئیں اس سے پہلے یہ فخر کسی اور لڑکی کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ جس کے لئے کلکتہ یونیورسٹی نے اپنا خاص طلائی تمغہ آپ کو عطا کیا۔ ایم اے کی تکمیل کے بعد آپ نے

قانونی امتحانات کیواسطے گھر میں خود بلا امداد کسی کے مطالعہ شروع کیا اور ابتک آپ قانون کے دو امتحانات دے چکے ہیں۔ دونوں کو بھی بینظیر قابلیت کے ساتھ پاس کیا۔ گذشتہ اپریل ۲۷ء میں آپ نے انٹرمیڈیٹ لا کا امتحان پاس کیا اور اس امتحان میں آپ تمام صوبۂ بنگال میں دوم رہیں۔ صوبہ آسام۔ بنگال۔ بہار۔ اوڑیسہ میں آپ ہی وہ پہلی مسلم خاتون ہیں۔ جنہوں نے ایم اے پاس کیا اور نیز تمام ہندوستان میں بھی آپ ہی وہ مسلم خاتون ہیں جنہوں نے قانونی امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس علمی لیاقت اور قابلیت کے سوا آپ علم موسیقی۔ مصوری۔ نقاشی میں بھی ید طولیٰ رکھتی ہیں اور متعدد یورو پین زبانیں اور مشرقی السنہ میں بھی کمال مہارت ہے فارسی۔ اردو۔ عربی۔ انگریزی۔ فرانسیسی بنگالی سب اچھی طرح جانتی ہیں آپ شمسیہ زنانہ مدرسہ کلکتہ کی افتخاری پرنسپال بھی ہیں۔ اور دوسرے زنانہ مدارس کلکتہ کو بھی ہر قسم کی امداد دیتی ہیں۔ ترقی نسواں کی عموماً اور مسلمان لڑکیوں کی تعلیمی ترقی کے لئے خصوصاً باوجود اپنی کمسنی کے بیحد کوشاں رہتی ہیں۔ اور مختلف سوسائیٹوں۔ انجمنوں کمیٹیوں کی ممبر ہیں۔ اور اخبارات میں بوقت فرصت مقالات متعلق بہ بہبودی حقوق نسواں لکھا کرتی ہیں۔

آپ نے طرزِ انشاء کے نمونہ کیلئے اپنا ایک معرکتہ الآرا مضمون "اسلام زبان ندارد" کے عنوان سے فارسی میں بھیجا ہے۔ لیکن ہم نمونتہً آپ کے اوس خط کا اردو ترجمہ شریک تذکرہ کرتے ہیں جو آپ نے ہر مجسٹی ملکہ ثریا" افغانستان کو سیاحت یورپ کے دوران میں لکھا تھا۔ جس کو تمام انگریزی اور اردو اخبارات نے نقل کیا ہے۔ طبقہ نسواں کے لئے آپ کا وجود سرمایۂ افتخار ہے۔

علیا حضرت! میں اپنی تمام ایرانی بہنوں کی جانب سے آپکی تشریف آوری ایران پر تہ دل سے خیر مقدم کرتی ہوں۔ اور بصد ادب ملتمس ہوں کہ حضور والا حسب ذیل گزارشات کو الطاف شاہانہ سے کام لیکر بغور ملاحظہ فرمائیں تاکہ آپکی سیاحت ایران کے دوران میں ایرانی خواتین کے دلوں میں سرگرمی عمل اور تزکیہ اخلاق کے نئے جذبات پیدا ہوں۔

افغانستان میں عورتوں کی بیداری۔ جس دن سے علیا حضرت نے اپنے شوہر نامدار کے ساتھ افغانستان کی زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لی وہاں علم و فضل کا سرچشمہ رواں ہو گیا اور افغانستان میں ترقی کے دروازے صنف نازک پر اس طرح کھل گئے جس طرح انکی ترکی اور مصری

بہنوں پر کھلے ہوئے ہیں۔ آپکی ہر دلعزیزی کا راز یہ نہیں ہے کہ آپ
ایک دولت مستقلہ کی ملکہ ہیں بلکہ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ نے تہذیب
و مدنیت اسلام کی راہ میں شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ ہمارے
پیشوایان مذہب تعلیمات اسلامی میں غلط تاویلات کرکے عورتوں کو
حضور سرور کائنات کے عطا کردہ جائز حقوق سے محروم کرنا چاہا تھا لیکن
آپ نے اسکا ازالہ فرما کر مقدس شارع اسلام کے مخالفین کو ہمیشہ
کیلئے ساکت وصامت کردیا۔

دختران توحید اور رسم پرستی کی زنجیریں۔ یہ ظاہر ہے کہ دنیائے اسلام
میں صرف ایک آپ ہی ایسی خاتون ہیں جنہوں نے دور حاضرہ میں رسم پرستی
اور توہمات کی جھوٹی زنجیروں کو توڑ کر پھینکدیا۔ کیوں کہ عرصہ دراز سے
ہماری ترکی اور مصری بہنیں دختران توحید کی ترقی کیلئے راستہ صاف
کررہی ہیں۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ اسوقت مشرق میں دنیائے
نسائیت کی روح رواں ہیں اور آپ بنصیب رتوںکی رہنمائی کیلئے جو کوشش
فرمائینگی وہ دوسروں کے مقابلہ میں غیر معمولی طور پر کامیاب ہوگی۔
عورتوں کے لئے دور جدید۔ مسلمانان مشرق بالخصوص وسط ایشیا کی
تاریخ میں عورتوں کی فلاح و بہبود کیلئے آپ کا نام نامی زریں
حروف میں لکھا جائے جس طرح آپ کے شوہر نامدار نے وسط ایشیا کی

تاریخ میں غیر فانی شہرت حاصل کرلی اسی طرح مشرقی خواتین کے بھی خواہوں کے زمرے میں آپ کو صف اولیں حاصل ہوگی۔ میں آپکے تمام مشرقی عقیدت مندوں کی جانب سے مودبانہ درخواست کرتی ہوں کہ آپ مراعات شاہانہ سے کام لیکر ایک موتمر قائم فرمائیں جس کے اجلاس ہر سال کسی مشرقی ملک میں منعقد ہوں اور جہاں دنیائے مشرق بالخصوص۔ ہندوستان۔ ایران۔ ترکی، افغانستان اور اگر ممکن ہو تو چین، جاپان کی خواتین کے باہمی تعلقات زیادہ مستحکم بنائے جائیں۔ مشرقی خواتین کی اس انجمن سے مسلمان بہنوں کے فلاح و بہبود میں بہت زیادہ مدد دینگی۔"

قومی ترقی کا انحصار۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کی ترقی کا انحصار زیادہ تر صنف نازک کی ترقی ہوتا ہے۔ لیکن یہ ترقی اسوقت تک غیر ممکن ہے جبتک کہ عورتوں کو اعلیٰ تعلیم دے کر ان کے اخلاق کو بہتر نہ بنایا جائے اس وقت علیا حضرت سے زیادہ کوئی اور مناسب و موزوں ہستی نظر نہیں آتی جو فرض عظیم کو انجام دے سکے۔

ہمیں یقین ہے کہ سرکار عالیہ نے کسی ایسی انجمن کے قیام کے متعلق روس، ترکی اور مصر کے دوران سیاحت میں کافی معلومات حاصل کرلی ہونگی۔

افغانی طور پر مشرقی قوموں کا اجتماع۔ علیا حضرت کے مشرقی عقیدت مندوں کو آپ کے شوہر نامدار کا یہ شاہانہ وعدہ یاد ہے کہ اہل مشرق کو مغرب کی سطح پر لانے کیلئے ایک مشرقی انجمن قائم فرمائینگے اعلیٰحضرت شہریار افغانستان کی یہ شاہانہ امید اس وقت تک پوری ہونا دشوار ہے۔ جبتک مشرقی عورتیں بھی اپنے مردوں کی طرح قابل نہو جائیں اور صفات حسنہ سے متصف ہو کر مشاغل زندگی میں اپنے شوہروں کا ہاتھ نہ بٹائیں۔

پاشا بیگم ایم اے علیگ

نواب محمد یار جنگ بہادر صوبہ دار و ظیفہ یاب سمت ورنگل حیدر آباد دکن۔ حال اتالیق شاہزادگان بلند اقبال کی بڑی صاحبزادی ہوتی ہیں۔ نواب صاحب۔ محدث اور علوم عربی و فارسی کے ماہر روشن خیال بزرگ ہیں۔ ملک میں نہایت وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں اپنے لڑکوں کو یورپ میں تعلیم دلوائی ہے آپکے بڑے فرزند صلاح الدین محمد یونس آکسفورڈ کے ایم اے بیارسٹر ہیں اور بی سی ایل۔ کی اعزازی ڈگری رکھتے ہیں اور چھوٹے فرزند خیر الدین محمد اور لیس کنگ کمیشنڈ لفٹنٹ ہیں۔ آپ کا آبائی وطن حیدر آباد دکن ہے۔ آج سے ۔ ۳ سال قبل حیدر آباد میں یہ عام بحث چھڑ گئی تھی کہ کالج کی پڑھائی لڑکیوں کے لئے پردہ کے ساتھ ناممکن ہے لیکن آپ اسکے خلاف تھے لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کو لڑکوں کی تعلیم پر ترجیح دیتے تھے۔ کیوں کہ ماں جبتک تعلیم یافتہ نہو۔ لڑکوں کی تعلیم

و تہذیب نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ اکثر لڑکے سن رشد تک پہنچکر اعلیٰ تعلیم سے محروم رہجاتے ہیں۔

ابھی عالم طفولیت تھا کہ ۱۹۰۷ء میں آپکی والدہ کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں پسماندہ چھوڑیں جن کے سرپرست ایک والد اور دوسری متشرع و پابند صوم صلوٰۃ نانی رہ گئے۔ جو تعلیم و تربیت کے ذمہ دار قرار پائے۔ لڑکیوں کی عمر اسکول جانے کے قابل ہو چکی تھی۔ اور اپنی والدہ ہی کے زندگی میں ناپلی کے زنانہ مدرسہ اعزہ میں شریک ہو چکی تھیں۔ فطرۃً آپ ذکی اور فہیم تھیں۔ جس جماعت میں ترقی کرتیں ہیں سب میں اول رہتیں مس ایونس پرنسپل (یوروپین لیڈی) اور دوسری استانیاں آپکو بہت عزیز رکھتی تھیں۔ جب محبوبیہ گرل اسکول حیدرآباد میں قائم ہوا تو آپ کے والد کی خواہش ہوئی کہ اپنی لڑکیوں کو بھی وہاں شریک کرادیں لیکن مس ایونس جن کو اس کا احساس تھا کہ انہیں لڑکیوں کی بدولت میرے اسکول میں اعلیٰ تعلیم کی داغ بیل پڑیگی آپ کے والد کے ارادہ کو پر سحر تدبیروں کے ساتھ رد کردیا۔ کیوں کہ آپ کی دماغی قابلیت اچھی تھی۔ تحصیل علم کا شوق تھا۔ محنت اور مشغفت کی عادی تہیں۔ سحر خیز تھیں۔ نماز کے بعد پڑھنے لکھنے میں

مصروف ہو جاتیں۔ دوسرے بھائی اور بہن بھی آپ ہی کے قدم بہ قدم
چلتے تھے۔ مس ایولن نے جب پردہ نشین لڑکیوں کیلئے بورڈنگ
ہوس کھولا تو آپکی دلی خواہش تھی کہ اس میں شریک ہو کر مغربی معاشر
اور تہذیب سے متمتع ہوں لیکن آپ کی نانی نے جو پرانی وضع کی
پابند تھیں یہ شرط کی کہ " اگر میری رہائش کیلئے بھی مس صاحبہ وہاں
ایک کمرہ کا انتظام کردیں تو میں بخوشی لڑکیوں کو بورڈنگ میں رکھونگی"
لیکن یہ شرط منظور نہ ہوئی اور آپ بورڈنگ میں شریک ہونے سے
محروم رہگئیں۔ لیکن یوں ہی مس ایولن کبھی ڈنر پر اور کبھی چاء پر مدعو
کرتیں تاکہ انگلش گھریلو زندگی سے بے بہرہ نہ رہیں تعطیلات میں
لڑکیاں اپنے والد کے مستقر پر جایا کرتی تھیں تو بعض اوقات
مس ایولن بھی ہفتہ دو ہفتہ کیلئے ان کے ساتھ تفریحاً چلی جاتیں
اسکول میں تقسیم انعامات کے جلسوں میں اکثر شکسپیر وغیرہ کے
ڈرامے دکھلائے جاتے تھے۔ جس میں آپ نمایاں حصہ لیتی تھیں۔ اور
اور ریسیٹشن میں خاص مہارت رکھتی تھیں۔ آپکی تعلیمی رفتار امید افزا
تھی سنہ ۱۹۱۳ء میں ہائی اسکول کا امتحان اعلیٰ نمبروں کے ساتھ
کامیاب کیا۔ سرٹیفکٹ پر ڈائرکٹر تعلیمات کے یہ الفاظ ہیں " اس سند سے
طالب علم کے بہترین اوصاف ظاہر ہوتے ہیں" ہائی اسکول میں علاوہ

انگریزی۔ فارسی۔ اردو کے جغرافیہ۔ تاریخ ہندہ۔ تاریخ برطانیہ کیمسٹری طبعیات ریاضیات آپ کے کورس میں شامل تھا۔ چونکہ بہترین تعلیم کی رو پڑ چکی تھی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے آپ بے چین رہتی تھیں۔ لیکن زنانہ کالج نہ ہونے سے بڑی دقت کا سامنا تھا۔ ایک مستقل مزاج مصمم ارادہ ہستی کو دنیا میں کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ آپ کے مسلسل تقاضوں سے کہ انٹرمیڈیٹ کی تعلیم کا گھر پر انتظام کیا جائے آپکے والد نے پہلے مسز انگلر چیف انسپکٹر آف اسکولس اور پھر نظام کالج کے دو پروفیسروں مسٹر کوپنی اور آغا محمد علی صاحب کو گراں معاوضہ پر مقرر کیا دونوں مکان پر آکر پس پردہ لکچر دیا کرتے تھے اقدس و اعلیٰ نے تین سو روپیہ ماہانہ کا تعلیمی وظیفہ دونوں بہنوں کیلئے عطا فرمایا۔ اور آپ نے ۱۹۱۷ء میں مدراس یونیورسٹی کے امتحان انٹرمیڈیٹ میں کامیابی حاصل کی منطق اور زبان فارسی میں نمایاں نمبر پائیں۔ مدراس یونیورسٹی ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں مشکل ترین سمجھی جاتی ہے جس کے آگے لڑکے بھی ہمت ہار دیتے ہیں۔ لیکن دونوں لڑکیوں نے باوجود پردہ کی قید و بند کے امتحان میں کامیابی حاصل کی پھر بی اے کی تیاری شروع کی لیکن مسٹر کوپنی نے انفلوئنزا سے انتقال کیا جو جنگ یورپ کے بعد جس کا عالمگیر اثر تھا۔ انکی اچانک موت نے ایک

عرصہ تک تعلیمی رفتار میں رکاوٹیں پیدا کردیں۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں مسٹر داؤد خان صوفی بیرسٹر ایٹ لا سے آپ کا عقد ہوا جو امراوتی کے سربرآوردہ اور تنہا مسلمان بیرسٹر ہیں شادی کے بعد مسٹر موصوف نے سرکار نظام میں (ڈسٹرکٹ جج) کی خدمت منظور کرلی ہے اور حیدرآباد میں اقامت گزیں ہیں چونکہ آپ بھی تعلیم نسواں کے حامی ہیں آپکی خواہش ہوئی کہ اپنی رفیقۂ حیات علیگڈھ کی گراجویٹ بنیں۔ چونکہ خود بھی علیگڈھ کے اولڈبوائے تھے سنہ ۱۹۲۲ء میں آپ علیگڈھ گئیں جبکہ آپ کے ساتھ آپ کے دو خردسال بچے بھی تھے۔ امتحان میں شریک ہوئیں اور دوسرے ڈویژن میں بی اے میں کامیاب ہوگئیں۔ شادی شدہ زندگی کے کثیر فرائض۔ دو معصوموں کی پرورش۔ بی اے کی تیاری نہایت اہم حالات تھے جو کچھ وقت ملتا اوس کا ایک سکنڈ غنیمت خیال کیا جاتا اور مطالعہ میں صرف ہوتا تھا علیگڈھ سے واپسی کے بعد آپکی چھوٹی ہمشیرہ شہنشاہ بیگم جو ایک نہایت ہوشیار شگفتہ مزاج نوجوان تھیں۔ جو محبوبیہ گرل اسکول سے سینئر کیمبرج ہوم نرسنگ فرسٹ ایڈ وغیرہ کے امتحانات میں کامیاب تھیں۔ جن کی شادی ہوکر تین سال ہوئے تھے اور عثمانیہ یونیورسٹی کے ایف اے میں شریک تھیں انتقال کرگئیں چلکے تین روز بعد مرحومہ کے کامیابی کی

خبر ملی۔ یہ حادثہ اس قدر المناک تھا کہ آپکی صحت متاثر ہونے لگی غم غلط کرنے کی آپ نے یہ تدبیر سوچی کہ پھر تعلیم کی طرف توجہ کرنی چاہی آپ کو فارسی لٹریچر بالخصوص جدید فارسی سے زیادہ شغف تھا۔ اور آپ نے تاریخ ہند کا انگریزی سے جدید فارسی میں ترجمہ بھی کیا ہے یہی وجہ تھی کہ ایم اے میں آپ نے ادبیات فارسی اور تصوف کو منتخب کیا اور آقا محمد علی داعی الاسلام پس پردہ کو چنگ کرتے رہے ۱۹۲۰ء میں علیگڈھ جاکر شرکت کی اور کامیابی حاصل کی۔

سال گزشتہ حیدرآباد میں ایک انجمن تعلیم نسواں ترقی اور اصلاح کی غرض سے قائم ہوئی جس کے آپ اعزازی معتمد ہیں۔ انجمن مذکور آل انڈیا ویمس کانفرنس کے تحت کام کر رہی ہے۔ سال حال دہلی میں کانفرنس کا اجلاس بصدارت ہر ہائینس نواب سلطان جہاں بیگم بھوپال منعقد ہوا تھا جس میں تمام ہندوستانی صوبجات اور دیسی ریاستوں سے نمایندے جمع ہوئے۔ حیدرآباد دکن سے یہی دس نمایندوں کا انتخاب ہوا جن میں سے ایک آپ بھی تھیں۔

آپ کو رفاہ عام کے کاموں سے زیادہ دلچسپی ہے اور اس دھن میں لگی رہتی ہیں کہ نسوانی طبقہ میں تعلیم نسواں کی برقی اسپرٹ دوڑ جائے۔ زیر تعلیم لڑکیوں کے تعلیمی مشکلات میں جو رکاوٹیں پیدا

ہوتی ہیں۔ اون کے دفعیہ کیلئے آپ ہمیشہ آمادہ وتیار رہتی ہیں۔ ہمارے ملک کی خواتین کیلئے آپ کا وجود سرمایہ نازش وافتخار ہے۔

طرز انشاد کے نمونے کیلئے آپ نے تاریخ ہند کا فارسی ترجمہ اور اردو میں اپنی سہیلی کو سسرال جانے کے بعد جو خط لکھا تھا اوس کی نقل بھیجی ہے ذیل میں ہم وہ دلچسپ خط شریک تذکرہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

۲۶۔ اگسٹ ۱۹۱۹ء

امراوتی کیمپ برار

پیاری بہن اسماء سلمہا اللہ تعالےٰ! السلام علیکم۔ مودت نامہ نظر فروز ہوا۔ بہت بہت شکریہ۔ تقریب میں شریک نہونے کی معافی قابل سماعت نہیں۔ صرف عذر لنگ ہے خیر۔۔۔۔۔۔۔ پانچ ماہ رواں کے ٹھیک دس بجے سب سے رخصت ہوکر ہم محل صوبہ داری سے روانہ ہوئے۔ چند منٹ میں موٹر میں قاضی پیٹھ کے اسٹیشن پر پہونچے۔ مشائعت کیلئے بڑی خالہ صاحبہ سب لڑکیوں کو ساتھ لیکر آئی تھیں۔ نہایت خاموشی کے ساتھ سب کے سب ریل کا انتظار رہے تھے۔ تقریباً گیارہ بجے دور سے ریل کی سیٹی سنائی دی۔ چند سکنڈ میں ریل آن

موجود ہوئی لڑکیوں نے پھولوں کے ہار تو پہنائے لیکن آبدیدہ ضرور تھیں
سب سے گلے ملکر میں ریل میں سوار ہوگئی ریزرورڈ کمپارٹمنٹ تھا ہم صرف
تین شخص تھے۔ مسٹر صوفی میں اور میری آیا ہمیشہ سفر میں بہنیں ساتھ رہا
کرتی تھیں۔ دو روز قبل بھائی یونس انگلستان جانے کی غرض سے
جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ اوس کا بھی خیال ہوتا تھا۔ اسٹیشن پر سے
دو ایک میگزین خرید لئے تھے۔ کبھی ان کے مطالعہ سے دل بہلاتی تھی
کبھی کھیتوں کی طرف دیکھتی تھی۔ بارش کا موسم تھا۔ تمام جنگل سبز ہی
سبز نظر آتا تھا۔ ریل کی تیز رفتار کے ساتھ درخت دوڑتے معلوم
ہوتے تھے اور پیچھے چھوٹتے جاتے تھے۔ وطن دور ہوتا جاتا تھا
پہاڑوں۔ درختوں پر یہ شعر کندہ نظر آتا تھا:۔

کم منزلٍ فی الدھر یالفہ الفتی وحنینہ ابداً لاوّل منزلِ

ترجمہ۔ بہت سے ایسے مقام ہیں جن سے انسان کو دنیا میں محبت ہوتی ہے
لیکن وہ پہلے مقام کیلئے ہمیشہ رویا کرتا ہے۔)

سفر کی درازی سے وحشت ہونے لگی۔ منماڑ کے اسٹیشن پر مسٹر صوفی
کے ایک دوست کا تار ملا کہ "بھوساول پر میں آپ سے ملوں گا" ہم نے
رات کا کھانا کھایا۔ ذرا دیر بعد میں بستر پر لیٹ گئی۔ مجھکو غنودگی
سی آرہی تھی۔ مسٹر صوفی دروازہ کے قریب کھڑے ہوئے اپنے دوست کا

انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑہایا اور چاہتے تھے کہ اوپر کی برتھ کو پکڑ کر کھڑا ہو جاؤں ۔ دفعتاً برتھ جھکی بڑی زور کی آواز ہوئی اور تمام اسباب نیچے گر پڑا۔ مجھکو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی چیز میرے سر پر گر رہی ہے۔ ایکدم اٹھ بیٹھی۔ دیکھتی کیا ہوں کہ فرش پر خون کا چھڑکاؤ ہو رہا ہے۔ مسٹر صوفی کے انگوٹھے میں ضرب آئی تھی اور خون کسی طرح تھمتا ہی نہیں۔ میں نے فوراً اپنا ریشمی رومال ٹھنڈے پانی میں بھگویا اور انگوٹھے پر لپیٹ دیا۔ تھوڑی دیر میں خون موقوف ہو گیا۔ صبح ۷ بجے امراوتی پہونچے۔ اسٹیشن پر بہت سے عزیز و اقارب استقبال کے لئے موجود تھے۔ امراوتی کی ہوا بہ نسبت حیدرآباد کے زیادہ ٹھنڈی ہے۔ بارش خوب ہوتی ہے۔ ہمارے مکان کے اطراف بہت بڑا کمپونڈ ہے۔ ایک طرف حنا کی باڑ لگی ہے۔ میرے کمروں میں روشنی بہت آتی ہے۔ تمام دریچے کھلے رہتے ہیں۔ دن بھر ٹھنڈی ہوا چلتی رہتی ہے دس بجے مسٹر صوفی کورٹ چلے جاتے ہیں۔ اسکے بعد میرا وقت کسی کتاب کے مطالعہ اخبار بینی یا خط لکھنے میں گذرتا ہے۔ تقریباً ہر روز مجھکو دیکھنے کیلئے مہمان آیا کرتے ہیں۔ شام کو باہر کے صحن میں کرسیاں رکھی جاتی ہیں اور سب باہر بیٹھتے ہیں۔ چاندنی راتیں نہایت پرلطف ہوتی ہیں۔ ٹہلتے ہوئے دور تک میدان میں نکل جاتے ہیں۔ بعض دفعہ خرگوش جھاڑیوں میں دوڑتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں۔

حضور النساء بیگم ایم اے

بنت سید عبد الحفیظ صاحب وظیفہ یاب سپرنٹنڈنٹ ڈیویژنل کمشنر برار ممالک متوسطہ۔ مڈل کلاس تک تعلیم اپنی والدہ سے پاتی رہیں۔ اور پھر باقاعدہ اسکول میں شریک ہوئیں سنہ ۲۲ء میں "ازابلا تھوبرن کالج" سے جو لکھنؤ یونیورسٹی کی شاخ نسوانیہ ہے۔ الیف اے کا امتحان درجہ دوم میں کامیاب کیا۔ اس کامیابی کے صلہ میں سرکار نظام سے آپ کو بی اے کی تعلیم کے لئے وظیفہ عطا ہوا۔ بی اے کی جماعتوں میں رفتار ترقی قابل تعریف رہی اور انگریزی مضمون نگاری میں آپ نے نواب عماد الملک بہادر کا اول پرائز بھی حاصل کیا سنہ ۲۶ء میں بی اے بھی درجہ دوم میں کامیاب کیا اور سرکار نظام نے ایم اے کی تعلیم کیلئے وظیفہ میں توسیع فرمائی۔ ایم اے سال اول و دوم دونوں میں تمام یونیورسٹی میں اول آنے کی وجہ سے،

یونیورسٹی کا مرٹ اسکالرشپ اعزازی وظیفہ دو سال تک ملتا رہا
۱۹۲۸ء میں ایم اے بھی درجہ دوم میں کامیاب کر لیا ہے۔ اور سرکار
نظام نے بی ٹی کی تعلیم کی غرض سے بہ توسیع وظیفہ آپ کو
"ازابیلا تھوبرن کالج" بھیجنے کی منظوری صادر فرمائی ہے۔ آپ
اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اور اب بھی صحیح معنوں میں ذوق تعلیم رکھتی
ہیں۔ آپ مولوی ظہور علی صاحب بی اے۔ صدر مدرس ورنگل (حیدرآباد دکن)
کی ہمشیرزادی ہوتی ہیں

بیگم سلطان بی اے

جناب موید الاسلام سید جلال الدین الحسنی صاحب اڈیٹر حبل المتین
کی بڑی صاحبزادی ہوتی ہیں۔ شہر کلکتہ میں پیدا ہوئیں۔ آپکی تعلیم
انگریزی اتالیقوں کے زیر نگرانی زیادہ تر مکان ہی میں ہوئی۔
۱۴ سال کے سن میں سنیر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔ جب آپ
امتحان کے لئے تیار ہوئیں۔ اوسوقت بہت ہی کم سن تھیں آپ کو
یہ امتحان دینے کے لئے الہ آباد جانا پڑا کیوں کہ کلکتہ میں اس قدر
کمسنی میں شرکت امتحان کی اجازت نہیں ملتی۔ سنیر کیمبرج پاس کرنیکے
بعد آپ ولکنس کالج کلکتہ میں داخل ہوئیں اور یہاں سے انٹرمیڈیٹ
اور بی اے میں صوبۂ بنگال کی تمام لڑکیوں میں اول نکلیں جس کیلئے
آپکو دو تمغے وشن چندر میڈل اور شانتی مونی میڈل عطا ہوئے
بی اے کا امتحان جب آپ نے دیا ہے اوسوقت آپ ۱۸ سال کی

تھیں اس امتحان کے وقت کلکتہ یونیورسٹی کے کل طالبعلموں میں
آپ سب سے چھوٹی تھیں۔ آپ صوبہ بنگال میں وہ پہلی مسلم خاتون
تھیں۔ جنہوں نے بی اے کا امتحان پاس کیا تھا یعنے صوبہ
بنگال کی وہ پہلی مسلمان لیڈی گراجویٹ ہیں۔ بی اے کے بعد
آپ نے قانون کے امتحان کے واسطے گھر ہی میں پڑھنا شروع
کیا اور قانون کا پہلا امتحان دیا اور تمام صوبہ بنگال کے کامیاب
شدہ میں آپ سب سے اول نکلیں۔ چند سال سے آپ زنانہ مدرسہ
شمسیہ کلکتہ کی افتخاری پرنسپال تھیں۔ اس کے علاوہ بنگالی
خواتین کو ووٹ ملنے کا حق حاصل کرنے کے متعلق آپ نے مسز ال
سی۔ الن۔ اور مسز کومودلین باسو۔ کے ساتھ ملکر بہت کچھ کوششیں
کیں اور متعدد جلسے اسکے لئے منعقد کئے اور مختلف لکچر دیئے۔

فروری سنہ ۱۹۲۳ء میں آپ کی شادی مسٹر امیر الدین ایم اے
ایل ایل بی بیرسٹر اٹ لا ساکن مدراس کے ساتھ ہوئی جو فی الحال
ضلع گوداوری بمقام راجمندری کے ضلع وسشن جج ہیں۔ مدراس
آنے بعد آپ نے مسلمان لڑکیوں کیلئے جبری ابتدائی تعلیم جاری
کرنیکے متعلق بے حد سعی و کوشش کی۔ اس زمانہ میں مدراس کے
مسلمان اس تجویز کے خلاف تھے۔ لیکن آپ نے بذریعہ پریس لوگوں کو

اس کے فوائد سمجھائے اور انکے ذریعہ تالیف قلوب کیا اور چند سال کی جدوجہد کے بعد بلدیۂ مدراس نے جبری ابتدائی تعلیم مسلمان لڑکیوں کے لئے منظور کرلی ہے۔ جب آپکے رفیق حیات کا تبادلہ راجمندری پر ہوا وہاں بھی ایک نئی حس پیدا ہوگئی۔ اور یہاں آتے ہی ایک لیڈی کلب قائم کیا اور اپنے مکان کا بیرونی حصہ اس کلب کے لئے دیدیا اسکے علاوہ ضلع گوداوری میں دو تعلیمی کانفرنسیں منعقد کیں اور آپ ان دونوں کی صدر منتخب ہوئیں۔ یہ دونوں کانفرنسیں کامیاب رہیں۔ گوداوری کی عورتوں کو اس سے پیشتر ایسی کانفرنسیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ان کانفرنسوں میں متعدد ڈلیگیٹ منتخب ہوئے جو آل انڈیا ایجوکیشنل ریفارم کانفرنس بمقام دہلی شریک ہوئے۔

غرض آپ اپنے فرقہ کی فلاح و بہبودی میں ہمیشہ پیش پیش رہتی ہیں۔

نور النساء بیگم بی اے

بنت عبد الحفیظ صاحب وظیفہ یاب سپرنڈنٹ ڈیویژنل کمشنر برار وممالک متوسط سنہ ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئیں، برخلاف رسم آپ کے والد کو اولاد ذکور سے زیادہ آپ کے تولد کی خوشی ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت جو درحقیقت تہذیب و اخلاق و اکتساب علم کی بنیاد ہے اپنی لائق ماں کے آغوش میں ہوئی جنہوں نے از حد توجہ و کوشش سے باوجود امور خانہ داری کے مصروفیتوں کے تعلیمی سلسلہ کو کسی موقع پر منقطع ہونے نہ دیا مڈل کلاس تک والدہ ہی آپ کی تعلیم کی کفیل رہیں۔ اسکے بعد مختلف ماسٹر مختلف مضامین کے تعلیم دیتے رہے۔ آخر تیرہویں سال مدرسہ میں شریک کردی گئیں، اندور سے آپ نے میٹرک کا امتحان کامیاب کیا سرکار نظام سے تعلیمی وظیفہ تا کامیابی بی اے عطا ہوا اس شرط پر کہ بعد ختم تعلیم

پانچ سال تک ممالک محروسہ سرکار عالی میں ملازمت اختیار کیجائے
لہذا ایف اے کی تعلیم کے لئے آپ "ازابلا تھوبرن کالج" لکھنو
میں شریک ہوئیں، آپ کے مضامین انگریزی، فارسی، جدید و قدیم
تاریخ مع جغرافیہ تھے ۔ ۱۹۲۱ء میں ایف اے کا امتحان کامیاب کیا
اور بی اے میں آپ کے مضامین ۔ انگریزی، فارسی، فلسفہ تھے
۱۹۲۳ء میں بی اے کا امتحان کامیاب کیا، اسی زمانہ میں مقابلہ
مضمون نگاری انگریزی میں جس میں انگریز۔ ہندوستانی انگریزی
ہندوستانی طلباۃ مقابل تھیں اول انعام حاصل کیا، یہ نواب
عماد الملک بہادر کا انعام تھا اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایف اے اور
بی اے کیلئے دو انعام مقرر کئے تھے ۔ عنوان خود انتخاب کر کے
پروفیسروں کی رائے سے متفق ہو کر طلباۃ کو بھیجے تھے ابتدائے سال
تعلیمی ہی سے اس مضمون کی طیاری شروع کر دینی پڑتی تھی اسلئے
کہ کئی کتابیں مطالبہ کیلئے تجویز کیجاتی تھیں اور اختتام سال سے
قبل مضامین متفرق یونیورسٹی مثلاً بنارس، الہ آباد کے
پروفیسروں کو برائے تصحیح و تصفیہ بھیجدیئے جاتے تھے ۔ ان صاحبان
کے تصفیہ سے کالج مذکور کے پروفیسر زاتفاق کر کے نامزد کو انعام
کا مستحق گردانتے تھے ۔ آپکا انتخاب کردہ مضمون "ٹامس ہارڈی بحیثیت"

ناولسٹ" تھا اس مضمون کیلئے آپ کو اسکی تمام ناولوں کا مطالعہ
کرنا پڑا۔ مختصر حالات زندگی بتانے کے بعد" ہارڈی" کی خوبیاں و
خرابیاں بطور ناول نویس بتانی پڑیں اور ہر دو پر رائے زنی و نکتہ
چینی کرنی پڑی یہ مضمون بہت طویل تہا، لال باغ کرانکل" نامی
کالج کے سہ ماہی میگزین میں اسکو بہ طرز اختصار شایع کیا گیا تھا
انعام کے قابل گردانے جانے کے بعد نواب صاحب مرحوم کی
خدمت میں روانہ کر دیا جاتا تھا، اسکے تقسیم انعام کا طریقہ یہ تہا کہ
ایک باقاعدہ جلسہ منعقد ہوا اور سر ولیم مارس گورنر ممالک متحدہ و
امیر جامعہ لکھنو نے بحیثیت میر مجلس جلسہ فرداً فرداً ہر ایک کو بلا کر
چند کلمہ آفریں کہکر انعام عطا فرمایا اور آپکو بطور خاص مبارکباد دی
یہ انعامات کا سلسلہ مرحوم کی زندگی تک برابر جاری رہا۔ آپ ہی
وہ پہلی مسلم خاتون تھیں جنہوں نے یہ انعام حاصل کیا بعد فراغ امتحان
آپ حیدر آباد میں آئیں اور یہاں فوراً آپکا تقرر مدرسہ محبوبیہ میں کہ
جو علی الخصوص امیر و اعلے عہدہ داروں کی لڑکیوں کے لئے ہے کر دیا گیا
اس مدرسہ میں آپ سے پہلے ہر چار قسم کے ترجمہ اردو سے انگریزی
انگریزی سے اردو، فارسی سے انگریزی و انگریزی سے فارسی کا
کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا اگرچہ کہ یہ مضمون کیمبرج کے امتحانات

کیلئے جو مدرسہ مذکورہ میں رائج ہیں تجویز شدہ ہے۔ ابتدأً تین ماہ کیلئے آپ منصرم رہیں، بعد ازاں علوم و السنہ مشرقیہ کی صدر معلمہ امتحاناً ایک سال کیلئے مقرر ہوئیں، بعد اختتام سال کارگزاری ہر طرح سے تشفی بخش ثابت ہوئی تو مستقل کر دی گئیں، کل مدرسہ کی نماز کا انتظام آپ کے ذمہ کر دیا گیا اگرچہ کہ آپ سے معمر استانیاں مدرسہ میں موجود تھیں، جس جائداد پر آپ کا تقرر ہوا وہ قبل ازیں غیر گزیٹڈ تھی، آپ کے تقرر کے بعد آپ کے والد بزرگوار کی کوشش سے آپکی جائداد گزیٹڈ کر دیگئی مدرسہ کے اعلیٰ گریڈ میں جو کہ یوروپین گریڈ کے نام سے موسوم ہے۔ چند جائدادیں یکے بعد دیگرے خالی ہو گئیں۔
اور ان تقرر طلب جائدادوں پر ولایت سے استانیاں مقرر ہوتی رہیں۔ ہر موقع پر آپ کے والد نے آپکو اعلیٰ گریڈ ملنے کی سعی و کوشش کی لیکن عرصۂ دراز تک کامیابی نہیں ہوئی سپہر اقدس و اعلیٰ بندگانعالی کو معروضہ گزران کر تمام دلائل و وجوہات سمع ہمایونی تک پہونچائے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۵ ؍ صفر ۱۳۴۲ھ کو ایک فرمان مبارک شائع ہوا کہ بعد ختم ملازمت پرنسپل آپ کو بحیثیت پرنسپل آزمایا جائے۔
آپ کے دادا مولوی سید نور صاحب مرحوم گورنمالک محروسہ برار کے دفتر انشاء میں میر منشی و صدر مترجم السنۂ مشرقیات کے

عہدہ پر عرصہ دراز تک ممتاز رہے۔ آپ کے چچا جناب خان بہادر
سید عبدالرحمٰن صاحب ڈپٹی کمشنر (ناظم ضلع) اکولہ تھے، آپکے نانا مولوی
سید اسمٰعیل صاحب حیدرآباد میں ایک عرصہ تک مترجم رہے جنکے
برادر نسبتی میجر عنایت علی خاں صاحب ایم۔ بی۔ سی ایچ۔ بی
دواخانہ عثمانیہ حیدرآباد میں سول سرجن ہیں۔ آپکے بڑے ماموں
سید ظہور علیصاحب بی اے بی ٹی۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ورنگل
ہائی اسکول میں صدر مدرس ہیں۔ آپ کی کئی ایک بہنیں اور بھائی
ہیں۔ جنکا حال آگے آئیگا۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید عزیز الحفیظ
نظام کالج حیدرآباد میں بی اے کے سال دوم میں ہیں دو بہنیں
صبؤالنساء بیگم اور غیور النسا بیگم لکھنؤ کے "ازابلا تھوبرن" کالج
میں ایف اے۔ اور میٹرک کی جماعتوں میں زیر تعلیم ہیں ماشاء اللہ
اسوقت آپ سب سات بھائی بہن ہیں جو اعلیٰ تعلیم کے حصول
میں جدوجہد فرمارہے ہیں۔ یہ تمام نتیجہ ہے آپ کے والد بزرگوار کے
تعلیمی دلچسپیوں کا جنہیں ہمیشہ یہ تمنا ہے کہ اولاد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو
ہر والدین کو آپ کی تقلید کرنا چاہیئے۔

صغرا بیگم حیا

حیا تخلص۔ بنت ڈاکٹر صفدر علی مرزا مرحوم سرجن افواج باقاعدہ حیدر آباد دکن۔ ڈاکٹر صاحب قوم کے ترک تھے۔ جن کے والد نظام علیخاں آصف جاہ ثانی کے عہد میں تجارتی ساماں لے کر حیدر آباد آئے۔ اور انکے صاحب جد نواب مرزا فیاض علیخاں مرحوم کے شرکت میں شمشیر سازی کا ایک کارخانہ کوٹا سمندر میں قائم کیا صغرا ہمایوں کے جد مادری قوم کے عجم تھے۔ آپ کی نانی بنی فاطمہ کی اولاد سے ہیں۔

ابتدائی تعلیم اپنی والدہ مرحومہ سے پائی۔ بعض معلمین سے درسی کتابیں ختم کیں اور زمانہ تعلیم گھر ہی میں ختم ہوا سنہ ۱۹۰۱ء میں آپکی شادی ہوئی سنہ ۱۹۰۳ء میں قومی خدمات کا شوق ہوا۔ زنانہ سوشل جو اسوقت بھی قائم ہے اسکی بنیاد لیڈی واکرا ور صغرا ہمایوں اور

چند یوروپینوں نے ملکر ڈالی۔ ۱۹۱۲ء میں انجمن خواتین اسلام کی بنیاد مسز خدیو جنگ بہادر کی شراکت میں رکھی اور بہت کچھ ممبر فراہم کئے جس کے تحت دو زنانے مدرسے کھولے۔ جس کو سرکار نظام سے دو سو روپیہ ماہانہ امداد ملتی ہے ۱۹۱۳ء میں آپکی تحریک پر مدرسہ صنعت و حرفت حیدر آباد میں ایک زنانہ اسٹور قائم کیا گیا جسکی آپ سکریٹری مقرر ہوئیں۔ اسی سنہ میں ہند و تعلیم یافتہ خواتین نے "لیڈیز یونین" قائم کی اور آپ اسکی ممبر ہوئیں ۱۹۱۶ء میں بزمانہ قیام دہلی انجمن خواتین دہلی کی بنیاد ڈالی ہر ہائنس بیگم صاحبہ پٹودی کو صدر انجمن منتخب کیا ۱۹۱۹ء میں حیدر آباد میں انجمن خواتین دکن قائم کی جسکی کئی بار آپ صدر رہ چکی ہیں اس انجمن نے بہت سے عملی کام کئے جس کے مختلف محلوں میں سات زنانہ مدارس قائم ہیں ہر مدرسہ کو سرکار سے کچھ نہ کچھ امداد ملتی ہے۔ سالانہ جلسوں میں زنانہ دستکاری کی نمائش ہوتی ہے۔ ماہانہ جلسوں میں مفید مضامین پر تقریریں ہوا کرتی ہیں۔ غریب نادار لڑکیوں کی شادی معذور بیواؤں کی امداد جس کے مقاصد ہیں ۱۹۲۱ء میں بمقام مدراس ایک انجمن نسوانی قائم کی ۱۹۱۸ء میں آل انڈیا لیڈیز کانفرنس بھوپال میں شریک ہوئیں اور پردۂ مروجہ کی اصلاح پر تقریر کی ۱۹۲۵ء میں پھر اسکے

۲۲

جلسہ میں جو پونہ میں ہوا تھا شریک ہوئیں۔ ۱۹۲۷ء میں حیدرآباد کی جانب سے اس کانفرنس میں ڈیلیگیٹ مقرر ہوئیں۔ ۱۹۰۲ء سے ادبیات کا شوق ہوا جس کا مقصد ملک و قوم کی اصلاح تھا پہلے پہل مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں بھیجے آپکی پہلی تصنیف ۱۹۰۴ء میں ہوئی۔ مشیر نسواں۔ تحریر النسا۔ مجموعہ نصائح۔ سفینہ نجات۔ آوازِ غیب۔ سفرنامہ عراق۔ سیر بہار و بنگالہ۔ روزنامچہ بھوپال دہلی و آگرہ۔ سفرنامہ پونہ۔ والئیر مدارس وغیرہ۔ (سیاحت جنوبی ہند) سیر نیل گیری مقالات صغرا (یہ آپ کی تقاریر کا مجموعہ ہے جسکو نجم الحسن اکبرآبادی نے چھپوایا ہے) سرگذشت ہاجرہ۔ سفرنامۂ یورپ دو حصے۔ کی آپ مصنفہ ہیں۔

۱۹۱۹ء میں رسالہ النساء نکالنا شروع کیا۔ مضامین نویسی کے صلہ میں آپ نے کئی طلائی تمغے حاصل کئے۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس نے بھی جو بمقام جھنگ ۱۹۲۳ء میں ہوئی تھی۔ ادبی خدمات کے صلہ میں طلائی تمغہ دیا۔ نمایش باغ عامہ منعقدہ ۱۹۲۴ء میں کارپردازان نمایش نے آپ کو بھی تمغہ دیا۔ ۱۹۲۰ء میں حیدرآباد ٹکسٹ بک کمیٹی کی آنریری ممبر منتخب ہوئیں۔ لندن کی انٹرنیشنل کانگرس آف مارل ایجوکیشنل نے ۱۹۲۳ء میں جس کی شاخ انڈیا میں ہے جسکو

انڈین نیشنل کانفرنس آف انٹرنیشنل کانگرس آف مارل ایجوکیشنل کہتے ہیں اس کا آپ کو اعزازی ممبر بنایا سنہ ۱۹۲۴ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی ممبر منتخب کی گئیں۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں بمقام منوہر آباد ایک پختہ مہمان سرائے تعمیر کرادی ہے۔ جس کا مادۂ تاریخ سلطان العلما نواب ثنا دالملک مرحوم نے، صنعر اسرا ہمیشہ آباد۔ نکالا۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں زنانہ سوشل کے تحت ایک جلسہ علیگڈہ کالج کو مالی امداد بھیجنے کیلئے منعقد کیا اور کافی تعداد میں چندہ بھجوایا۔ سنہ ۱۹۰۸ء کی قیامت خیز طغیانی رود موسٹی میں تباہ شدہ نفوس کو امداد دینے کی غرض سے ایک جلسہ کیا اور کمیٹی قائم کی جسکی خازن مسز حذلو جنگ منتخب ہوئیں اور ہزاروں کی امداد کی۔ جس میں ملبوسات زر نقد تھا علیگڈہ مسلم یونیورسٹی کو سنہ ۱۹۱۳ء میں امداد کی غرض سے خواتین کا ایک جلسہ ترتیب دیا اور اسی سنہ میں جنگ بلقان جو ترکیوں سے ہو رہی تھی بہت کچھ چندہ جمع کیا اور مولانا محمد علی صاحب اڈیٹر کامریڈ کو بھجوایا۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں بشیر باغ میں جلسہ کر کے خواجہ کمال الدین صاحب کو اونکی مشن کی امداد کے لئے ووکنگ انگلستان چندہ بھجوایا۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں تربت حیدری (ایران) میں محشر انگیز زلزلہ کی وجہ

جو جانیں تلف ہوئیں اون کے پسماندوں کیلئے خواتین سے چندہ
فراہم کرکے ہز اکسلینسی معز الدولہ تو نقصل ایران متعینہ شملہ کو بھجوایا۔ سنہ
میں سمرنا کی امداد کے لئے مستورات سے چندہ فراہم کرکے سیٹھ چھوٹانی
صدر خلافت کے پاس روانہ کیا سنہ ۱۳۲۶ء میں رائٹ آنریبل مسٹر امیر علی
کو خواتین سے چندہ فراہم کرکے مسلمانوں کا قبرستان بنانے کے لیئے
روانہ کیا۔ جب آپ یورپ جارہی تھیں آپکی تحریک پر عید الفطر
کے موقع پر صاحبزادہ آفتاب احمد خالصاحب وغیرہ نے جہاز پر
عید منائی اور بطور فطرہ کے مسلمانوں سے چندہ لیکر معذور ملاحوں
کے لئے جہاز کے کپتان کو دیا۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں عراق۔ بصرہ۔ بغداد
نجف اشرف۔ کربلائے معلا۔ سامرہ اور کچھ ایرانی حصہ کی سیاحت کی
سنہ ۱۹۰۹ء میں دولت آباد ایلورا اورنگ آباد سنہ ۱۹۱۱ء میں بنارس
مظفرپور۔ پٹنہ عظیم آباد۔ کلکتہ سنہ ۱۹۱۶ء میں پونہ۔ گلبرگہ۔ والیٹر
اسحق پٹن۔ مدراس۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں نیل گری۔ پانڈیچری۔ ٹرد یلور
مایا دارم۔ ترچناپلی۔ مدورا۔ تنجور۔ نگاپٹم۔ ناگور۔ کوڈاکنال۔ مدراس
سنہ ۱۹۲۲ء میں کئی شہر فرانس۔ مارسیلیز۔ نیس۔ پیرس۔ ہولنڈ اور جرمنی
سوئٹزرلینڈ اٹلی۔ انگلستان میں لندن۔ برائٹن۔ ایسٹ بورن
کیمبرج واکسفورڈ دیکھا۔ بزمانہ اقامت انگلستان ملکہ معظمہ نے اپنے

دربار کورٹ گارڈن پارٹی میں مدعو کیا۔ برٹش انڈین ایسوسیئیشن نے ایٹ ہوم دیا۔ طلبا ے کیمبرج نے اپنی مجلس میں مدعو کیا۔ ہز ہائینس مہاراجہ بڑودہ اور ہر ہائینس بیگم صاحبہ مانا دور نے دعوتیں دیں۔ نیز لیڈی مصباح السلطنتہ۔ لیڈی برومفلیڈ و لیڈی پنہے لیڈی واکر وغیرہ نے لنچ کی دعوتیں دیں۔ بزمانہ اقامت برلن ہندی طلبا نے ایک جلسہ منعقد کرکے آپکی تقریر کرائی۔ انجمن سوائے جماعت اسلامیہ نے جسمیں مختلف ملکوں کے تین سو ممبر ہیں آپ کو اڈریس دیا۔ اخباروں میں آپکی تقریریں شایع ہوئیں۔ بمقام تیرانے سوئٹزرلینڈ سلطان عبدالمجید وملکہ سابق ترکی نے دو روز اپنا مہمان رکھا۔ مولانا برکت بھوپالی نے بمقام زیورچ (سوئٹزرلینڈ) جو مسٹر ہمایون مرزا کے قدیم دوست ہیں دعوت دی۔

آپ نے جہاں جہاں سیاحت فرمائی وہاں کے سفرنامے لکھے ہیں تاکہ مستورات کو گھر بیٹھے اون سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے۔ ۱۹۰۷ء میں سودیشی اشیاء کے استعمال پر اور ۱۹۱۳ء میں گاؤکشی کے موقوفی پر آپ نے اظہار خیال فرمایا تھا اور ۱۹۱۲ء میں قومی یونیورسٹی پر زور دیا تھا اور مادری زبان میں تعلیم کی نسبت رسالہ ظل السلطان بھوپال میں مضمون لکھا تھا۔ پردہ مروجہ کو ترک کرنیکی طرف توجہ دلائی تھی۔ اب ایک مدت کے بعد ملک میں اونہیں خیالات کا ظہور ہورہا ہے

ذیل کی نظم آپکے نازک خیالیوں کی ترجمان ہے۔

مسیحا آکے بالیں پر جو رو جائے تو رو جائے — نصیبہ جاگ کر اپنا جو سو جائے تو سو جائے

مجھے پرواہ ہی اچھے کی نہ خطرہ ہے برائی کا — میرا دل تیرا ہاتو ہے جو کھو جائے تو کھو جائے

رقیب روسیاہ سے عبث امید نیکی کی — کوئی کانٹا مرے حق میں وہ بو جائے تو بو جائے

نہ جینے کی خوشی مجھکو نہ مرنے کا الم کچھ ہے — جو ہونا ہے مقدر میں وہ ہو جائے تو ہو جائے

نہ کی کچھ قدر جیتے جی وہ پچھتاتا ہے مرنے پر — مری تربت پہ اب آکر جو رو جائے تو رو جائے

مری توبہ کے آنسو سے حیا مجھکو یقیں یہ ہے — گنہ جو کچھ ہوا مجھ سے وہ دھو جائے تو دھو جائے

شادی خانہ آبادی

ہجرت کے دوسرے سال جب حضرت فاطمہ کی عمر دس سال کی تھی۔ عقد کی درخواستیں پیش ہونے لگیں۔ حضرت رسول درخواستیں دیکھکر منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ لوگ کہتے تھے حضرت کی عسرت اس عقد سے مانع ہے ایک شخص نے کہا میں گراں بہا مہر دینے کو تیار ہوں حضرت فاطمہ کا عقد مجھ سے منظور کیا جائے۔ یہ سنکر رسول خدا غضبناک ہوئے۔ آپنے کچھ کنکریاں دست مبارک میں لیکر اس کے دامن میں ڈال دیں یا وہ سب موتی ہوگئیں۔ یہ درخواست حضرت عبدالرحمن ابن عوف کی تھی جب تمام لوگ مایوس ہوگئے تو حضرت علی نے اپنی درخواست پیش کی۔

حضرت رسول نے ہنسکر فرمایا علیؑ تمہارے پاس کیا چیز ہے جس پر عقد کیا جائے
شرمیلی آواز میں جواب دیا گیا میرا حال آپ پر روشن ہے۔ میرے قبضہ میں
اس وقت ایک آب کشی کا اونٹ ایک تلوار ایک زرہ[1] ہے۔ ارشاد
ہوا تلوار دشمنان خدا سے جہاد کرنے کیلئے۔ اونٹ آب کشی کے لئے
ہاں ہم زرہ پر تمہارا عقد کئے دیتے ہیں۔ حضرت رسول نے حضرت فاطمہ
کے کمرہ میں تشریف لاکر فرمایا اے نور نظر میری خدا سے استدعا تھی بہترین
خلق اور محبوب ترین مخلوق سے تیرا پیوند کیا جائے۔ پس آج علی ابن
ابی طالب تمہارے رشتہ کی درخواست لیکر آئے ہیں۔ حضرت فاطمہ نے
شرم سے سر جھکا کر سکوت فرمایا حضرت رسول یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے
سکوت تمہارا اقرار رہا یہ خموشی رضامندی پر مبنی ہے۔ بعض روایات ہیں کہ
حضرت فاطمہ نے یہ سنکر کہا بسر و چشم۔ یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے
حضرت رسول باہر آئے جبرئیل نے عرض کی رسول اللہ فاطمہ کا عقد
علی سے کر دیجئے خدا نے فاطمہ کو علی کے واسطے علی کو فاطمہ کے واسطے
پسند فرمایا ہے۔ اس خوشخبری کو حضرت رسول نے علی سے کہا اور ارشاد
فرمایا اے علی مبارک ہو کہ خدا نے تمہیں وہ کرامتیں عطا فرمائی ہیں جو کسی کو

---

[1] لوہے کا لباس ہوتا ہے جو جنگ کے وقت پہنا جاتا ہے۔

مرحمت ہنیں فرمائیں میں اپنی بیٹی فاطمہ کا عقد تم سے کرتا ہوں اسی چیز پر
جس پر خدا نے اس کا عقد کیا ہے اور میں اسی نسبے سے راضی ہوں جس سے
خدا راضی ہے اچھا اب تم مسجد کو چلو میں بھی تمہارے پیچھے آتا ہوں
سب کے روبرو تمہارا عقد کروں گا اور تمہارے وہ فضائل بیان
کروں گا جس سے تمہاری اور تمہارے دوستوں کی دنیا و آخرت میں
آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ابھی مسجد تک
نہ پہنچے تھے کہ رسول اللہ بھی ہم سے آملے۔ حضرت کا چہرہ فرط مسرت
سے چمک رہا تھا۔ آتے ہی بلال کو آواز دی فرمایا سب مہاجر و انصار
کو جمع کرو۔ جب سب جمع ہو گئے تو آفتاب رسالت منبر پر جلوہ افروز
ہوا قدسیوں نے حمد و ثنائے عالم میں خطبہ ادا کیا۔ اور بعد خطبہ ارشاد
ہوا میں نے علی کو فاطمہ سے پیوند کر دیا۔ چار سو مثقال چاندی اسکا
مہر ہے اگر علی خوشنود و رضامند ہوں۔ ادھر سے قبول کی صدا بلند ہوئی
حضرت علی سجدۂ شکر بجالائے۔ رسول نے دعا فرمائی کہ خداوند تم تمہاری
نسل سے طیب و طاہر پیدا کرے اور تم کو برکت عطا فرمائے۔ چاروں
طرف سے مبارک مبارک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ چھوہاروں کا ایک
خوان لٹایا گیا۔ حضرت رسول نے دولت سرا میں قدم رکھا اور ازواج
نے تہنیت ادا کی۔ حضرت فاطمہ کو اطلاع دی گئی اور رسول اللہ نے

فرمایا اگر میرے کنبہ میں علی سے بہتر کوئی اور ہوتا تو اسی سے تمہارا عقد کرتا میں نے تمہارا نکاح نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے تمہارا پیوند کیا ہے اور تیرے مہر میں خمس مقرر فرمایا ہے۔ جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں یہ ارشاد فرما کر باہر تشریف لائے اور حضرت علی سے فرمایا اب تم اپنی زرہ بیچ ڈالو تاکہ تمہارے لئے اور فاطمہ کے واسطے سامان ضروری تیار کیا جائے۔ حضرت نے یہ ارشاد سنکر چار سو درہم کو، زرہ بیچ ڈالی اور قیمت لاکر رسول اللہ کے سامنے رکھدی۔ حضرت نے خریدی سامان کے لئے حضرت مقداد کو مقرر فرمایا۔ چند صحابی ان کے ساتھ ہوئے۔ سامان جناب سیدہ کے جہیز کا یہ خریدا گیا۔ ایک گدالہ جس میں اون بھری ہوئی تھی۔ مصر کا بنا ہوا ایک چمڑے کا تکیہ جس میں خرما کی چھال تھی ایک خیبر کی عبا ایک پرانی مشک۔ چند آبخورے چند ٹھلیاں۔ ایک لوٹا۔ ایک ہلکا سا بالوں کا پردہ۔ ایک قمیص۔ چادر پنجہ (یعنے مقنعہ) ایک پلنگ کھجور کی لکڑی کا۔ دو فرش خرما کی چھال کے مصر کے بنے ہوئے۔ ایک بوریا۔ ایک چکی۔ ایک تانبے کا لگن۔ ایک لکڑی کا پیالہ۔ خوشبو کے لئے سامان غرض زیادہ سے زیادہ یہی تفصیل ہے جب حضرت رسولؐ کے سامنے یہ سامان آیا ایک ایک چیز کو ہاتھ میں لیکر فرماتے خداوندا تو اسمیں برکت عطا فرما۔ خدا تو ان کو برکت عطا فرما جن کے کل برتن

مٹی کے ہوں یہ سامان خانۂ رسالت میں رکھا گیا عقد کے ایک
ماہ کے بعد حضرت علی کو بلایا اور فرمایا آج شب کو ہم فاطمہ کو
وداع کریں گے۔

امۃ الکریم

بنت مولوی عبدالقیوم صاحب ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئیں آپ کا شجرہ حضرت شاہ ابراہیم ادہم بلخی سے ملتا ہے۔ دہلی کے مشہور اور باکمال شاعر مولانا مولوی امام بخش صہبائی مرحوم کی نبیرہ زادی ہوتی ہیں۔ یہ خاندان مقامی لحاظ سے "تھانیسری" مشہور ہے سن طفولیت سے ذہین تھیں۔ رسم بسم اللہ سے پیشتر ہی بغدادی قاعدہ اور پہلا سیپارہ قریب قریب ازبر تھا۔ ساتویں سال قرآن مجید ختم کیا اور ساتھ ہی ساتھ اردو کی اتنی استعداد بہم پہونچائی کہ خاصی مشکل کتابیں بے تکلف پڑھ سکتی تھیں کسی اسکول میں تعلیم نہیں پائی۔ بلکہ ابتدائی تعلیم والدہ نے دی اور اسکے بعد والد نے فارسی۔ عربی وغیرہ سکھائی۔ دسویں سال فارسی کی اچھی خاصی استعداد پیدا کرلی اخبار بینی و مضمون نگاری کا شوق پیدا ہوا چنانچہ آپ کا سب سے پہلا خط اخبار "وطن" لاہور میں ۱۹۰۳ء شایع ہوا جو چندہ حجاز ریلوے کے

متعلق تھا۔ اس خط کی ترغیب سے دفتر "وطن" میں زیر سرپرستی مولوی محمد انشاء اللہ خانصاحب ایڈیٹر قومی بچوں نے امتہ الکریم فنڈ کے نام سے ایک فنڈ چندہ حجاز ریلوے کیلئے کھولا جس میں ایک عرصہ تک چندہ جمع ہو کر سلطان روم کی خدمت میں بھیجا گیا وہاں سے موصوفہ کو ایک تمغہ اور فرمان شاہی عطا ہوا اسکے بعد آپ کا شوق مطالعہ اور مضمون نگاری بڑھتا ہی گیا۔ یہانتک کے سولھویں سال ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "سفیر نسواں" تھا جس میں عورتوں کے جہالت کی مضرت اور تعلیم کی ضرورت بہت موثر پیرایہ میں بیان کی ہے۔ پڑھنے والوں کی رائے ہے کہ "سولہ سالہ لڑکی کی تصنیف ساٹھ سالہ تجربہ ظاہر کر رہی ہے" جسکی بہت قدر ہوئی اسکے بعد اپنے والد کے ہمراہ لاہور آئیں وہاں "انجمن حمایت اسلام" نے بڑی کوشش اور سعئ کشش سے آپکی خدمات کچھ عرصہ کیلئے اپنے زنانہ اسکول مڈل کیلئے حاصل کیں، وہاں تقریبا دو سال ہیڈ مسٹرس کا کام انجام دیا اور اس عرصہ میں "فرسٹ ریڈ ہوم ترننگ" کے امتحانات پاس کیے اور منشی فاضل کی تیاری بھی شروع کی پھر آپ الہ آباد کے "اکبر ستھویت گرلس مڈل اسکول میں بلائی گئیں جہاں ہائی کلاسز کو اردو فارسی کی تعلیم دینے کا کام سپرد ہوا۔ چونکہ یہ اسکول جناب کرامت حسین صاحب مرحوم

نج الہ آباد کا قائم کیا ہوا ہے اسلئے وہاں آپ کی خوب قدر ہوئی اور اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملا ہائی اسکول دیکھتے دیکھتے کالج بن گیا وہاں کی پارٹیوں وزیٹرس کے خیر مقدم کے جلسوں میں آپکے مضامین اور نظم و نثر نے جان ڈالدی منتظمین کالج آپکے بہت مداح اور قدرداں تھے اور ہمیشہ کالج کی پراسپکٹس وغیرہ میں بہت عزت سے آپ کا ذکر ہوتا تھا - جہاں قومی تقریب ہوئی. نظم یا نثر لکھنے کی فرمایش. ادہر فرمایش ادہر نظم یا نثر تیار.

ہائی اسکول اور کالج کی طالبات کی ایک " ڈیبٹنگ سوسائٹی" تھی جس میں ہر ہفتہ مختلف موضوع پر بحث و مباحثہ ہوتا تھا اس کی پریسیڈنٹ لیڈی پرنسپل اور وائس پریسیڈنٹ آپ مقرر ہوئیں شہر کی مختلف انجمنوں اور سبھاؤں میں آپکی تقریریں ہوئیں تقریباً ساڑھے تین سال کالج کی اعلیٰ سوسائٹی میں آپ کا قیام رہا اسکے بعد علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کے طلب فرمانے پر بھوپال گئیں جہاں پر آپ کو سلطانیہ اسلامیہ گرلس اسکول" اور" برجیہ کنیا پاٹ شالہ اور لیڈی منٹو ترسنگ تیم خانہ" زنانہ کی سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ عطا ہوا جس کو پانچ سال کامیابی سے انجام دیا. اس کے علاوہ علیا حضرت کی بڑی پوتی نواب زادی " تاج" اور جہاں بیگم صاحبہ کو ان کے محل پر جاکر روزانہ

دو تین گھنٹے فارسی۔ اردو، دینیات، دستکاری کی تعلیم دینے کی خدمت سپرد ہوئی۔ قیام بھوپال میں علیا حضرت کی آپ پر خاص نظر عنایت تھی۔ آپ کی نظم و نثر کی قدر دانی فرمائی گئی۔ تقریباً شاہی میں کوئی جلسہ کوئی تقریب، پارٹی۔ کلب کی میٹنگ ایسی نہ تھی جس میں آپکی تقریر نظم۔ قصیدے رونق بڑھانے والے نہ ہوتے، اگر کبھی خیال نہ رہتا تو خاص شاہی فرمائش ہوتی اور فی البدیہہ کچھ کہنا پڑتا مجمع خواتین میں بھی آپکی تقریر کو خاص اہمیت اور خصوصیت حاصل تھی سینکڑوں نظمیں اور مضامین آپکے قلم سے نکل گئے اور پھر قلم برداشتہ، جس زمانہ میں آپ بلائی گئیں انہیں ایام میں نواب عابدہ سلطان صاحبہ دام اقبالہا موجودہ ولیعہد ریاست کے نشرہ (ختم قرآن شریف) کی مبارک تقریب ہو رہی تھی۔ ایک روز حضور سرکار عالیہ دام ظلہا نے بذریعہ ٹیلیفون آپکو اپنی روبکاری میں یاد فرما کر نشرہ کا سہرہ کہنے کی فرمائش کی جسکی فوراً تعمیل کی اور وہیں روبکاری میں بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر میں دس بارہ اشعار کا پھڑکتا ہوا سہرہ کہدیا جسکو علیا حضرت کے ارشاد پر اسی وقت خواتین کے مجمع میں جو بروقت قصر سلطانی میں جمع تھیں) سنایا گیا۔ حضور ممدوحہ نے بہت قدر فرمائی اور آپ کو دو خطابات عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ "آیندہ سے نظم میں بجائے

انتھے لکھے پروین یا اعزاز بانہا کرو"گئی شاعروں میں آپ کا کلام گیا
اور زنانہ مردانہ اخبارات میں بھی شائع ہوا کئی نمائشوں میں سگاری
پر درجۂ اول کا انعام ملا، الغرض جو جو عنایات شاہی آپ پر تھیں اونکی
داستان طویل ہے۔ ان اشغال اور تعلیمی کاموں سے ایسا شغف
اور دلچسپی رہی کہ ۳۳ سال کی عمر تک شادی نہ کی۔

آخر بزرگوں کے مسلسل اور مجبور کن اصرار پر الامر فوق الادب
کے خیال سے ۱۹۲۶ء میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی متابعت منظور کرلی۔ اور جناب محمد اسحٰق صاحب ریزیڈنٹ انجینیر
جی۔ آئی۔ پی ریلوے سے عقد ہو گیا۔ جب ہی سے اپنے جدید اشغال
کو مد نظر رکھتے ہوئے ریاست سے مستعفی ہو گئیں۔ نئی زندگی کی گوناگوں
مصروفیت نے اگلی سی نغمہ طرازی اور مضمون آفرینی کی اجازت تو
دی نہیں۔ تاہم فرصت کے اوقات اپنے پچھلے کلام اور مسودات کو
جمع کر رہی ہیں۔ جو بہنوں کے تفنن طبع کیلئے زیور طباعت سے آراستہ
ہونگے۔ موصوفہ اپنے دل میں قومی درد کی ایک ٹیس رکھتی ہیں۔
آپ کا خلق۔ انکسار سلیم الطبع ملنے والوں کو ثنا خواں بنا ہی لیتا ہے

فریاد۔ بحضور رسالتمآب صلعم

آج ہی عالم اسلام میں اک حشر بپا
کون ہم بیکسوں پر اب نہیں مجبور کیا

یا نبی آپکی امت پہ ہیں سب ظلم روا — کب تلک سہتے رہیں سر کے یہ جور و جفا

آج اسلام کا جو حال ہے دیکھیں آ کر — نخل سر سبز جو تھا گرنے کو ہے مرجھا کر

ہے ترے مکہ مدینہ پہ نظر دشمن کی — ترے مسلم ہیں تبہ کسکو خبر ہے انکی

دین بر حق نہ رہے خواہش دشمن ہے یہی — خوف اسلام کو ہے نزعہ میں ہے اب کی

ہم سے برگشتہ ہیں افلاک پھری ہے دنیا — چھینے لیتے ہیں عدو جبر سے قسطنطنیہ

میں ترے صدقے یا مرے رحمت عالم آقا! — اب تو آ کر کے لگا زخموں پہ مرہم آقا!

بیکسوں اور یتیموں پہ ترحم آقا! — ورنہ ہو جائینگے برباد یونہی ہم آقا!

شان اسلام زمانے کو دکھا دے آ کر — اپنی بگڑی کو پھر اک دم میں بنا دے آ کر

پھر ترے امت مرحوم کا ہو وہ دم و خم — پھر نہ ہو فکر شیاطین کا امت کو کوئی غم

دین بر حق کا اسی طور ہو پھر جاہ و حشم — محو دنیا سے اسی طور ہوں پھر ظلم و ستم

عدل و انصاف کا پھر دور ہو دنیا میں یونہی
بذل و الطاف کا پھر دور ہو دنیا میں یونہی

تعلیم کے متعلق

انسان کو تعلیم کی ضرورت. تعلیم کے بغیر انسان خدا کو نہیں پہچان سکتا "کہ بے علم نتواں خدا را شناخت" مگر افسوس کہ لوگ دنیا میں بڑے آدمیوں سے تعارف کرنے کے تو وسائل تلاش کرتے ہیں اور خدا سے تعارف کرانیکے

ذریعہ کے طرف توجہ نہیں کرتے۔

(۲) تعلیم روح کی غذا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ فانی جسم کی غذا حاصل کرنے کی دھن میں لوگ پوری عمر صرف کر دیتے ہیں اور اس باقی شئی کی غذا کا خیال نہیں۔

(۳) تعلیم دل و دماغ کی روشنی ہے مگر ہم لوگ اپنے اینٹ پتھر کا گھر روشن کرنے کی روز فکر کرتے ہیں اور سب سے عزیز اور قیمتی چیزیں تاریک رہیں تو اسکی پروا نہیں۔

(۴) تعلیم شیطان سے بچانے والا ہتیار ہے۔ مگر ہم لوگ خطر کے وقت اور سب ہتیاروں کا استعمال ضروری سمجھتے ہیں اور نہیں کوشش تو اس سب سے خوفناک دشمن کے حملے سے بچاؤ کی۔

(۵) علم کا معجزہ اتنا بڑا ہے کہ اس سے خدا ہی مل جاتا ہے مگر ہم اسکو صرف حصول معاش کا ذریعہ سمجھتے ہوئے ہیں۔

(۶) جسطرح پانی کو مختلف شکلوں میں تبدیل کرنے کیلئے آفتاب کی حرارت چاہیے جسطرح ایک قطعہ زمین کو سرسبز باغ اور لہلہاتا کھیت بنانے کیلئے آبپاشی درکار ہے۔ جسطرح ایک کان میں سے جواہرات اور مختلف دھاتیں نکالنے کیلئے انکو کھودنے کی ضرورت ہے جسطرح نباتات جمادات بلکہ موجودات کائنات کو ضروریات زندگی کے

مطابق بنانے کیلئے انسانی دماغ کی اختراعات اور صناعت مطلوب ہے
اسی طرح انسان کے دل و دماغ میں سے جوہر عقل و انسانیت برآمد
کرنے اور انسے مفید نتائج نکالنے کیلئے اعلیٰ تعلیم لازمی ہے۔

تعلیم نسواں کی اہمیت۔ فی زمانہ مردوں کی تعلیم سے بھی زیادہ ہے
اس لئے کہ مرد کی سب سے پہلی معلمہ عورت (ماں) ہے تاریخ عالم پر نظر
ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر عالی دماغ ہستیاں آئیں ان سب کی
مائیں لائق و فائق تھیں۔

تعلیم کے جملہ فوائد کو نظر انداز کر دیں تب بھی جبکہ لڑکیوں کو
سسرال جیسے انوکھے گھر کی ذمہ داری اور پرورش اولاد جیسی اہم ڈیوٹی
ملنے والی ہے (جسکی پیچیدگیوں سے خوش قسمتی سے مرد آزاد ہیں) تو
اس صورت میں لڑکیوں کو آزاد رکھنا زمانۂ جاہلیت کی دختر کشی سے
کہیں بڑھکر گناہ اور ظلم ہے کیوں کہ اوس زمانہ کے رسم سے تو صرف
ایک لڑکی زندہ درگور ہوتی تھی مگر اس زمانہ کی رسم (جاہل رکھنے) سے
جن جن کا سابقہ لڑکی سے پڑے وہ اور جو ہستیاں اس سے پیدا
ہوں وہ عموماً سب زندہ درگور ہو جاتی ہیں۔

ہوا تو ایک موقع پر جبکہ "ہوبارٹ اسکول" میں تقسیم انعامات کے جلسہ میں "لیڈی پٹیلنڈ" گورنر مدراس آنے والی تھیں۔ اسوقت ادائے شکریہ کا فرض آپ کے ذمہ کیا گیا۔ چونکہ اس جلسہ میں بہت ساری یوروپین خواتین شریک تھیں جب انہیں آپکی انگریزی دانی کا علم ہوا تو آپکو "لیڈیز کلب" کا ممبر بنایا۔ دوران جنگ میں آپ گورنمنٹ ہاؤس مدراس میں جاکر زخمیوں کیلئے جرابیں تیار کیا کرتی تھیں مسز ڈرسڈیلی ڈپٹی ڈائرکٹر اس ایجوکیشن نے بیحد اصرار سے آپکو ہوبارٹ اسکول میں کام کرنے پر آمادہ کیا جہاں آپ سنہ ۱۹۱۷ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ کو نہایت قابلیت سے انجام دیتی رہیں اور مدرسہ میں بہت کچھ اصلاحات کئے اور لڑکیوں کے مذہبی تعلیم کا مکمل انتظام کیا۔ آپکی زیر نگرانی ایک یوروپین بی اے دو انگلو انڈین بی اے اور ۲ کرسچین ایم اے تھے۔ نمایش بنٹ ہاؤس مدراس میں لڑکیوں کی دستکاریوں کو دیکھکر لیڈی صاحبہ وائسرائے ہند اور لیڈی صاحبہ گورنر مدراس نے آپکی دلچسپی اور قابلیت کا اعتراف کیا اس کے بعد آپکے شریک حیات کا تبادلہ حیدرآباد دکن کی نظامت پر ہوا۔ سنہ ۱۹۲۲ء آپ کے شریک ہستی کلکتہ کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل ہوگئے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں آپ انسپکٹر آف اسکولز کا

کام مشاہرہ چارسو روپیہ انجام دیا۔ اور چھ مہینہ کے بعد خود مستعفی ہوگئیں۔ اور ایک انجمن کی بنیاد ڈالی اور آپ کو پریسیڈنٹ کے فرائض پر خواتین نے آمادہ کیا لیکن آپ لیڈی رحیم کو اسکا موزوں سمجھا اور خود وائس پریسیڈنٹ رہیں سنہ ۱۹۲۶ء میں آپکے مونس تنہائی نے ایک سال کی رخصت لیکر معہ آپکے مصر۔ ترکی۔ یونان۔ فرانس۔ اٹلی۔ انگلینڈ اور اوسکے مضافات کی سیاحت کی۔ واپسی میں اسپین ہوتی ہوئیں حیدرآباد آئیں۔ اس اثنا میں آپ کے شوہر نے وظیفہ لے لیا۔ اب دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء سے پبلک کاموں میں دلچسپی لینے لگیں۔ ایجوکیشنل کانفرنس میں حصہ لیا اور مدراس میں خواتین کی ایک انجمن قائم کی جو بہت اچھے طور پر چل رہی ہے۔ غریب مسلمان خواتین کیلئے گورنمنٹ سے حسب ذیل مراعات کی خواہش کی ہے۔

(۱) جبری تعلیم۔

(۲) مسلمان غریبوں کیلئے اونکے محلوں میں بلحاظ حفظان صحت منجانب گورنمنٹ مکانات بناکر اونھیں کرایہ پر دیا جائے جب کرایہ سے رقم متصرفہ نکل آئے تو پھر مکان اونکی ذاتی ملک تصور کیجائے۔

(۳) مسلمان محلوں میں مسلمان عورتوں کیلئے گوشہ پارک بنائے جائیں جنمیں اول الذکر کو گورنمنٹ نے منظور کرلیا ہے انشاء اللہ بقیہ دونوں بھی منظور ہوجائینگے۔ کوئی بارہ سال سے آپ برابر لڑکیوں کو

اسکالرشپ دے رہے ہیں جس سے ایک لڑکی نے بی اے۔ دونے
ایف اے میں کامیابی حاصل کی ہے اور پانچ لڑکیوں نے۔ یس یس۔ یل سی کے
امتحانات دیئے ہیں۔ جہاں جہاں آپ ہیں وہاں کی زنانہ سوسائیٹوں
نے آپ کا بے حد احترام اور آپ کے قومی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔
چیف پرسیڈنسی مجسٹریٹ مدراس نے آپکو آنریری مجسٹریٹ
مدراس مقرر کرنا چاہا لیکن آپ نے اسلئے قبول نہیں کیا کہ وہاں
بے پردہ ہونا پڑے گا۔ گورنمنٹ مدراس نے آپکو "کوئن میری کالج"
کے اڈوئیزری کونسل کی ممبر کی حیثیت سے مامور کیا ہے۔ آپ ایک
نہایت شائستہ اور تعلیم یافتہ اور اپنے فرقہ کی ہمدرد خاتون ہیں۔
اور آجکل اپنے سیاحت یورپ کا سفرنامہ مرتب فرمارہی ہیں۔

دنیا کو لوگ بری جگہ کیوں کہتے ہیں

اسلئے کہ ان کو اپنی خواہش و آرزو اور تمنا کی مرغوب چیزیں
نہیں ملتیں یعنے وہ چیزیں جن کو ان کا دماغ و دل جان سے بھی
زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ وہ چیزیں ان کو اپنی
زندگی ہی میں میسر ہوتی رہیں تاکہ ان کے پانے سے ان کو اطمینان
اور تسلی قلب حاصل ہوئے جسکا نتیجہ مسرت و خوشی ہے۔
جب ان سے وہ محروم ہوتے ہیں تو انکو دستیاب کرنے کیلئے

ان کی امید انکو کوشش و جستجو میں مبتلا کر دیتی ہے اگر اتفاق سے وہ اپنی کوشش اور محنت میں کامیاب ہوئے تو ان کو دنیا ان کیلئے مثل جنت کے ہو جاتی ہے اور اس خوشی و اطمینان کا اثر انکی روح و جسم پر اچھا ہوتا ہے پس اس تسکین سے اسکے خیالات اچھے پیدا ہونے لگتے ہیں اور خیالات کے عمدہ ہونے سے عمل بھی لامحالہ نیک ہونے لگتے ہیں ورنہ وہ ناامید ہو کر دنیا کو بری جگہ سمجھتے اور کہنے میں دریغ نہیں کرتے اور ایسا خیال ان کو رنج والم اور مصیبت و تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے جسکی وجہ سے مایوس ہو کر وہ اپنا دنیا میں آنا اور دنیا میں زندگی بسر کرنا بے سود سمجھتے ہیں اور ان کو دنیا جائے بے لطف اور بد مزہ معلوم ہوتی ہے اور اس مایوسی و عدم اطمینان کی وجہ سے ان کے خیالات بگڑ جاتے ہیں اور جس سے عمل بھی صالح نہ ہونے سے اس کا اثر روح اور جسم پر بہت برا ہوتا ہے۔ اسلئے دنیا ان کیلئے دوزخ بن جاتی ہے۔ بعض لوگوں کو دل میں جو باتیں چاہتے ہیں وہ دنیا ہی میں اور بعض لوگوں کو آخرت میں حاصل ہوتی ہیں۔ بیشک وہ لوگ جسکو خوشی یعنے جنت آخرت میں ملے وہ ان سے بدرجہا بہتر ہیں جنکو جنت صرف دنیا ہی میں میسر ہو کیونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت پائدار۔ پس انسان کو پائداری حاصل کرنے کی کوشش اور محنت کرنا زیادہ عقلمندی ہے۔

امۃ الوحی

۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئیں آپ کے والد لڑی ریاست ٹونک میں تحصیلدار تھے تقریباً دو سال کی عمر تک وہیں رہیں۔ چونکہ آپکے والد محتاط زندگی کے عادی تھے زمانہ تحصیلداری میں ایک گٹا اور ایک لوٹا دودھ "تحفہ" ہی سہی لینا پسند نہیں کرتے تھے اور تحصیلداری کی خدمت کو غیر متقیانہ اور غیر محتاط سمجھتے تھے اسلئے اس درخواست پر کہ آپکا تبادلہ کسی پرامن و عافیت عہدہ پر کیا جائے نظامت گونا میں وکالت پر ہو گیا وہاں کے زمانۂ قیام میں آپ کی والدہ اور آپ کا قیام جے پور میں مولوی ادریس احمد صاحب کے یہاں رہا جو جے پور مشن کالج میں ماسٹر تھے پانچ چھ سال کی عمر میں آپ کے والد کا تبادلہ گونا سے گوالیار پر ہوا۔ امرلہ میں مکان کا انتظام کرکے سب کو آپ کے والد نے وہیں بلوا لیا یہاں آپ کی تعلیم کا پہلا دور شروع ہوتا ہے۔ گھر میں اسلامی قاعدہ کے علاوہ

قریب ہی کے سرکاری مدرسہ میں آپ داخل کی گئیں۔ فطرتاً تعلیم سے
شوق تھا غیر معمولی طور پر ترقی کی اور دو سال کے دوران میں گھر ہی میں
کلام مجید ختم کیا۔ اور مدرسہ میں اچھی خاصی اردو لکھنے پڑھنے کے علاوہ
حساب کے ابتدائی مراحل طے کئے اور سینے پرونے میں کافی ترقی کی۔
اسی دوران میں آپکے والد کو وظیفہ پر وطن کو واپس آنا پڑا۔ ہندوستان کے
پرانے دستور اور تعلیم نسواں کی عام مخالفت کی وجہ سے آپکی تعلیم
جاری نہ رہ سکی آپ اور آپکے چچا اور بھائی سب رامپور میں مقیم ہوئے
لیکن رامپور میں کوئی مدرسہ نہ تھا جس میں آپ شریک ہوتیں۔ زنانہ و
مردانہ اخبار و رسائل کے مطالعہ نے آپکے تعلیمی ذوق میں بہت کچھ اضافہ
کیا جبکہ آپکی عمر گیارہ سال کی تھی رسالۂ تہذیب نسواں، اپنے نام جاری
کرایا یہ وہ زمانہ تھا کہ کسی مکان میں لڑکیوں کا اخبار پڑھنا معیوب خیال
کیا جاتا تھا۔ اسی دوران مطالعہ میں آپ کو مضمون نویسی کا شوق پیدا ہوا
اور آپ لکھنے لگیں آپ کا طبعی میلان اصلاح کیطرف تھا چونکہ مضامین
فطری جذبات سے مملو رہتے تھے۔ جو قدر کی نگاہوں سے دیکھے گئے مضامین
کا عنوان، نکاح بیوگاں، عقد ثانی کی مخالفت، تعلیم نسواں کی حمایت
ہوتا تھا جو مذہبی رنگ میں ڈوبے ہوتے، ۱۹۱۲ء میں آپکی شادی ہوئی
اور باوجود صاحب اولاد ہونے کے سلسلہ مضامین نگاری مسدود نہ ہوا

کچھ دنوں آپ امرت سر میں رہیں۔ پھر بجنور پہونچیں اور یہاں بھی تعلیم نسواں کا سلسلہ جاری رہا ایک دو زنانہ جلسے کئے اور پھر ایک مدرسۂ نسواں کی بنیاد قائم ہوگئی خلافت، اور، عدم تعاون کے دوران میں جبکہ بیگم سنہ اعلیٰ عنا تب بجنور آئی تھیں دو جلسے ہوئے، اور آپکی تحریک پر کافی رقم چندہ وصول ہوئی سنہ ۱۹۲۶ء کے آخر میں اپنے شوہر زبیر حسن صاحب مالک اخبار "الخلیل" کے ہمراہ میرٹھ آئیں اور یہاں آپ کو اخلاقی افسانہ نویسی کا شوق پیدا ہوا اور ممتاز رسالوں میں بھیجنے لگیں آپ اپنے عزیز و اقربا میں نہایت عزیز ہیں یہانتک کہ ملازموں کو تک آپ سے کوئی وجہ شکایت نہیں۔ ملاحظہ کیجے ذیل کے خیالات۔

تربیت

تعلیم سے زیادہ ضروری شئے ہے، بلا تربیت تعلیم بالکل بے کار ہے، اور بعض وقت عموماً نقصان کا باعث ہو جاتی ہے۔ علم کا کام طبیعت کو مانجھنا ہے اور عقل و فراست کو تیز کرنا۔ اب اگر طبیعت میں بھلائی اور نیکی ہے تو علم سے ان خصلتوں میں اور ترقی ہوگی اور چار چاند لگ جائیں گے اور اگر برخلاف اسکے طبیعت میں شرارت مکر جھوٹ اور دغا ہے تو تعلیم پانے سے ان بد خصلتوں میں قابل نفرت ترقی ہو جائے گی، خصوصاً

ہماری معاشرت اسکی سخت متقاضی ہے کہ لڑکیوں کی تربیت پر خاص توجہ کئے بدوں صرف تعلیم دنیا ان کے حق میں اور آئندہ شریک زندگی کے حق میں نہایت مضر ہے۔

مری نظر میں اس وقت تمثیلاً۔ چند مثالیں ہیں جو ایک حد تک بالکل صحیح اور تجربہ میں آئی ہوئی ہیں ایک لڑکی بالکل ناخواندہ ہے شادی ہوکر سسرال میں آئی، ساس نندیں بھی جاہل مطلق، قاعدہ کے مطابق کچھ عرصہ بعد ساس بہو میں کچھ جھگڑا شروع ہوا، ساس جاہل، بہو بھی جاہل ہا عوب جوتیوں میں ڈال بیٹی۔ اس کے بعد ایکدن ساس بہو سے گھونگٹ نکال کر چلتی، اور بہو الگ الگ ایکدن کے غصہ میں فاقہ جھیلتی۔ تیسرے دن ساس بہوؤں میں خود بخود میل ہو جاتا۔ دونوں میں کوئی رنجش اور کدورت باقی نہ رہتی۔ شوہر بالکل الگ رہتا کیونکہ سمجھتا تھا کہ دونوں ایک سار ہیں نہ کوئی کم نہ کوئی زیادہ کیوں بول کر دل کو جلاؤں

دوسری مثال۔ ایک لڑکی جس کی پرورش جاہل، کندۂ ناتراش ماں کے پہلو میں ہوئی۔ ہر وقت ذلیل نوکرانیوں میں صحبت رہی۔ تربیت کی طرف مطلق توجہ نہ کی گئی مگر باپ کے دلی شوق کی وجہ سے تعلیم حاصل کرنے کے واسطے زنانہ اسکول میں داخل کی گئیں حرف شناس ہوکر یا تو خرافات ناول پڑھے یا اخباروں میں آزادی نسواں اور

حریت نسواں کے مضامین دیکھے جس سے خودسری اور بے باکی پیدا ہوگئی اور اپنے آپ کو سب دنیاوی پابندیوں سے بالکل آزاد کرلیا۔ غریب جاہل ماں باپ نظروں میں بالکل بے حقیقت ہوگئی اب ایسی حالت میں بھلائی اور برائی سے کون آگاہ کرے غرض سوائے تعلیم کے اخلاق سے بالکل محروم رہی۔ تیزی۔ جھوٹ۔ خودپرستی، آزادی، بے باکی، غرض سب بری خصلتوں سے مزین، چونکہ اسکول کی تعلیم یافتہ تھیں لہذا نہایت لائق اور تعلیم یافتہ جنٹلمین سے شادی ہوگئی۔ ہندوستانی معاشرت کی مجبوری سے کچھ عرصہ تک سسرال میں رہنا پڑا۔ سسرال کی تھوڑی بہت پابندی سخت ناگوار ہوئی، شوہر کو علیحدہ ہونے پر روز دیا۔ ہزاروں جھوٹی باتیں ساس نندوں کے سر تھوپیں، کھانا پینا۔ چھوڑ دیا زندگی اجیرن کرلی، غرض شادی سے چار ماہ بعد میاں بیوی علیحدہ کوٹھی کرایہ پر لے کر رہنے لگے۔ کم عمر اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے خانہ داری میں سخت دقتیں پیش آئیں تمام تنخواہ نوکروں کے ہاتھوں صرف ہوجاتی مگر پورا نہ پڑتا۔ غریب شوہر سخت پریشان، آمدنی سے بڑھا ہوا خرچ پھر بھی فراغت اور رونق نہیں۔ لاچار اپنی بڑی ہمشیرہ کو مہمان بلایا۔ مگر تعلیم یافتہ لیکن تربیت سے کوری بھاوج کو اپنی شخصیت میں نند کا دخل سخت ناگوار ہوا اور دل میں ناپاک خیال

باندھ لیا کہ یہ سب حسن انتظام مجھکو شوہر کی نظروں سے گرانے کیلئے دکھا رہی ہیں لہٰذا بجائے تجربہ حاصل کرنے کے نند سے بالکل علیحدگی اختیار کرلی اور خانہ داری سے جدا ہوگئیں۔ شوہر سے کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی اندر ہی اندر رنج اور جلن برداشت کرنے سے صحت خراب ہوگئی نند کی آمد سے ذرا گھر کا انتظام درست ہوا تھا۔ اور شوہر کو یکسوئی حاصل ہوئی تھی کہ بیوی کی علالت نے پریشان کر دیا۔ نند عقلمند تھی سمجھ گئی کہ میری موجودگی بھاوج کی علالت کا موجب ہے۔ لہٰذا کوئی حیلہ کرکے بھائی سے گھر جانے کی اجازت لے لی۔ آخر شوہر نے بیوی کی خاطر سے عزیز و اقارب۔ بہن بھائی ماں۔ باپ سے علیحدگی اختیار کی۔ اب اگرچہ بیوی خوش تھیں مگر شوہر سب کنبے میں کم وقعت ہوگئے اور حقیقی مسرت سے محروم۔ ساس۔ نند تعلیم کا نام بدنام کرتیں۔ مگر افسوس کوئی یہ خیال نہ کرتا کہ یہ سب خرابی تربیت نہ ہونیکی وجہ ہے البتہ بالکل جاہل ہوتی تو باتیں بنا کر شوہر کے دل پر اثر ڈالتی تھا یا اسکو قابو میں اندر ہی اندر آگ سلگا دیتا آپس میں تفرقہ ڈلوا دینا نہ آتا۔ مگر کھلے بندوں لڑنا۔ جھگڑنا۔ منہ در منہ گالیاں دینا۔ جادو ٹونے کرنا یہ باتیں نہ ہوتیں۔ غرض نتیجہ ایک ہے۔

امتہ العزیز بیگم

بنت مولوی محمد خلیل اللہ صاحب مددگار معتمد مالگذاری
حیدرآباد دکن ایک معزز علمی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ابتدا ہی سے
تعلیم اپنے والد کے پاس پاتی رہیں۔ اور اردو فارسی کی مستد اولہ
کتابیں ختم کرنیکے بعد عربی شروع کی۔ اپنے خداداد ذہن اور حافظہ
کی بدولت جلد لائق ہو گئیں کہ اسلامی علوم و فنون کا انکے اصلی
عربی ماخذوں میں مطالعہ کریں شادی کے بعد پندرہ برس تک
ایک بامحبت شوہر کے ساتھ رہیں۔ اسکے بعد ایک لڑکے اور تین
لڑکیوں کے ساتھ بیوہ ہو گئیں۔ مگر یکے بعد دیگرے یہ بھی داغ مفارقت
دے گئے اور اب صرف ایک پندرہ سالہ لڑکی اپنی تقریباً ۴۵ سالہ
ماں کی تسلی کا باعث ہے۔ متعہا اللہ بطول عمرہا۔ آپ کو ابتدا
ہی سے مطالعہ کا شوق تھا اور بیوگی کے بعد سے وہ واحد کام رہ گیا ہے
آپ کو فقہ سے خاص دلچسپی ہے اور، سرتاج نامی، ایک عربی ماہنامہ

شافعی، کتاب کا چار ضخیم جلدوں میں اردو ترجمہ کیا ہے اسکے علاوہ
الفرج بعد الشدہ، نامی ایک فارسی اخلاقی قصوں کی کتاب کا
جو قومی تعمیر میں بہت موثر ہو سکتی ہے ترجمہ کیا ہے۔ یہ بھی کئی سو صفحوں
پر مشتمل ہے اسکے علاوہ غربت کیوجہ سے نادر عربی کتابوں کی نقلیں
لے کر یا سستی کتابیں خرید کر قیمتی عربی کتابوں کا کتب خانہ فراہم
کیا ہے مختصر یہ کہ فارسی اور عربی کی ایک منتہی طالبہ ہیں اور فقہ و حدیث
میں خصوصیت رکھتی ہیں اور اپنے خاندان کی عالم خاتون ہیں۔
عربی اور اردو تحریر پختہ اور خوش خط ہوتی ہے۔ آپکو تاریخ اسلام
ازبر ہے، خصوصاً، خیر القرون، قرن راشدہ " بنی امیہ، بنی عباس
کے متعلق مطالعہ نہایت وسیع ہے اور اردو فارسی کے علاوہ عربی
کی کئی ضخیم کتابیں بھی دیکھ چکی ہیں۔ ان دنوں تصوف و اخلاق
کی مشہور کتاب، لطائف اشرفی کا اردو ترجمہ کر رہی ہیں اور
ہدایت الناظرین، ایک فقہی کتاب کی تین جلدیں مکمل کر چکی ہیں۔
اور بقیہ کام جاری ہے اس آخری کتاب کے کچھ اقتباسات
دینے سے اسکی نوعیت کے علاوہ طرز تحریر بھی معلوم ہو سکتا ہے۔
مذہبی تعلیم میں سب سے مقدم اور اہم فقہ کا جاننا ہے خدا تعالیٰ
اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بغیر اسکے نہیں ہو سکتی۔

نمازیں نے اسکے صحیح نہیں، روزہ سوائے اسکے صحیح نہیں۔ حج وزیارت
اور دنیاوی معاملات بیع وشراء وغیرہ کیلئے بھی اس کا جاننا اہم
اور لازمات سے ہے غرض عبادات ہوں یا معاملات سب امور کا
اہتمام اسکے بغیر ممکن نہیں ہے کیونکہ قرآن شریف اور حدیث نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا و مجمع بھی فقہ ہے اور ہم لوگ ہیں کہ اس سے
محض غافل اور اپنے فرائض منصبی سے ناآشنا فقہ شافعی میں بحر زریاض السنول کو آپ کے
دادا امام العلما مولوی صبغۃ اللہ صاحب نے ۱۲۲۵ھ میں تالیف
فرمائی ہے احتراماً اس اہم کام کی جرات نہیں کیونکہ آپ اپنے کو اس
کی اہل نہیں سمجھیں۔ زیادہ تر اس وجہ سے بھی سخت
اور ناممکن خیال کیا کہ لفظی ترجمہ یا مطلب بعینہ نقل نہیں ہونا چاہیے
بلکہ کسی شرح سے استمداد ہوا اور بانیراد مطالب و مسائل ضروری لکھا جائے
جو مطالب مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج
للعلامۃ الشیخ محمد الشربینی میں تھے ان کو ضبط تحریر میں لانے لگیں اور
اکثر مواقع میں تحفۃ المحتاج شرح المنہاج تالیف ابن حجر الہیتمی
اور اس کا حاشیہ تالیف ..... عبد الحمید شروانی ..... اور
کتاب سراج انتخاب تحفۃ المحتاج، ترجمہ حضرت قاضی مولوی غلام احمد صاحب
تلیانی (مدرس مدرسہ جامعہ مسجد دہلی) سے مطالب کو زیادہ

کیا گیا اور اس کا نام.... ہدایت الناظرین، ترجمہ منہاج الطالبین رکھا گیا۔ دیگرہ۔

کتاب الصلاۃ۔ نماز کے بیان میں

مسئلہ۔ مکتوب یعنی فرض عین نمازیں ہر ایک دن اور رات میں پانچ ہیں۔

(۱) ظہر۔ ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی آفتاب کا آسمان کے بیچ سے ڈھلکنا۔ ہمکو ظاہر ہونیکے اعتبار سے کام ہے نہ کہ واقع کے اعتبار سے... ظہر کے لئے چھ وقت ہیں۔

(۱) فضیلت کا وقت اور وہ اول وقت ہے

(۲) جائز ہونیکا وقت یعنی پوری نماز اسوقت میں ہونیکی گنجائش ہو

(۳) ضرورت کا وقت (یہ آگے آئیگا انشاءاللہ)

(۴) حرمت کا وقت یعنے اس کا ایسا آخر وقت کہ جس میں نماز کی گنجائش نہ ہو اور کوئی عذر بھی نہ ہو۔ اگرچہ ادا دلقع ہو۔

(۵) عذر کا وقت یعنے عصر کا وقت ظہر کو عصر کے وقت جمع کرنیوالے کے لئے۔

(۶) اختیار کا وقت یعنے وہاں تک تاخیر کرنے کا اختیار ہونے کا وقت اور وہ جائز ہونے کا وقت ہے۔ اگلی پہلی جلد کا خاکہ یہاں پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا جس سے مصنفہ کے مذاق کا بھی پتہ چلتا ہے۔

پہلے صفحہ پر کتاب کا نام اور چند عربی اشعار علم و محنت کی تعریف میں ہیں کاتب و (مالکہ) کا نام و نسب درج ہے۔ دیباچے میں حمد و نعت کے بعد علم دین کی فضیلت میں آیات قرآنی و احادیث نبوی اور آثار صحابہ و علما اور وجہ تالیف لکھی گئی ہے آخر میں ایک طویل عربی دعا اور مصنف کا نام و تاریخ ہے۔ پھر مختصر تذکرہ امام شافعی رح ذکر امام رافعی رح۔ امام نوادی رح ہے۔ پھر دو ضمیمے ہیں پہلے میں امام نوادی کے اصطلاحات کی تشریح دوسرے میں خود مولف کے علامات اعراب ہیں بعد ازاں کئی سو صفحہ کی اصل کتاب جلد اول پر ختم ہوئی ہے جس کے آخر میں فہرست کتاب ہے۔

سلطانہ بیگم

بنت سید شاہ سمیع اللہ صاحب آپ ریاست اودے پور میواڑ
میں پیدا ہوئیں۔ ننیال اور سسرال سب قدیم دلی کے باشندے ہیں
آپ کے دادا مرزا اکبر بیگ صاحب ریاست کوٹہ میں وزیر تھے
آپ کے شوہر اگرچہ پرانے طریقہ کے ہیں لیکن آپ کے یہاں علوم
شرقیہ حاصل کرنے کا بہت شوق تھا چنانچہ آپ کی ایک پھوپی
عربی اور فارسی میں خوب بات چیت کر سکتی تھیں۔ اور رقعہ کو
خوب سمجھ کر پڑھتی تھیں آپ کے والد نے قرآن شریف کے ساتھ ہی
اردو لکھنا پڑھنا بھی شروع کرا دیا تھا۔ چونکہ آپ کے والد سید شاہ
سمیع اللہ صاحب ریاست بالسواڑہ میں اعلیٰ عہدہ پر ممتاز تھے
وہاں کام ہندی ناگری میں ہوتا تھا آپ کو بھی ہندی میں خط لکھنا
سکھایا اردو سے زیادہ ہندی آپ کو آسان معلوم ہوا کرتی تھی۔
گلستاں کی حکایتیں جو آپ کو پڑھائی جاتی تھیں وہ ازبر ہو جاتی تھیں

آپ کے بچپن میں انگریزی اور حساب تاریخ جغرافیہ کا رواج نہ تھا سوائے معمولی گنتی سکھا دینے کے نہ لڑکیوں کے مدرسے تھے اگر مدرسے ہوتے بھی تو آپکے والدین اور رشتہ دار مدرسے میں شرکت کے خلاف تھے۔ کیونکہ آپکے ہاں پردہ کا بہت خیال تھا۔ ہر ایک بات خلاف شرع خیال کیجاتی تھی۔

آپ کو بچپن سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا آپ کا دل چاہتا تھا کہ جس طرح بھائی مدرسہ جاتے ہیں آپ بھی مدرسہ جایا کریں جب چھوٹے بھائی مدرسہ کی باتیں کیا کرتے تو وہ سنکر آپکو بھی شوق ہوتا تھا آپ پاس ایک چھوٹا سا گڑیوں کا گھروندا تھا اس میں اندر کمرہ باہر دالان صحن چبوترے کے دونوں پہلوؤں پر صحنچیاں تھیں۔ اس گھروندے کو آپ نے اپنے مدرسہ کا شوق پورا کرنے کیلئے گڑیوں کا مدرسہ بنالیا تھا۔ انگریزی گڑیوں کو استانی بنا کر بٹھایا اور دیسی گڑیوں کو انکی شاگرد۔ چھوٹی چھوٹی کتابیں بنا کر ان کے ہاتھوں میں سی دی تھیں۔ تین کمرے تھے تین جماعتیں باقاعدہ بنی ہوی تھیں۔ جو مہمان گھر میں آتے پہلے آپکے مدرسہ کو دیکھکر خوش ہوتے تھے۔ شادی کے بعد آپکے بھائی محمد عنایت اللہ صاحب ناظم دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے اخبار تہذیب نسواں

منگوا کر دیا اور انگریزی پڑھانی شروع کی ان کے بعد ایک مس مقرر ہوگئی جس سے آپ انگریزی پڑھتی رہیں۔ لیکن انگریزی پوری طرح کبھی نہیں آئی۔ کیونکہ چار پانچ مہینے پڑھی پھر چھوڑ دی۔

آپ کے خسر جناب مولوی ذکاء اللہ صاحب شمس العلماء خاں بہادر نے اپنی تصانیف میں سے اخلاقی کتابیں اور چھوٹے چھوٹے تاریخی حالات عنایت کئے ہمیشہ سے آپ کا دل تاریخی اور اخلاقی کتابوں پر لگتا تھا قصے اور ناول اپنی عمر میں آپ نے کم پڑھے ہیں۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے تہذیب نسواں میں لکھنے کا شوق ہوا۔ سب سے پہلے سچائی، اور قدرتی نظارہ، پر مضمون لکھکر تہذیب میں چھپوایا۔ آپکے خسر نے ان مضامین کو دیکھکر مسرت ظاہر کی، خاص کر، سچائی والا مضمون جو آپ کی تصنیف پڑھکر لکھا تھا۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں ملکہ وکٹوریہ کا ماتمی جلسہ ٹاؤن ہال دہلی میں منعقد ہوا تو آپکی شادی ہوکر ایک سال ہوا ہوگا۔ آپ کے خسر صاحب نے آپ کو اور اپنی بڑی بہو کو جلسہ میں جانے کیلئے فرمایا اس زمانہ میں جلسہ میں جانا سخت عیب تھا۔ لامذہبی خیال کیجاتی تھی۔ خاندان کی سب بیبیاں بہت خفا ہوئیں کہ لو چار دل کی بیاہی کو جلسوں میں بھیجتے ہیں۔ اونکو کیا ہوگیا کل کو پردہ اٹھوا دینگے۔ بہوؤں کو عیسائی بنائیں گے لیکن خسر صاحب نے

کسی کی نہیں سنی اور آپ دونوں جلسہ میں شریک ہوئیں دہلی میں
یہ پہلا عام جلسہ تھا۔ اور بھی گھرانوں کی بیبیاں آئی تھیں لیکن ڈرتی
ڈرتی تھیں کہ عام طور پر آنا ظاہر نہ ہو جائے۔ اسی جلسہ کو دیکھنے سے آپ کو
بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اس ہفتہ وکٹوریہ میموریل قائم کرنے
کیلئے جلسہ قرار پایا۔ آپ کے خسر صاحب نے فرمایا کہ وکٹوریہ میموریل فنڈ
کی تائید میں تم بھی ایک مضمون لکھو جب تجویز پیش ہو تو پڑھ دینا۔
آپ نے اپنے خیالات کے موافق فنڈ کی تائید میں زنانہ شفاخانہ
(جو کہ تجویز تھی) اوسکی خوبیاں بیان کیں اور خسر صاحب سے اصلاح
کراکر وقت مقررہ پر ایک ہزار روپیہ کی رقم فنڈ میں داخل کرنے کیلئے
لیکر گئیں۔

نئے طریقے کی محفل۔ بہت بڑا مجمع۔ انگریز لیڈی کی صدارت
بمشکل ہمت کرکے مضمون پڑھا۔ جلسہ میں کئی لیڈیز سے ملاقات ہو گئی
اونہوں نے گھر پر آنے کو کہا آپ نے بلانے کا وعدہ تو کرلیا مگر
خوشدامن صاحبہ کا دل میں خوف تھا کہ وہ کیا کہیں گی۔ کہ اچھا
چھوٹی بہو کو جلسہ میں بھیجا۔ اور ملاقاتیں شروع کردیں۔ پہلے تو
زیادہ ملنے جلنے ہی کو برا سمجھتے تھے کہاں کہ انگریز لیڈیز دوست
بنائی جائیں۔ جلسہ دیکھکر آپ کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ ہم بھی

جلسے کر کے بیبیوں کو جمع کریں تعلیم پھیلائیں۔ عزیزی بیگم شیخ عبداللہ صاحب کو جو آپ کے بچپن کی سہیلی تھیں۔ اور انکی بڑی ہمشیرہ صاحبہ سے ذکر کیا اور سب کا مشورہ ہوا اور شیخ عبداللہ صاحب سے کہا گیا شیخ صاحب پہلے ہی سے صیغہ تعلیم نسواں علیگڈھ کے سکرٹری تھے اونہوں نے یہ تجویز بہت پسند کی اور انجمن تعلیم نسواں کا نام تجویز کر کے باقاعدہ قواعد بنائے انجمن کی صدر سکندر جان بیگم صاحبہ اور سکرٹری بیگم شیخ صاحب اور آپ قرار پائے۔

ہر مہینے کی پہلی کو انجمن کے جلسے ہونے شروع ہوئے۔ ہر جلسہ کی روئداد چھپکر تقسیم ہونے لگی۔ دہلی کیا شاید تمام ہندوستان کی مسلم آبادی میں یہ پہلی انجمن تعلیم نسواں خاص زنانہ ہاتھوں میں پہلی انجمن تھی۔ آپ پر طرح طرح کی باتیں بنائی جاتیں یہانتک کہ سب اسلام سے خارج سمجھ لئے گئے۔ ان باتوں سے بعض اوقات آپ بیدل ہو جاتیں۔ لیکن شیخ صاحب نے آپکی ہمتوں کو کم ہونے نہ دیا۔ انہیں دنوں میں دہلی کے ایک میونسپل کمشنر نے کوشش کر کے لڑکیوں کیلئے ایک زنانہ مدرسہ کھلوایا۔ آپ سب نے مدرسہ میں جاکر اوس کے ترقی کی کوشش کی۔ کچھ چندہ کر کے مدرسہ کیلئے ضروری سامان خریدا

سنہ ۱۹۰۳ء میں آپ اپنے شوہر کے ساتھ پشاور چلی گئیں۔

چھاؤنی میں قیام تھا۔ شہر کی بیبیوں سے بھی رفتہ رفتہ میل جول پیدا ہوگیا۔ یہاں بھی تعلیم کا رواج نہ تھا۔ اگرچہ شہر میں میونسپلٹی کی طرف سے ایک زنانہ مدرسہ تھا مگر کوئی لڑکی اوس میں داخل نہیں ہوتی تھی۔ چھاؤنی میں تو مدرسہ تھا ہی نہیں ہاں ہندو لڑکیوں کیلئے دو کنیا پاٹ شالے موجود تھے۔ پشاور میں جن بیبیوں سے کہا کسی نے مدرسہ میں مدد دینیکا وعدہ نہیں کیا بلکہ تعلیم نسواں سے یہ بیبیاں ایسا گھبرائیں کہ ملنا جلنا تک چھوڑ دیا۔ آخر میں آپ نے خود ہمت کر کے مدرسہ کھول دیا کہ کم از کم تعلیم کا چرچا تو پھیل جائے گا۔ دو استانیوں کا انتظام کیا اور اپنے بنگلہ کے دو کمرے مدرسے کیلئے خالی کر دیئے بہت سی کوشش سے پچیس تیس لڑکیاں جمع ہوگئیں سوائے چار پانچ شریف لڑکیوں کے باقی تمام باہر پھرنے والی داخل ہوئیں۔ پڑھائی شروع ہوگئی۔ ابتداً خدا کی شکر گزاری والی نظم سب لڑکیاں ملکر پڑھتیں۔ پڑھائی ختم ہونیکے بعد سب پہاڑے اور گنتی یاد کرتیں۔ قرآن شریف۔ اردو حساب سلائی غرض امید سے زیادہ کامیابی کے ساتھ مدرسہ چلا۔ جبتک آپ پشاور میں رہیں لڑکیاں برابر آئیں اور جب دہلی آنا ہوا تو لڑکیاں مدرسہ آنا چھوڑ دیتیں۔ باوجود تاکید کے لڑکیوں کے والدین کہتے کہ ہم استانیوں کے بھروسہ پر اپنے بچیوں کو نہیں بھیجتے۔ اسس

غلط خیالی نے آپ کو بہت تنگ کر دیا۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں جب آپ دہلی آئیں تو وکٹوریہ میموریل ہسپتال تیار ہو کر کھل گیا تھا اوس کے دیکھنے کو آپ بھی گئیں وہاں اتفاق سے سیول سرجن مس سہراب جی جو اب مسز نیپل ہیں ڈاکٹر ہو کر آئی تھیں اُن سے ملاقات ہوئی اور ملنا جلنا دعوتیں ہونے لگیں۔ آپ نے اُن سے تعلیم نسواں کے پھیلانے کا ذکر کیا۔ اونہوں نے مشورہ دیا کہ ایک لیڈیز کلب بناؤ اور سب مذہب کے بیبیوں کو شریک کرو اوس کی صلاح آپ کو پسند آئی اور اسی ہفتہ میں تیس چالیس ممبر جمع کر لئے کلب کی صدر سکندر جہاں بیگم صاحبہ اور سکریٹری آپ قرار پائیں۔ داخلہ چندہ رجسٹر میں باقاعدہ درج ہونے لگا۔ کئی قسم کے کھیل حفظان صحت، تعلیم نسواں پر لکچر ہونے لگے۔ اور بارونق کلب زنانہ ہسپتال میں بن گئی۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں آپ کے شوہر سپرنٹنڈنگ انجنیر ہو کر ریاست میں گئے وہاں تنہائی کی زندگی سے آپ اکتا گئیں کوئی بال بچہ تو تھا نہیں۔ دفتر کا کام آئے دن کے دورے۔ تمام دن روزانہ اخبار بینی تنہا مشغلہ رہ گیا تھا۔ طرابلس کی لڑائی ختم ہو چکی تھی، قسطنطنیہ میں جنگ کے شعلے بھڑکنے شروع ہو گئے تھے۔ اسلامی سلطنت کے تباہی و بربادی کے

حالات پڑھتے پڑھتے بعض اوقات آپ گھبرا جاتیں۔ آخر وہاں بھی ایک کلب قائم کی ریاست کی لیڈی ڈاکٹر اور بہت سی خواتین شریک ہوگئیں وہاں لڑکیوں کا ایک مدرسہ تھا اوسکی ہیڈ معلمہ کو ممبر بنایا اور تعلیمی سلسلہ بھی کچھ شروع کیا، غرض وقت اچھا گذرنے لگا ریاست کی ہرہائینس بیگم صاحبہ کو خبر ہوئی اور اونہوں نے آپکو یاد فرمایا۔ ایکروز گاڑی اور خادمہ آپ کے لینے کو آئی اگرچہ کہ آپ کو بیگم صاحبہ سے نیاز حاصل کرنے کا شوق تھا، اکثر بیگمات سے آپ ملتی رہتی تھیں۔ ریاست جزیرہ جبشان بھی آپ دیکھنا چاہتی تھیں کہ یہاں کی بیگمات کا طریقہ کیسا ہے اور لباس کیسا ہے، جلدی جلدی تیار ہوکر قلعہ میں گئیں کمسن نواب صاحب تو رہتے ہی نہ تھے اور کوئی محل میں داخل نہ ہوسکتا، پردہ ہی پردہ تھا۔

عالیشان محل میں موتیوں اور جواہرات کے زیورات پہنے ہوئے سونے کے ڈنڈوں کے شامیانے کے نیچے سونے کی پینگڑی پر جو کہ قالین کے فرش پر بچھی ہوئی تھی، ایک بیگم صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں جب آپ قریب گئیں تو کھڑے ہوکر بہت اخلاق سے ملیں اور اپنے قریب کرسی بیٹھنے کو دی، آپ نے بیگم صاحبہ سے معافی مانگی کہ، آپ کے ہاں کے قاعدہ کے موافق مجھکو سلام کرنا نہیں آتا، دریاست میں سلام کا

یہ قاعدہ تھا کہ آنے والے بیگم صاحبہ کے گھٹنوں تک اپنے دونوں ہاتھ
لیجاتی ہیں بیگم صاحبہ اپنے دونوں ہاتھ ان کے ہاتھوں سے ملادیتی ہیں
پھر سیدھا ہاتھ اپنے اپنے سینوں پر رکھ لیتے ہیں پھر مزاج پرسی
کرتے ہیں) بیگم صاحبہ نے فرمایا کیا ڈر ہے، آنے والوں کو کیا خبر!
یہ ادنہوں نے اپنی بولی میں کہا، صاف تو آپکی سمجھ میں نہ آیا پھر بھی
مطلب سمجھ گئیں اسی طرح انکی بات چیت سے آپ مطلب اخذ کرتی رہیں
بیگم صاحبہ کو دہلی بہت پسند تھی وہاں کے حالات پوچھتی رہیں بیگم صاحبہ
کو آپ کے دہلی کے وضع کا زیور اور لباس کی وضع قطع بہت پسند آئی
یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بیگم صاحبہ آپ کو حقیقی بہنوں کی طرح سمجھنے لگیں
آپ سے زیادہ آپکے بچوں سے محبت کرتی تھیں اور اونکو آپ کے
ساتھ آنے بھی نہ دیتی تھیں۔ سارے شہر میں مشہور ہوگیا کہ محل میں
آپکی ہی حکومت ہے، اور لوگ آپ سے جلنے لگے، بیگم صاحبہ عالیہ
جیسی بڑی ریاست کی ملکہ تھیں ویسی ہی اونمیں منکسر المزاجی اور
اخلاق تھا، جو اچھی بات کہی جاتی تھی فوراً عمل کرتی تھیں ہر ایک
مشورے کو سوچکر فوراً اچھی بات کی تہ کو پہنچ جاتی تھیں۔ اور اوسکو
ایسی مضبوطی سے اپنے دل میں جما لیتی تھیں کہ کسی کی مخالفت ان پر
اثر نہ کرتی تھی، شروع میں اردو لکھنے پڑھنے کا شوق ہوا استانی

بلائی گئی۔ پڑھنا، لکھنا چند مہینوں میں سیکھ لیا۔ اگرچہ پہلے بھی پڑھ سکتی تھیں مگر اردو بولنے کی مشق نہ تھی، اخیر میں یہانتک کہ لباس میں رہنے سہنے کے طریقے میں زیور کے بے قاعدہ استعمال غرض سب میں اصلاح کرلی۔ چند مہینوں میں اردو ایسی شائستگی اور روانی سے بولنے لگیں کہ آپ سب اون کا منہ دیکھتے تھے اخبارات کی شوقین تعلیم کی شائق ہوگئیں، زنانے مدرسوں کی امداد فرماتی تھیں ہر ایک عورتوں کے کاموں میں عطئے بھیجتی تھیں۔ مگر گمنام، اپنے خاندان کے بچوں کی تعلیم کیلئے ایک صاحبزادہ اسکول قائم کیا۔ اسی میں بورڈنگ ہاوس رکھا کہ تعلیم کے ساتھ اون بچوں میں تربیت بھی ہو دہلی سے ماسٹر بلائے گئے محل میں ایک پرنسس کلب، قائم ہوئی ہر روز کھیل ہوتے تھے۔

خود غرض اور خوشامدی خادماؤں نے جو آپس میں فساد ڈلوا رکھے تھے وہ سب آہستہ آہستہ کم ہونے لگے اور کلب کی ممبر بنکر سب انکی عزیز کہلاتی تھیں۔ یہ سب کوششیں کیں لیکن انکی زندگی نے وفا نہ کی اور صد ہزار افسوس کہ سینکڑوں حسرتیں دل میں لیکر اس جہان فانی سے بے وقت رخصت ہوگئیں، خاصکر اپنی پیاری بچی کو ہمیشہ کے لئے غمگین کر گئیں۔ خدائے تعالیٰ بچی کی عمر میں برکت دے۔

پھر ۱۹۱۵ء میں آپ نے اپنی بچی نعیمہ سلطان، کے نام سے دہلی میں
نعیمہ مدرسہ کھولا لیکن کچھ دنوں بعد آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس فنڈ
علیگڈھ سے بیگم صاحبہ شیخ عبداللہ نے (۵۰) روپیہ ماہوار مدرسہ کی
امداد میں دینے شروع کئے تو اس مدرسہ کا نام بدلکر "اسلامیہ زنانہ مدرسہ"
ہوگیا۔ کئی سال کامیابی سے چلا۔ چالیس پچاس لڑکیوں کی اوسط رہتی تھی
آخر وہ بھی بند ہوگیا۔ آپ کا ایک جگہ قیام نہ ہونے سے آپکے قائم کئے ہوئے
چیزوں میں قیام نہ ہوتا تھا لیکن اب کئی سال سے آپ دہلی میں ہیں۔
۱۹۲۵ء میں جو لیڈیز کلب قائم ہوئی تھی وہ ابھی تک دن بدن
ترقی کر رہی ہے۔ زمین حاصل کر لیگئی ہے انشاء اللہ جلد کلب کی عمارت بھی
بن جائیگی۔ کلب کی باضابطہ مطبوعہ رپورٹ سالانہ پبلک کی آگاہی کیلئے
شایع ہوتی ہے۔ جسکی ترتیب کی ذمہ داری آپ ہی کی ذات پر ہے
آپ کی ایک لڑکی "کوئین مری اسکول" میں تھرڈ مڈل میں پڑھتی ہی
لڑکا ابھی چوتھی جماعت میں داخل ہوا ہے۔

عباسی بیگم

آپ کے ادبی دور کو شروع ہو کر ایک چوتھائی صدی ہوتی ہے
تمام عمر اردو ادب کو نظم و نثر سے مالا مال کرتی رہیں جس کا مقصد
وحید عورتوں کے قوائے ذہنیہ کو ابھارنا تھا۔ آپ شمالی ہند میں
اپنے معاصرین سے کچھ کم مشہور نہ تھیں۔ اخبارات میں مضامین شایع
کر کے قارئین کیلئے ضیافت طبع کا سامان بہم پہونچاتی رہیں آپ کی
دماغی پیداوار خصوصاً مسلم خواتین کیلئے بیش بہا جواہرات ہیں
آپ کے مضامین ناولس۔ نظم اور وہ خطوط جو ادبی دوستوں کو لکھی ہیں
بلند خیالات وسعت و معلومات سے پر ہیں ایک زمانہ گزرنیکے بعد
ان میں سے کچھ کلاسکس کا درجہ حاصل کریں گے اگرچہ آپکی تصانیف
پند آموز ہیں۔ لیکن اسمیں دلچسپی کی کمی نہیں قارئین محسوس کر سکتے
ہیں کہ خشک اخلاقی مضامین میں کیسی شگفتگی پیدا کی ہے۔ آپکی بہنیں جو

خود بھی اچھی لکھنے والی ہیں۔ خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ اڈیٹر تہذیب اور مشہور و معروف شاعر احمد حسین شوکت میرٹھی۔ آپ کے کمالات کے معترف ہیں اپنی بہنوں کے مقابلے میں آپ نہ صرف بحیثیت شاعرہ اور مضمون نگار ہونے کے امتیازی درجہ رکھتی ہیں بلکہ علمی حیثیت سے آپ کو نمایاں امتیاز حاصل ہے۔ آپکا نام (گل صحرا) کیوجہ سے ہمیشہ شگفتہ رہیگا۔ جو آپ کا شہ کار اور بقائے دوام کی سند رکھتا ہے جس کا مطالعہ قارئین کو ابھارنے والا اور فلسفیانہ غور و فکر کے لئے سامان فراہم کرنیوالا ہے۔ اس کتاب میں کشاکش حیات، دنیوی مصائب و آلام کا ایک خاص پیرایہ میں اظہار کرکے ہمارے جذبات کو پاک صاف کرنے کی کوشش کی ہے اگر انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا جائے تو بیحد مقبول ہوگا اور بلاشبہ ان کو مارگرٹ مکنی کول کی تصنیف خواتین ہند کی نظموں میں ممتاز جگہ ملے گی۔ آپ کے تصانیف کا ذکر کرنے سے پہلے اپنی جنس کے نوجوان طبقہ کو آپ کا جو پیام ہے وہ معلوم کرنیکے لائق ہے آپ اون ناول نویسوں کے طبقہ سے نہیں جنکی کوشش اپنے زمانہ کے طبقہ نسوان کو روشن خیال بنانے میں صرف ہوئیں۔ آپ نے مسلم معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالی ہے۔ مثلاً ازدواج بلا محبت پردہ، (جو جسمانی اور دماغی خرابیوں کا باعث ہے) دولت کی شادیاں، مناکحت بلا لحاظ سن و سال نیز آپ نے ایک مستقلانہ طور پر معاشرتی

خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جو آپ کے طبقہ کی عورتوں میں سرایت کر گئی تھیں، تعلیم نسواں اور پردہ کی نسبت آپ کا پیام حقیقت میں نہایت موثر تھا۔ آپکی ناولوں کا نچوڑ، وفاداری، عصمت فرمانبرداری ہے آپ نے اپنی بہنوں کو اپنا مشن اور دنیا میں ہستی انسانی کے ضرورت کے سمجھنے پر روز دیا ہے۔ اپنی ناولوں کے ذریعہ اچھی زندگی اچھے خیالات اچھے کاموں کے نسبت غور و فکر کرنے کا موقع دیا ہے۔ اپنی نظموں کے ذریعے شیعہ و سنی کے اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جس سے آپکے کم تعلیم یافتہ بہنوں کے غلط فہمیوں کی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔ آپکے قصائد جہاں کہیں پڑھے گئے روشن خیالی پیدا کرنیکے موئد ہوئے۔

آپکی بڑی زبردست خدمت، پردہ کے متعاصب حامیوں کے خلاف دانشمندانہ تحریک پر مشتمل ہے۔ جہاں کہیں رہیں نہایت شگفتہ مزاجی سے مخالفتوں کا مقابلہ کیا آپ کے مخلص اور ہمدردانہ مشوروں سے آپکی بہنوں کو پردہ کے جائز حدود کا امتیاز پیدا ہوا۔ اس طریقے سے آپ نے پردہ کے تاریک پہلو کو دور کرنیکی سعی کی یہاں یہ بات ظاہر کردینا مناسب ہے کہ آپ قطرۃ کی گرویدہ تھیں۔ آپکی ناولیں حسین مرغزار دل کا سچا مرقعہ ہیں۔ بحیثیت شاعر، آپکے کلام میں سوز و گداز خیالات میں بلند پروازی ہے، صحرا کا پھول، ایک الماس تابش ہے رسالہ ظل سلطان

بھوپال میں اہم عنوانات پر آپ نے مضامین لکھے جو عام طور پر اور سر شیخ عبدالقادر کی نظروں میں پسندیدہ ثابت ہوئے۔ تہذیب ظل السلطان، مخزن، خاتون، زمانہ کے اڈیٹروں نے وقتاً فوقتاً آپ کے بیش بہا مضامین پر پسندیدگی کا اظہار کیا ہے یہی رسائل شمالی ہند میں آپکی شہرت کا سبب ہوئے ہیں۔ آپکی تصانیف اکثر شائع ہو چکی ہیں اور بعض زیر طبع ہیں۔ آپ نے دو لڑکیاں چھوڑیں ہیں آپکے رفیق حیات جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب وظیفہ یاب مددگار تعمیرات حیدرآباد دکن اسوقت مدراس میں مقیم ہیں اور وسیع النظری اور آزاد خیالی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ آپ کی بڑی صاحبزادی جو کاظم علی صاحب انصاری ڈپٹی کلکٹر کی اہلیہ ہیں وسیع النظری اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور چھوٹی مس حجاب اسمٰعیل دنیائے صحافت میں خاصی شہرت رکھتی ہیں اور اپنی والدۂ محترمہ کے نقش قدم پر جادہ پیما ہیں۔

نوٹ:۔ حالات متذکرہ ہیں انگریزی میں موصول ہوئے جو بجنسہ ترجمہ کرکے درج کر دیئے گئے ہیں۔ نہایت تاسف سے کہنا پڑتا ہے کہ خاتون محترم تذکرہ کی ترتیب کے دوران ہی میں بمقام مدراس ۱۹۳۵ء میں انتقال کر گئیں۔ اِنّ اللّٰہ و اِنّ الیہ راجعون۔

ذیل کا مضمون مرحومہ کے ندرت تخیل کا ضامن ہے۔[126]

ہندو عورت کے جذبات

کملا تو مرجھا کیوں گئی!!

"کملا تو مرجھا کیوں گئی"؟ میری چندر روپ کملا! تو نڈھال کیوں ہوگئی؟ میں سمدھن سے پوچھونگی امراؤ سنگھ ترے پتی سے پوچھونگی کہ تجھے کس نے مرجھایا۔ کس نے دکھ دیا،

کملا کمزور لہجے میں، میری ماتا میری گنگا دیبی، میری بھگیرتی، آہ یہ مجھ سے نہ پوچھ۔ میں مرجھا گئی تو اس کا سبب یہی تھا۔ بہار پر خزاں مسلط ہے۔ چاند پر بدلیاں بھی محیط ہوا کرتی ہیں۔ میری ماں! آہ مجھسے نہ پوچھ،

ماں نے کہا، آہ نہ پوچھوں! کیوں کر نہ پوچھوں! کیسے برداشت کروں! ہائے کس نے میری کلی کو مرجھا دیا۔ اے الفاف کے دیوتاؤ! میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ یہ تو کچھ بھی نہیں بتاتی، تم جواب دو، میری کملا تو نازک کلی تھی، پتی برت دھرم زبان کو روک رہا ہے، ماں تم مجھے مجبور نہ کرو، کملا نے اپنے دل کو ہاتھوں سے دبایا، ماں کی گود میں سر رکھکر رونے لگی۔

ماں "یہ آتش رقابت کی جگر خراش آہیں تیرے سینہ سے نکل کر
میرے جسم و روح کو پھونک رہی ہیں۔ تری حسرت بھری آنکھ داستان غم
کی تمہید لکھ رہی ہے۔ پھر میں کیوں نہ پوچھوں کہ تجھے کس نے مرجھایا ہے"
کملا، کانپ رہا تھا کہ رہا تھا کہ اسکی جنبش دل نے اسکے پورے جسم پر
محیط قبضہ کیا ہے سنہری ساڑی کا آنچل ڈھل کر زمین پر آرہا تھا
اس کے لب مرتعش ہاتھ میں ایک کھلا ہوا خط تھا جسکو وہ اس نظر سے
دیکھ رہی تھی کہ گویا اس کے ہر رگ و پے کا جذبہ و طاقت کھنچکر اسکی
آنکھوں میں آگیا تھا" او بھگوان یہ کیا پڑھ رہی ہوں کیا مری کمزور
نظروں کی غلطی ہے؟ نہیں۔ آہ ہرگز نہیں۔ پھر تو کیا یہ میرا نوشتۂ تقدیر ہے
آداے امرا سنگھ! آہ اے پتی! تم نے مجھے سخت دھوکہ دیا! کاش
میری شادی کے پیشتر مجھ سے کہدیا ہوتا!

خوب امیدیں بندھیں آخر ہوئی حرماں نصیب۔ بدلیاں اٹھیں مگر
بجلی گرانے کے لئے کیا اسکی خبر ماتا اور پتا کو کردوں؟ کیا وہ میری بگڑنے
والی قسمت کو پھر ایکمرتبہ سنبھال لینگے؟ آہ نہیں اب اس سے کیا
ہوسکتا ہے، پانی سر سے اونچا ہوگیا۔ میں اب انکی نہ رہی بلکہ اس
مری قسمت کے بگاڑنے والے نے قبضہ کرلیا!"

پھر خط اوٹھا کر پڑھنے لگی" پریم ناتھ"، افوہ یہ کون ہے؟

کیا میری خوشیوں کی یہ بھی حصہ دار بنائی گئی ہے۔؟ رام رام۔ یہ کیا ہوگیا! آخر میں نے کیا خطا کی تھی؟ مجھے اس طرح زندہ درگور کرنا ہی کیا ضرور تھا؟ کیا میری بدنصیب ہستی ان سے شریک زندگی بنانے کی متمنی تھی؟ کیا کبھی میں نے ان سے ایسی خواہش کی تھی؟ او نصیب! اب کیا کروں! جاؤ یہ دنیا اچھی نہیں۔ یہاں کے بسنے والے باوفا اور سچے نہیں، یہ کہکر اس سے خط حفاظت سے رکھ چھوڑا۔

یہ مجھے چکر کیوں آرہے ہیں؟ کیا میرے جذبۂ نسائیت میری ہستی سے ٹھکرائے جاکر غیرتمند روح مجھسے جدا ہورہی ہے؟ آہ اے پتی تم نے مجھ سے سخت دشمنی کی،، امراؤ سنگھ کمرہ میں داخل ہورہے تھے۔ انہوں نے صرف،، آہ اے پتی،، سن لیا تھا۔ کملا کو بیہوش پاکر ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ پلنگ پر لٹا دیا۔ دم بھر میں محل میں خبر ہوگئی۔ لیلاوتی۔ ساوتری سندر۔ انبا دیوی، ساتھ ہے ساری کنیزیں دوڑی آئیں۔

امراؤ سنگھ زرد ہو چکے تھے، انہیں اقسام کے خیالات نے بدحواس آہ اے پتی،، آخر کملا نے کیوں کہا کیا غشی سے پیشتر وہ مجھے پاس دیکھنا چاہتی تھیں، میری غیر حاضری میں کسی نے مرے حالات انہیں بتا دیئے ہیں جنکی انہیں برداشت نہ ہو سکی،، امراؤ سنگھ نے دل سے کہا۔ جب ہوش آیا۔ امراؤ سنگھ نے کہا، کملا۔ میری عزیز بیوی! کہو! آخر ماجرا کیا ہے؟

اس نے خوبصورت آنکھوں کو کمزور اداسے متحرک کر کے کہا آہ یہ مجھ سے
نہ پوچھو جائیے مہاراج! میرے دل کی دوا نہ کیجئے۔ درد پنہاں میں تو
نہانی میں راحت ہے۔ تڑپ میں سکھ پاتی ہوں۔

نورجہاں ناز

نازؔ تخلص بنت مرزا علی محمد خان صاحب ۱۰ اکتوبر بمبئی میں پیدا ہوئیں
آپ قوم مغل سے ہیں۔ آبائی وطن ایران ہے۔ آپکے اجداد شیراز کے
سربرآوردہ لوگوں سے تھے، جن کے حالات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں
سب سے پہلے آپ کے دادا منشی علی اکبر خاں نے ترک وطن کر کے
قندہار کی معرکتہ الآرا لڑائی میں اہم حصہ لیا اور اسے فتح کر کے بمبئی میں
قیام پذیر ہوئے ان کا عقد قندہار کے وزیر اعظم کی صاحبزادی سے ہوا
تھا۔ آپ کے دادا مرزا حسین خاں نے اپنی جبلی آزادہ روی کے باعث
حکومت کی ملازمت ناپسند کر کے سالسٹر کا پیشہ اختیار کر لیا اور اپنے
فن میں بہت کچھ نامور ہوئے ان کے سب سے بڑے فرزند یعنے موصوفہ
کے پدر بزرگوار نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلنا مناسب تصور کیا اور وہ
اسوقت بمبئی کے قدیم ترین سالسٹر میں شمار کئے جاتے ہیں ممتا موصوفہ

کچھ عرصہ قبل پبلک کاموں میں بھی پیش پیش رہے تھے میونسپل کارپوریشن کے وہ پریزیڈنٹ رہ چکے ہیں اور حال ہی میں بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی مرزا علی اکبر خاں الفنا ایک عرصہ تک پراکٹس کرکے بحیثیت جج بمبئی ہائیکورٹ میں اس وقت کارفرما ہیں آپ مستقل طور پر ۱۹۰۵ء سے ۱۹۲۲ء تک بمبئی میں مملکت ایران کے قونصل بھی رہ چکے ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی مرزا علی رضا خاں صاحب ایم اے بیرسٹر ایٹ لا ابتک پراکٹس کرتے ہیں۔ آپ اپنے والدین کی اولاد اکبر ہیں۔ آپکی ولادت بقول آپکی والدہ کے نہایت مبارک ثابت ہوئی اور اس موقع پر غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا گیا۔ چنانچہ سلطنت مغلیہ کی اوس اولالعزم ہستی جس نے شان ملوکیت کے ساتھ ہندوستان کی زمام حکومت عرصہ اور ازتک سنبھالی تھی یعنے "نور جہاں" کے نام سے آپ نامزد کی گئیں۔ تربیت و تعلیم کا نہایت عمدہ اور اعلی پیمانہ پر انتظام کیا گیا چنانچہ آٹھ برس کی عمر میں آپ نے قرآن شریف اور دوسری بہت سی ضروری اردو فارسی کی کتابیں ختم کرلیں۔ باوجود آپکی والدہ کے مخالفت کے ۱۹۱۹ء میں آپ کے والد نے زنانہ (فورٹ کانونٹ ہائی اسکول) میں شریک کرادیا۔ جہاں فرنچ۔ لاطینی زبان کے تعلیم کا نہایت عمدہ انتظام تھا ۱۹۲۶ء تک یعنے جب آپ نے اسکول چھوڑا ہے۔ لٹریچر جناب

جغرافیہ۔ دستکاری۔ سائنس۔ تعلیمی۔ موسیقی۔ اور حفظان صحت کی خاطرخواہ تعلیم پا چکی تھیں۔ جماعت اور امتحانات میں ہمیشہ سب سے ممتاز رہتی تھیں اور اکثر انعامات حاصل کئے ہیں۔ اسکول کی تعلیم کے دوران میں تعطیلات اور فرصت کے موقع پر گھر پر بھی تعلیم جاری رہتی تھی۔ اردو۔ فارسی۔ دینیات کے علاوہ گجراتی کی تعلیم بھی پائی ہیں۔ اور انگریزی تو ایسی بولتی ہیں گویا مادری زبان ہے پردہ کی پابندی کے باعث میٹرک کے امتحان میں شریک نہ ہو سکیں۔

اسکول ترک کرنیکے بعد سے آپ کا وقت زیادہ تر مطالعہ کتب انتظام خانہ داری، اور مضمون نگاری میں صرف ہوتا ہے۔ اگرچہ مادری زبان فارسی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ اردو سے آپ کو بے انتہا شغف ہے اور اس میں شعر بھی عرصہ دراز سے کہتی ہیں یوں تو فنون لطیفہ سے غیر معمولی دلبستگی ہے لیکن موسیقی سے خاص لگاؤ ہے ہر قسم کے ساز بجانا جانتی ہیں اور مختلف راگ راگنیوں پر کافی عبور ہے فن موسیقی کی تعلیم کے لئے زیادہ تر اپنے طبعی لگاؤ اور فطری قابلیت کی رہین منت ہیں، ادب لطیف کا مطالعہ اور اسمیں خامہ فرسائی طبیعت کو بہت بھاتی ہے۔ اپنے ماحول کے برخلاف طبیعت کی اوٹھان کچھ اسطرح ہوئی ہے کہ سادہ زندگی بہت مرغوب ہے۔ مغربی تعلیم اور تربیت کے

باوجود مذہبی رنگ بہت چڑھا ہوا ہے۔ قدیم معاشرت کی ایک بڑی حد تک دلدادہ ہیں اور اپنا مقصود حیات خدمت خلق سمجھتی ہیں۔ زبان اردو کے تقریباً جملہ رسائل آپ کے پاس آتے ہیں جن کے علاوہ انگریزی رسائل اور اخبار میں بھی آپ کا وقت دلچسپی سے گزرتا ہے، آپکے مضامین ملک کے مختلف رسائل میں شایع ہوا کرتے ہیں ترتیب تذکرہ میں آپ کی اعانت نہایت وقیع ہے ذیل کے اشعار ذوق شعری کے ترنم کیف ہیں۔

دل مرا عشق سے لبریز ہوا خوب ہوا
نور سے سینہ جو معمور ہوا خوب ہوا

قتل کا ریار نے اقرار کیا ہے مارے!
خوں بہانا اسے منظور ہوا خوب ہوا

خاک ہم ہو تو گئے سوز نہانی سے مگر
سو ظن دل سے ترے دور ہوا خوب ہوا

جوئے خوں چشم سے جاری ہے بسلسل اے ناز
اک جگر میں مرے ناسور ہوا خوب ہوا

تو کہاں ہے؟

میں نے تیری جستجو میں کائنات عالم کا ذرہ ذرہ چھان ڈالا۔ فصل بہار میں، گلوں کی رنگینیوں میں۔ غنچوں کی چٹک میں، بجلیوں کے تبسم میں، پھلوں کی شیرینی میں، دریا کے پیچ و خم میں، سبزہ کی محویت میں، فلک نیلوفر کے حجاب میں، سرخی شفق کی دلکشی میں۔ ستاروں کی تابندگی میں، تپش آفتاب میں خنکی ماہ میں۔

لیکن آہ۔ "تو کہاں ہے"

صبح نسیم سحری جب مژدۂ راحت لاتی ہے، میں تجھے ڈھونڈھتی ہوں
شب میں شبنم جب سبزہ کو سیراب کرتی ہے۔ میں تجھے ڈھونڈھتی ہوں۔
آفتاب جو وقت اپنے روئے منور سے نقاب شب اٹھاتا ہے،
اور تاریکی عالم پر ضیا باری کرتا ہوا آتا ہے۔ میں تجھے ڈھونڈھتی ہوں
ماہ شب افروز جب چادر نورانی سے مادر گیتی کو سنوارتا ہے۔ میں سمجھتی
ہوں کہ تو آگیا۔

لیکن آہ "تو کہاں ہے"

طائروں کے نغموں پر مجھے تیری آواز کا گمان ہوتا ہے، زمانہ
کروٹ بدلتا ہے، موسم اپنے راگ سناتے ہیں، بادل گرجتے ہیں، بجلی
چمکتی ہے، مینہ برستا ہے، دھوپ نکلتی ہے، سردی پڑتی ہے، گرمی
ہوتی ہے۔ میری آنکھیں صرف تجھے ڈھونڈھتی ہیں۔

لیکن تو کہاں ہے"

مطربہ گا رہی ہے، ساز بج رہا ہے۔ پیمانہ چھلک رہا ہے، ساقی مست ہے
محفل مدہوش ہے، میں تجھے ڈھونڈ رہی ہوں:

لیکن تو کہاں ہے"

اذاں کی صدا گونجتی ہے، نمازی سربسجود ہیں، بتکدے میں ناقوس
کی صدائیں بلند ہیں۔ پجاری بتوں کے روبرو سرنگوں ہیں لیکن میں

تیری جستجو میں محو ہوں،

بتا — "تو کہاں ہے"

اے مرے دل کے سکون۔ میری زندگی کے سہارے، میری تمناؤں کے مرکز۔ مرے خیالی انیس، سچ بتا کہ تجھے کہاں پاؤں، کہاں سے لاؤں میری زندگی بیکار ہے۔ میری شمع عقل خاموش ہے۔ میرے ہوش پراگندہ ہیں مجھے بتا ہاں مجھے بتا اپنی مدہوش کر دینے والی آواز سنا، اور بتا کہ

"تو کہاں ہے"

تیری پرستار ناتواں ہے، حقیر ہے۔ اس میں سکت نہیں۔ قوت نہیں کس طرح تجھے تلاش کرے تو ہی بتا کہ

"تو کہاں ہے"

میری بے چینیوں نے میرے دل کی آنکھوں کو روشن کیا۔ عقل نے اشارہ کیا، اور میں نے اسے کائنات کے کرشمے میں پایا۔ کائنات کی ہر شئی نے اپنی خاموش زبان میں کہا جسے تو ڈھونڈ رہی ہے — وہ "یہاں ہے"

بنت خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے تحصیلدار دینانگر ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئیں۔ امرت سری ذات کے برہمن اور کشمیری اصل ہیں آپ کے بزرگ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں لاہور آئے اور پشمینہ کی تجارت کرتے تھے لاہور میں رہائش اختیار کی تعلیم کا سلسلہ گھر ہی پر رہا ابتدائی تعلیم والدہ سے پائی۔ بعدہٗ فرصت کے اوقات میں والد سے تعلیم حاصل کرتی رہیں۔ نہایت ذہین اور ذکی ہیں تحریر رواں اور دلچسپ ہوتی ہے۔ نہایت وسیع معلومات رکھتی ہیں بحث مدلل ہوتی ہے آپ کی ایک چھوٹی ہمشیرہ بھی ہیں آپکے برادر بزرگ کرامت اللہ صاحب قمر اسوقت بی اے کے امتحان کی تیاری میں مصروف ہیں۔ ذیل کے خیالات آپکی قابلیت کے شاہد ہیں۔ ترتیب تذکرہ میں آپ نے ممکنہ امداد دی ہے۔

چند اشارات

پردہ نہایت اچھی چیز ہے اور عورتوں کا زیور ہے لیکن پردہ وہی پردہ ہے جس کا مذکور قرآن میں ہے نہ کہ وہ پردہ جو اون مردوں نے رائج کر رکھا ہے جنکی عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

یہ پردہ تو بروئے توراۃ ابتدا میں فاحشہ عورتوں کا نشان تھا۔

یہودہ ابن یعقوب علیہ السلام کے حالات میں اس کا مذکور ہے یہ نہایت مذموم پردہ ہے اور مخالف اسلام ہے۔

مذموم پردہ کسی نہ کسی صورت میں عام ہے مثلاً اس بدقسمت ہندوستان کو دیکھو ہمارے ہندو بھائیوں میں ذات پات کی کتنی سختی سے پابندی کیجاتی ہے یہی پردہ ہے کہ ایک ذات کا آدمی دوسری ذات سے علیحدہ رہے یہ اختلاط بروئے دہرم شاستر ممنوع ہے لیکن اسلام میں یہ امتیاز نہیں ہے قبائل اور شعوب کا امتیاز بلاشبہ فطری ہے لیکن ہوائے نفس انسانی نے اوسکو معیار فضیلت قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ اسکی غرض محض تعارف ہے جب ہم کسی شخص کی ولدیت اور قومیت اور سکونت دریافت کرتے ہیں تو مدعا تعارف ہی ہوتا ہے ایسا پردہ شدھی اور سنگھٹن کی جڑ کاٹنے کے لئے کافی ہے غالباً یہی وجہ ہے کہ بعض روشن دماغ ہندو اس بات پر زور

دے رہے ہیں کہ ذات پات کے قیام کے ساتھ چھوت چھات کو ترک کرنا چاہیئے منافرت جو احساس مغائرت سے پیدا ہوتی ہے انسانیت سے بعید ہے اگر ہندوؤں نے یہ مذموم پردہ اٹھانے کی کوشش کی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انکے مذہبی عقائد پر بھی پسندیدہ اثر پڑیگا۔ انکے ہاں ذات پات کا امتیاز مسئلہ تناسخ پر مبنی ہے جس کا مفہوم ہے کہ انسان اپنے کرم سے جنم لیتا ہے اگر اچھے کرم یعنے عمل کیئے تو برہمن یا چھتری کے گھر پیدا ہوگا۔ اور اگر برے کام کیئے تو شودر کے ہاں جنم لیگا اس طرح کرم کے مطابق مالدار اور مفلس اور معزز اور ذلیل انسان پیدائش سے ہوتا ہے اسلیئے اگر ہندوؤں نے ذات پات کے ساتھ چھوت چھات کو ترک کر دیا تو وہ اسلامی عالمگیر اخوت کو تسلیم کرلینگے۔

بلاشبہ انسان اپنے اعمال ہی سے معزز اور ذلیل ہوتا ہے اور اس حد تک ہمارا ہندوؤں سے اتفاق ہے۔ لیکن فی الحقیقت پیدائش کا اس سے کچھ تعلق نہیں۔ اگر یہ نظریہ اصولاً صحیح ہوتا تو جنھیں ہندو شودر کہتے ہیں ان میں سے کوئی معزز نہ ہوتا اگرچہ حکومت کے بل بوتے پر شودروں کو برہمنی زمانہ میں آریہ ہندوؤں نے کبھی ابھرنے نہیں دیا لیکن آج وہ ترقی کر رہے ہیں اور معزز عہدوں پر ممتاز نظر آتے ہیں ہندوستان کے شودروں پر ہی کیا موقوف ہے ہندوستان کے باہر بھی انسان ہی آباد تھے اور ہیں ان پر دھرم شاستر کی ذاتوں کا اطلاق کس طرح ہوگا۔ ہندو شاید

تسلیم نہ کریں. لیکن میں یہ ضرور کہونگی کہ انکے زوال کا باعث ہی یہ ذات پات کا امتیاز ہے۔ ہندوستان کے شودر ابھر نہ سکے لیکن باہر کے شودر انکے گھروں میں آگھسے اور آج تک سلطنت کرتے چلے آرہے ہیں محکوم قوم ہمیشہ ذلیل زندگی بسر کرتی ہے۔ دوسرا مذموم پردہ اس اول الذکر پردہ کی ایک صورت ہے۔ قوی ضعیف کو دبائے رکھتا ہے حاکم محکوم کو اور غنی مفلس کو اور مرد عورت کو برابر کا انسان نہیں سمجھتا بلاشبہ ایک کو ایک پر فضیلت حاصل ہے اور فضیلت اللہ کی عنایت ہے اسلئے ارشاد الٰہی کے مطابق جس کو جس امر میں فضیلت حاصل ہے اسکا شکر ادا کرے اگر کسی کو رزق میں برتری ہے تو وہ زیردستوں کو کھلائے لیکن عموماً انسان ناشکر گزار ہے یہی وجہ ہے کہ حاکم محکوم اور غنی مفلس ہو جاتے ہیں ایسا انقلاب ہر ایک زمانہ میں ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہیگا جبتک کہ لوگ قوت فضل کے ساتھ ایثار سے کام نہ لینگے محکوم حاکم ہو سکتا ہے مفلس غنی بن سکتا ہے لیکن مرد مرد ہے اور عورت عورت ہی رہیگی مرد قوی اور عورت ضعیف مخلوق ہوتی ہے مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت ہے اسلئے ارشاد الٰہی ہے کہ مرد عورت کا سرپرست ہے یعنی مرد کو قوت اسلئے عطا ہوئی ہے کہ وہ ضعیف مخلوق عورت کی سرپرستی کرے اسلئے جان و مال کا محافظ ہو اگر خدا چاہتا تو عورت کو بھی مرد کیطرح قوی مخلوق

بنا تا مگر ارشاد آلہی کا مفہوم یہ ہے کہ فضیلت اس لئے دگئی ہے کہ اس میں اہل فضل کی آزمائش ہوتا کہ ظاہر ہو کہ احسن عمل کون کرتا ہے یہ تقاضائے فطرت ہے کہ ایک ہی جنس کے افراد میں مودت اور رحمت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالے اپنے بندوں میں سے رسول اور انبیاء انہی کی جنس سے پیدا کرتا ہے تاکہ وہ بہ تقاضائے فطرت گمراہ بندوں کو راہ راست پر لائیں اور رحمت ثابت ہوں۔ ہمارے رسول کریم رحمۃ اللعالمین ہیں اور تمام بنی نوع کیلئے رحمت ہیں اسلئے کوئی رسول یا نبی عالم انسانی میں فرشتہ یا جن غرض غیر انسان نہیں ہو سکتا، کند ہم جنس باہم جنس پرواز، اسی طرح مرد اور عورت کی پیدائش نفس واحدہ سے ہوتی ہے اور وہ ایک جنس ہیں اور نکاح کی علت غائی بھی یہی ہے کہ ان میں فطری مودت اور رحمت ہو اسلئے مرد کی سرپرستی اگر مودت و رحمت کے ساتھ نہیں تو وہ اس فضیلت کا ناجائز استعمال کر رہا ہے جو اسکو دیگئی ہے حاکم بھی محکوم کا سرپرست ہے اسیطرح جس طرح والدین بچوں کے سرپرست ہیں جب وہ بالغ ہوجائیں تو یہ سرپرستی اٹھ جاتی ہے اگر اس پر بھی سرپرستی کا ڈنڈا انکے سر رہا تو وہ جبر و اکراہ سے تعبیر ہوگا اسلام جس کے ساتھ رسول کریم مبعوث ہوئے اکراہ کو جائز نہیں رکھتا کیوں کہ فہم انسانی بالغ ہو چکا ہے اور ہدایت اور گمراہی میں امتیاز کر سکتا ہے یہ ظاہر ہے کہ عورت فطرتاً مرد کی سرپرستی سے آزاد

نہیں ہو سکتی اسلئے آزادی کیلئے جو کوشش ہو رہی ہے وہ دراصل مردوں کو
راہ راست پر لانے کیلئے ایک چال ہے اگر مرد راہ راست پر نہ آئے تو نتیجہ
خطرناک ہوگا جب کسی حکومت کے آئین اور قوانین پر لوگ عمل نہیں کرتے تو
ملک میں بدنظمی اور اوسکے ساتھ بغاوت رونما ہوتی ہے اسطرح جب لوگ
قوانین فطرۃ سے باتباع ہوائی نفس سرکشی اختیار کرتے ہیں تو عذاب کے دن آگے
ہیں اسکے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ مرد فطری سرپرستی جو مودت اور رحمت ہے
چھوڑ بیٹھے ہیں اور باتباع ہوائی نفس عورتوں کو وہ حقوق نہیں دیتے جو
ویسے ہی ان پر ہیں۔ جیسے مردوں کے عورتوں پر اسلئے عورتیں بغاوت
پر آمادہ ہیں یورپ میں تو یہ ہوا۔ مدت سے بگڑی ہوئی ہے ہندوستان
میں بھی اس کے جھونکے آرہے ہیں مناسب ہے کہ مرد اپنے فرائض کو
سمجھیں اور عورتوں کو مناسب ہے کہ وہ صبر سے کام لیں (ان اللہ
مع الصابرین)۔ صبر کا مفہوم بےچارگی اور درماندگی نہیں ہے بلکہ استقلال
ہے۔ مصائب کا مقابلہ کرو اور ثابت قدم رہو۔ لیکن اعتدال سے نہ بڑھو۔
اپنے حقوق طلب کرو اور اگر ضرورت ہو تو زور سے کرو لیکن شر پیدا نہ کرو
بہرحال بہت کچھ مردوں کے طرز عمل پر موقوف ہے۔

آج کل کہنے کو تو کہتے ہیں کہ عورتیں آزادی کی ہوا خواہ ہیں اور
مردوں کی طرح تمام کاروبار کرتی ہیں لیکن مجھے بہت سے بہنوں کا حال

معلوم ہے کہ وہ محض اپنے خساوندوں کے ظلم سے تنگ آکر پیٹ پالنے کا سامان کرتی ہیں خاوند یا تو بے روزگار ہیں کہ اپنے بیوی بچوں کی پرورش نہیں کر سکتے حالانکہ ارشاد الہی ہے کہ جو مفلس ہے اسکو شادی نہیں کرنی چاہئے اسکو صبر کرنا چاہئے یہاں تک کہ وہ غنی ہو جائے ایسا مفلس قلاش کیا خاک سرپرستی کریگا یا ایسے بے حمیت ہیں کہ :-

تن آسانی گزیند خویشتن را　　　زن و فرزند بگزارد بہ سختی

اب فرمائیے کیا اسی کا نام سرپرستی ہے؟ جس پر مرد اتراتے ہیں میں ایسی بہنوں سے بھی واقف ہوں جو محنت و مشقت سے مردوں کا پیٹ پالتی ہیں اسلئے یہ کہنا چاہیے کہ وہ مرد مرد نہیں ہیں جو عورتوں کی سرپرستی نہیں کر سکتے اگر میں ان بہنوں کے حالات مفصل لکھوں تو انکی مصیبت بھری داستان سنکر پتھر کا دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ اگر عورتیں مردوں کی طرح کار و بار کر رہے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مرد نااہل ہیں۔

عورت کا جو کچھ فطری کام ہے اسکو اللہ تعالے نے ایک لفظ میں بیان فرما دیا ہے ,, تسکین ،، یعنے اس سے مرد کو تسکین خاطر حاصل ہو یہ جامع لفظ ہے اور اسکی شرح کیلئے عورت کی فطرۃ کا مطالعہ کرنا چاہئے مرد کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اسے عورت کی ذات سے کسطرح فطری راحت

حاصل ہوسکتی ہے مگر پہلے مرد کو سرپرستی کا اہل بننا چاہیے۔ نکاح کی علت وہ نہیں ہے
جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے تردید "غیر مسافحین" سے بخوبی ہوتی ہے مہر بھی
دراصل زر بدل نہیں ہے بلکہ مرد کی اہلیت کی نقد ضمانت ہے "محصنین"
کا مفہوم یہ ہے کہ مرد اور عورت دائمی قید نکاح میں آئیں نہ کہ عارضی
طور پر نکاح مقدس معاہدہ ہے عورت اور مرد میں مساوات ہے چونکہ
مرد بوجہ قوت عورت کا سرپرست ہے اور نان و نفقہ کا ذمہ دار ہے
اسلئے اس کا معاوضہ اسکو وراثت میں مل جاتا ہے وہ عورت سے دگنا
حصہ پاتا ہے ارشاد الٰہی ہے کہ اگر مرد عورت سے کوئی دینوی فائدہ حاصل کرنا چاہے اور عورت
بھی رضامند ہو تو مرد کو چاہیئے کہ اس کو ویسی ہی اجرت دے جو مقرر ہے کم و بیش وہ اپنی
باہمی رضامندی سے کر سکتے ہیں لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ عورتیں تمام
ذلیل خدمت کرتی ہیں۔ باورچن۔ دھوبن۔ درزن۔ مہترائن۔ ایک
گھر کی عورت ہوتی ہے اور اسے ان خدمات پر مجبور کیا جاتا ہے اسے
ان کا معاوضہ تو کیا ملیگا۔ جو کچھ اس کا اپنا ہوتا ہے وہ بھی خورد برد ہو جاتا
ہے خود پرستی کی بھی حد ہے کہ مرد عورت کی ہستی ہی نہیں سمجھتے قرآن عظیم
میں عورت کے علیحدہ مستقل حقوق ایسے ہی قرار دیئے گئے ہیں جیسے مرد کے۔
عورت کی اپنی علیحدہ جائداد ہونی چاہیئے تاکہ آڑے وقت میں کام آئے
اور مرد یہ نہ سمجھے کہ سرپرستی کا مفہوم یہ ہے کہ عورت ہر وقت اسکی دست نگر ہے

یہ سرپرستی ایسی ہی ہے جیسی یتامیٰ کی انکی اموال محفوظ رہیں تو سرپرستی کا حق ادا ہوتا ہے اور سرپرست ان کا مال کھائے تو جہنم کی آگ پیٹ میں ڈالتا ہے۔

آج کل مسلمان نام نہاد عورتوں کو ورثہ سے محروم کرتے ہیں۔ اور دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ وراثت میں ہم شرع محمدی کے پابند نہیں ہیں عورت پر ایک صرف ایک ہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی عصمت کو غیر مرد سے محفوظ رکھے۔

حجاب اسمٰعیل

بنت مولوی سید محمد اسمٰعیل صاحب حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئیں
ابتدائی تعلیم والدہ کے زیر نگرانی گھر پر حاصل کی۔ پھر یورپین اسکولوں
میں بہت دنوں تک پڑھتی رہیں۔ بچپن سے چونکہ کانونٹ میں رہی
ہیں اسلئے انگریزی طرز معاشرت سے بخوبی واقف ہیں اور نہایت
رواں اور شستہ انگریزی بولتی ہیں۔ روشن خیال تعلیم یافتہ ہیں
زنانہ صحافت میں خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ اردو بھی خوب لکھتی ہیں
خیالات نہایت سلجھے ہوئے ہوتے ہیں اور تحریر میں بلا انتہا شگفتگی
ہوتی ہے مضامین بہت دلکش ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں
وسیع خیالات کو ادا کرنے میں خوب ملکہ ہے تہذیب نسواں لاہور کی
مشہور لکھنے والیوں میں آپ کا شمار ہے۔ جس مضمون کو شروع کرتی ہیں
اوس کا پیرایہ اس قدر دلکش ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اکتا نہیں زیادہ

وقت علمی شغلوں میں بسر ہوتا ہے۔

والدہ کے انتقال کے بعد گھر کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں، باوجود اسکے مرحومہ کے نامکمل تصانیف کو مکمل کرنے میں مصروف ہیں اپنے فرقہ کی جہالت اور پستی کا کافی احساس ہے۔ بالکل اپنی والدہ کے نقش قدم پر جادہ پیما ہیں۔ آج کل مدراس میں مستقل سکونت ہے۔ عنقریب ایک طویل سیاحت کا ارادہ رکھتی ہیں۔ تکمیل ارادہ کے بعد ایک دلچسپ سیاحت نامہ پبلک کے آگے پیش کرینگی۔ تذکرۂ جمیل سے آپ کو بیحد ہمدردی ہے اور ممکنہ سعی کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ ذیل میں آپکے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

نغمۂ موت۔ روحانی بات چیت

تجھکو کر دینگے خبر زیر لحد سونیکی سر پٹکتے ترے در پر مرے ارماں ہونگے

تمہارے آسمان حیات سے۔ زندگی کے چمکیلے سمائے کو، فرشتۂ موت کی بیرحم انگلیوں نے توڑ لیا!! اللہ! یہ ماہی گیر بھی کیسے ظالم ہیں کہ سمندر کے بیشمار پانیوں میں سے نوجوان مچھلیوں کو علیحدہ کر لیتے ہیں۔ لوگوں کو کیتکی کے پودوں پر سے بھونروں کو ہٹا دینے میں کیا لذت ملتی ہوگی۔؟ اور طوفانی سیاہ بادل، چمکیلے خوبصورت ہلال کو

اپنی آغوش ظلمت میں لے کر کون سا سرور حاصل کرتے ہونگے؟ تر و تازہ گلاب کو مرجھا کر خزاں کے ہٹیلے جھونکوں کو کیا لطف ملتا ہوگا؟ صبح سویرے جب میں اپنی کھڑکی کھولکر ہارسنگھار کے درخت کو دیکھتی ہوں اور کسی بلبل کو اس پر گاتا ہوا نہیں پاتی ـــ اور پھر دوپہر کے دراز ہونے والے تناور درختوں کے سایہ سے گذر کر جنگل میں جاتی ہوں ـــ اور وہاں بانس کے سربلند درختوں پر دوپہر کی ہواؤں کے ساتھ طوطوں کا بے فکر سرلیا شور نہیں سنتی ـــ اور سرشام گاؤں سے گذرنے والے فوجی افسر کی بگل کی آواز میں کوئی فرحت افزا سرور جب محسوس نہیں کرتی تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ اب تم اس دنیا میں نہیں رہیں!!! ـــ ہاں جیسا لوگوں نے مجھ سے کہا ہے وہ سچ ہے کہ تمہارا جہاز حیات موت کے سیاہ گرداب میں غرقاب ہوگیا! آہ!

میں جانتی ہوں کہ تم کو سمندر کے نیلگوں پانیوں اور سفید موجوں سے عشق شدید تھا! خوبصورت دھوپ اور نرم چاندنیوں سے تمہیں روحانی سرور حاصل ہوتا تھا! شاعر کے گیت اور فاختاؤں بلبلوں کی آشنائے درد و واقف کار حیات عشق کی صدائیں تمہیں بے خود بنا دیتی تھیں! غروب و طلوع کے نظائر تمہیں دیوانہ بنا دیتے تھے!! آہ! تم! مرے لئے بجائے اک ماں کی مقدس اور بزرگانہ ہستی کے بہن کی رفیق اور نو عمر بے تکلف ساتھی کی

کھلی سہیلی تھیں! اور ہر موضوع پر آزادانہ دلربایانہ انداز میں بحث و گفتگو کیا کرتی تھیں! میں جانتی ہوں کہ تم دنیا کی ماؤں میں "نرالی" ماں تھیں! کیوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ "ماں، معمر بزرگ، رعب دار، اور جھریاں پڑے ہوئے چہرے والی ہوتی ہے۔ مگر برعکس اسکے میں دیکھتی تھی کہ تمہارا چہرہ ان جھریوں سے بالکل پاک تھا! تم اک نوجوان، خوبصورت محبت شعار، نازک اندام "ہم عمر" سہیلی تھیں! تم کو، ماں، کون سمجھتا تھا؟ کیا کسی ماں میں ایسے اوصاف ہوتے ہیں؟

آہ ــــ کیا خلیج بنگالہ کی سفید چمکیلی ریتوں پر، تمہارے مقدس قدموں کے نشانات اب کبھی منقش نہیں ہوں گے؟ اور کیا اب تمہارے اس بیچارے خوبصورت چہیتے "پالک" کتے کی سفید مظلوم گردن بد تمہارا ہاتھ محبت کے انداز میں نہیں رکھا جائیگا۔ جسکو زندگی میں اسدرجہ پیار کرتی تھیں؟ اور کیا ان مصائب لامتناہی میں تم اپنے بیچارے شوہر سے اظہار ہمدردی نہیں کروگی جنہیں تمہاری رفاقت کے چھوٹنے نے زندگی سے بیزار کرا لیا ہے۔ ؎

دلبر کسی کا آہ۔ کسی سے جدا نہو
دشمن کو بھی نصیب یہ داغ اے خدا نہو

اب بھی جبکہ تم کثیف سے لطیف بنکر دوسری دنیا میں چلی گئیں تمہیں یاد کرونگا

کہ ایک دن ساحل خلیج پر کسی بات پر ہنس کر کہا تھا، کہ محبت کو دنیا کے
لٹریچر سے نکال پھینکو، تو اے مرے رفیق!! تم نے کس فاضلانہ متانت
اور شاعرانہ سنجیدگی سے مرے اس ناتجربہ کار تیز مزاجی کو شعریت میں ڈبو
دیا تھا! آہ کیسی اچھی ناصح تھیں تم!! وسیع دریچوں کے آگے برسنے
والی شاعرانہ خوبصورتی کی تم شیدا تھیں۔ اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ کسی
شاداب دریچہ میں تم نے اک نامکمل نظم کے چند بند لکھدیئے اور کہیں
چلی گئیں اور میں دریچے میں پہونچی اور تمہاری بلا اجازت تمہاری نظم کو
مکمل کرکے رکھدیا!!

تم مسکرائیں اور چپ ہو رہیں! آہ کیسی اچھی دادخواہ تھیں تم!!
میں کوئی نامکمل فسانہ لکھتی اور تم فوراً ہی اسکو مکمل کر دیتیں! کیسی اچھی
معاون و مدبر تھیں تم!! آہ! ہم دونوں کی ہم خیالیوں نے ہم دونوں کو
بالکل ایک، بنا دیا تھا!! اللہ! آخر حسن کو عشق سے جدا کرکے نیچر کو کیا ملگیا؟
آخر اب بھی تو تم نے، ادبیات، کو نامکمل چھوڑا ہے۔ کیا تم اجازت
دوگی کہ میں اب تمہارے نامکمل ناولوں کو مکمل کر دوں؟ تمہیں یاد ہوگا
کہ نامکمل، کو مکمل کردینا تمہاری زندگی میں ہم دونوں کا ایک کھیل تھا۔
زندگی کی دشوار گزار تاریک وادیوں، اور ناہموار گھاٹیوں میں
ہم دونوں اپنے ہمذاقی، رفاقت، ہم خیالی، کے روشن چراغ کے سائے میں

کس آزادی سے قدم اٹھائے چلے جا رہے تھے! آہ کیسی اچھی رہبر تھیں تم!
اللہ! آخر شگفتہ کنول کو، تالاب کے شفاف پانیوں سے جدا کر کے۔
کملائے ہوئے دیکھنے میں لوگوں کو کونسا سرور حاصل ہوتا ہوگا؟

آہ! کیا اب یہ خوبصورت مناظر، یہ لا متناہی نیلی سمندر کا مدوجزر
یہ آنکھوں کے چوندھیانے والے طلوع و غروب کے سرخ نظائر۔ شاعر کے
دلکش گیت۔ اُسے ماں کی پیاری روح! انہیں متحیر کر کے عالم ارواح سے
یہاں کھینچ لانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے؟ جہاں ——
اک سرخ گلاب کی پنکھڑیاں منتشر ہو گئی ہیں اور اک راگ الاپنے
والی بلبل موت کا نغمہ چیختے ہوئی قبرستانوں کی طرف اڑ گئی ہے۔
آہ! تو کیا یہ میری رہبر تھی! میں نے دیکھا کہ موسم گل کی قدر دان
شعریت سے مخمور چڑیا۔ اب یوم خزاں میں سرو کے اک سنسان درخت
پر بیٹھی معرفت آلٰہی کا راگ الاپنے والے مہجور پرند، فاختے کی رفاقت
کر رہی ہے اور اسکے سامنے سنگ مرمر کی ایک چھوٹی سی خوبصورت
دیوار کھڑی ہے جپر کندہ ہے۔ ”عباسی بیگم“

ذرا ادھر جانیوالے آہ رو دو آنسو بہاتا جا ۔ کہ یہ اسکی لحد ہے جو ابھی جینے کے قابل تھا!

مہدی بیگم

ہندوستان کے مشہور ادیب اور بہترین انشاء پرداز ایم مہدی حسن صاحب افادی الاقتصادی کی زوجہ محترمہ ہوتی ہیں۔ جنکی نسبت علامہ شبلی مرحوم نے، نذیر احمد و آزاد کی دو روحوں نے ایک قالب اختیار کیا ہے کہا تھا، اگرچہ آپ کا آبائی وطن جونپور ہے لیکن آپ کے پدر بزرگوار حلقہ انسپکٹر تھے اور بسلسلہ ملازمت گورکھپور آئے وہیں شادی کی اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا جائداد یں خریدیں آپ گورکھپور میں پیدا ہوئیں تعلیم گھر ہی پر استانیوں کے ذریعے ہوئی۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء میں آپکی شادی ہوئی اور پورے بارہ برس ایک مہینہ تک اپنے قابل رشک اور لائق انشاء پرداز شوہر کی رفیق حیات بنی رہیں افسوس کہ نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ کے شوہر نے آپکو ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دیا جس کے صدمہ سے آپ ہمیشہ علیل رہتی ہیں۔ آپ چار بھائی بہن تھے لیکن اب صرف

اکیلی آپ رہگئی ہیں۔ آپکی تعلیم میں جو کچھ خامی رہگئی تھی اوسے مرحوم کی فیض صحبت نے دور کردی آپکے جوہر قابلیت کا اندازہ "افادات مہدی" کے دیباچہ سے ہوتا ہے اردو ادب پر ایک یہ احسان عظیم ہے مرحوم کے جواہر پاروں کو کتابی صورت میں محفوظ کر دیا ہے آپکا مذاق نہایت سنجیدہ اور ستھرا ہے آج کل "رقعات مہدی" کی ترتیب میں مصروف ہیں اسوقت آپکے تین صاحبزادے ہیں جنمیں ایک ڈپٹی کلکٹر ہیں اور دو چھوٹے لڑکے زیر تعلیم ہیں۔ کبھی کبھی آپکے مضامین نظر افروز ہوتے ہیں۔

عورت اور اوسکی ادبی ترقی

رسالہ نقاد آگرہ جن بہنوں کے ہاں آتا تھا اونہیں یاد ہوگا کہ اپریل ۱۹۱۸ء کے نقاد میں ایک فرضی بی قمر زمانی صاحبہ جلوہ گر کی گئیں تھیں جنکی انتہائی قابلیت اور نازک خیالی پر تمام طبقہ ذکور الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ نقاد کے مضمون نگاروں کے طرز تحریر آناً فاناً بغیر امتیاز حسن کچھ کے کچھ ہوگئے اب تو علمی لٹریچر کی جگہ صرف عشقیہ مضامین خالص بی قمر زمانی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آنے لگے مئی ۱۹۱۸ء کا نقاد اچھا خاصہ دفتر عشق بنگیا سمجھا گیا تھا قمر زمانی کی رہی سہی کمی

"بی ناہید" (سے خدا سمجھے) انہوں نے پوری کر دی جس کا ارادہ بھی مری
غیرت نسائی گوارا نہیں کرتی مگر خدا کا ہزاروں شکر ہے کہ اوس نے طبقۂ
نسواں کی عزت رکھ لی یعنی بہت جلد راز سے پردہ اٹھ گیا۔ لیکن ادھر واقعی
کچھ نئی تعلیم یافتہ لڑکیوں کو مضامین اور غزلیں لکھنے کا شوق پیدا ہوا ہے
کاش کے یہ نظم اور نثر دونوں میں علمی رنگ اختیار کرتیں جس سے ثابت
ہوتا کہ ان کا مقصد اپنی قوم بلکہ طبقہ کو کچھ فائدہ پہونچانا ہے لیکن افسوس کہ
ایک غلط اور خطرناک راستہ پر آنکھیں بند کئے سرپٹ بھاگی جا رہی
ہیں کیا اس دور میں بجائے دو کے چار آنکھیں رکھنے کے بعد بھی نہیں اپنے
سامنے جھاڑی کے کانٹے نظر میں آتے لیکن پھر بھی ناتجربہ کار لڑکیاں
اپنے شباب کی امنگوں اور نئے نئے جذبات کو جو ایشیائی کیلئے چاردیواری
کے اندر صرف شوہروں کے ذات تک محدود رکھنے کی چیزیں تھیں انہیں
یہ رسالوں کے کاغذی اسٹیجوں پر آئے دن جلوہ گر کرتی رہتی ہیں جس سے
پبلک تماشائیوں کا مادۂ اشتیاق مشتعل ہوتا رہتا ہے اور طبقۂ مخالف کو
نہایت آزادی سے دل کھولکر اس پر رائے اور نکتہ چینی کرنے کا موقع
ملتا رہتا ہے۔ ابھی بہارستان کے جولائی اگسٹ کے رسالہ میں
خلیقی صاحب نے "تہمت شباب" کے عنوان سے جسطرح صاف الفاظ
میں سخت چوٹ کی تھی بجائے اسکی تردید کرنے کے کٹ مرنے کی جا ہر سے

اسکے بعد تو خدا جانے کتنے رسالوں اور اخباروں میں نہایت شرمناک طریقوں پر نئی تعلیم یافتہ لڑکیوں کا مذاق اڑایا گیا اور اب بھی اس قطع کے اکثر مضامین نگاہوں سے گزرتے رہتے ہیں۔

جو انسان اپنے عمدہ اخلاق کو اپنا سرمایہ سمجھتا ہے اور اپنی زندگی کو مکروہات سے محفوظ رکھکر پاکیزہ اصول پر لگاتا ہے اگر وہ عزت و شہرت کچھ حاصل نہ کرسکے تاہم وہ ناکام نہیں ہے حقیقت میں ناکام اور برباد وہی شخص ہوتا ہے جو کسی خواہش یا کام کے خبط میں اپنے اخلاق کو تباہ و برباد کرتا ہے۔

رابعہ خاتون پنہاں

تخلص پنہاں بنت مولوی عبدالاحد صاحب مرحوم

۱۹۰۶ء میں بمقام سہارنپور پیدا ہوئیں چونکہ آپ کے والد بسلسلہ ملازمت الہ آباد میں رہتے تھے اسلئے ۱۹۲۴ء تک وہیں رہیں والد کے انتقال پر اپنے وطن بریلی واپس ہوئیں اور اب زیادہ تر قیام یہیں رہتا ہے۔

سات سال کی عمر میں قرآن شریف ختم کرکے گھر ہی پر اردو کی تعلیم پائی اسکے بعد کچھ عرصہ تک تعلیمی سلسلہ منقطع رہا پھر ۱۲ سے ۱۴ سال تک اپنے والد سے فارسی اور انگریزی پڑھیں ۱۹۱۸ء میں مضمون نگاری کی ابتدا ہوئی اور ۱۹۲۳ء میں شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ ابتدا میں سید ماجد علی ماجد بی اے ایل ایل بی و سید طالب علی صاحب طالب سے کبھی کبھی مشورہ سخن رہا ہے ہندوستان کے قریب قریب ادبی تمام رسائل میں آپکی نظمیں اکثر و بیشتر نظر افروز ہوتی ہیں فارسی اور اردو شعر خوب

کہتی ہیں یہ نظم [illegible] عمر میں آپکی شادی صغیر حسن صاحب بی اے سے ہوئی ذیل میں کلام کا اقتباس ملاحظہ ہو

تیرا جلوہ

وحدت یکتا نازش تنہا قدس منزہ عرش معلیٰ جنت رعنا کوثر صہبا
برق تجلے تیرا جلوہ

سجدۂ لرزاں توبۂ عصیاں طاعت نازاں نزہت قرآں سبحۂ رقصاں بارش عرفاں
قدس جبیں کا تیرا جلوہ

پردۂ دوراں صفوِ گرداں حشر بہ ساماں قلہ بہ داماں شوخی پنہاں غمزۂ رقصاں
ندرت عشوہ تیرا جلوہ

منظر جلوت پردۂ خلوت مستی عشرت نشۂ لذت نازش عصمت تابش عفت
چشم تماشا تیرا جلوہ

ناز مصلے نازش سجدہ قدس مدینہ نزہت طیبہ شوکت بطحا حرمت مکہ
عظمت کعبہ تیرا جلوہ

گوالن کی لڑکی

شام کا سناٹا دھندلکا پودوں کی لچکدار گردنوں بل کھانے والی ڈالیوں

اور سبز نگوں پتیوں پر ایک خاموش سایہ پھیلا رہا تھا۔ مسکرانے والی سفید کلیوں کے شراب جیسے ہونٹوں میں شفق کی خمار رنگ لہریاں کچھ معصوم کھیل کھیل رہی تھیں۔ پھولوں کے آئینہ رنگ گالوں میں پھیکی اور تھکی ہوئی کرنوں کا آخری انعکاس ایک مخمور انگڑائی لے رہا تھا۔

سرو کی نرم اور شفاف پیشانی پر شبنم کی ہلکی اور نازک بوندوں سے ایک چمکیلی افشاں چنی ہوئی تھی درختوں کی سکوں گودوں میں دن کی مسکراہٹوں کا مینہ برسانے والی دیوی حسین نیندیں لے رہی تھی دریا کے کنارے ہوا کے ٹھنڈے اور نازک جھونکے سرو کی مستائی ہوئی پتیوں سے الجھ الجھ کر لہرا رہے تھے۔ صنوبر کی سبک ڈالیاں نشۂ خواب سے بہک بہک لڑکھڑا رہی تھیں اور لڑکھڑا لڑکھڑا کر سنبل رہی تھیں سفید اور آئینہ گوں موجیں نیند کی سکوں آغوش میں لہریاں لے رہی تھیں چاند کا شفاف اور صبیح چہرہ آئینہ آب میں کسی فردوسی حور کے روئے نگارین کا عکس دکھلا رہا تھا تاروں کی شوخ و شنگ جھلکیاں لہروں کی گود میں مستانہ وار آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں۔

افق کی سبز زمیوں میں شفق کی خوں رنگ بیلیں غیر معلوم حدود سے گزر کر لہرا رہی تھیں۔ بسیط نیلمیں پر شب کی سیاہی ایک نامعلوم انداز سے نیند کی مستیاں پھیلا رہی تھیں شبنم کے تقاطر کی آئینہ گونیوں میں سکوں د

اطمینان کی کیفیتیں برس رہی تھیں۔

دور پہاڑ کی برف کی تہوں سے ڈھکی ہوئی چوٹی پر چنار کی پتیاں ہوا کی سرد لرزشوں سے جھوم رہی تھیں لرز رہی تھیں وادی کی ٹھنڈی آغوش میں سکوت شب کی اولیں جھلکیاں کچھ سکون پیغام پہونچا رہی تھیں اور وہ اپنے بھیڑوں کے چتکبرے گلے کو لئے ہوئے معصوم اور نشیلے مفتخر اور مسرور سبک اور نازک ہلکے اور والہانہ قدموں سے آبادی کو جارہی تھی اسکے ملائم اور کالے بال ہوا کے جھکوروں سے مرمریں شانوں پر جھوم رہے تھے اسکی بلوری بڑی سیاہ پتلیاں نیند کی مستیوں سے مخمور ہوکر فضا میں غیر اختیاری طور پر جھک رہی تھیں۔ اسکے سفید چینی جیسے کانوں میں شفق کا کوثریں انعکاس ارغوانی جھلکیاں پھیلا رہا تھا اسکے نرم و پتلے ہونٹ مسکراہٹوں کی گود میں کھیل رہے تھے جن پر کیفیات قلبی سے ایک لرزش تھی چھپی ہوئی اور ایک ارتعاش تھا دھندلا سا۔ وہ گارہی تھی بے نیاز و بے پروا معصوم و عفیف اور اسکو خبر نہ تھی کہ رات کے مسکون تاریکیاں پھولوں کی مست خوشبو۔ کلیوں کا نازک تبسم چاندنی کا نفیس انعکاس اور موجوں کی سیم روانی تخلیق پارہی ہے۔ بڑھ رہی ہے بہک رہی ہے اور سنبل رہی ہے۔ اسکی دلکش راگنی سے اسکے روح افزا راگ سے اسکے ملکوتی نغموں سے اور اسکے پتلے ہونٹوں کے ارتعاش معصوم

۱۵۹

اور تحرک بے ربط سے

× × × × × × × × × × × × ×

جن میں جنت سے چھپی ہوئی اور کوثر سے سوئی ہوئی۔

× × × × × × × × × × × × × × ×

مشتاق فاطمہ

بنت شیخ عبدالعلی صاحب علوی قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ میں پیدا
ہوئیں آپ خاندان ہاشمی اور قریشی سے ہیں۔ بچپن سے لیکر طویل عمر تک
اپنے نانا منشی محبوب علیصاحب وکیل فیض آباد کے سایہ عاطفت میں رہیں
جس زمانہ میں آپ پیدا ہوئیں اور اسوقت آپ کے قصبہ میں تعلیم اور
خصوصاً تعلیم نسواں کو بالکل معیوب نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اکثر
لڑکیوں کو صرف قرآن شریف پڑھانا کافی سمجھا جاتا تھا چوں کہ آپکے
نانا صاحب عورتوں کے تعلیم کے خلاف نہ تھے اسلئے آپکی تعلیم کیلئے
معلمہ اور معلم کا انتظام کیا گیا لیکن یہ بھی ایسے تھے کہ خود محتاج تعلیم تھے
کچھ دنوں کے بعد انہیں جواب دیدینا پڑا چونکہ آپ کے نانا صاحب کو
آپکی تعلیم سے خاص شوق نہ تھا اسلئے دوسرا انتظام نہو سکا۔ لیکن
آپ نے خود اپنی کوشش سے اردو وغیرہ اسطرح سیکھی کہ جب گھر میں
کوئی عزیز بزرگ تشریف لائے تو اردو وغیرہ کا ایک آدھ سبق ان سے

لے لیتیں۔ سبق کے علاوہ جو کتاب مل جاتی اوسے پڑھا کرتیں۔ اس طرح
آپ کو اردو پڑھنا بخوبی آگیا۔ ابتداً آپ نے، مراۃ العروس، بنات النعش
پڑھی پھر لکھنے کی کوشش شروع کی کیوں کہ آپ کے نانا کے ایک بھائی
بہن بہتر خوشنویس تھے اون سے اصلاح لیتی رہیں اور یہ مشق جاری رکھی
آپنے کتب اور اخبارات کا مطالعہ کیا ہے۔ اوس زمانہ میں آزاد
پیسہ اخبار۔ اودھ پنچ۔ کرزن گزٹ۔ ہمدرد۔ "انجمن اخوان الصفا"
کاکوری میں آیا کرتے تھے چنانچہ آپکے والد آپ کے مطالعہ کے شوق
کو دیکھکر وہاں سے پرچہ طلب کر کے آپ سے پڑھوا کر سنا کرتے تھے
رفتہ رفتہ آپ کو خود بھی اس سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور فرصت کے
اوقات میں انہیں پڑھکر دل بہلانے لگیں۔ اور بہت ساری علمی کتابیں
آپ کے مطالعہ سے گزر چکی ہیں جن میں تاریخ کا حصہ زیادہ تھا قابل ذکر
کتابیں شاہان اودھ۔ شاہان مغلیہ، خلفاء عباسیہ کے تاریخی حالات سے
لبریز تھیں۔ نثر کے ساتھ ہی نظم سے بھی آپ کو خاص ذوق تھا۔
چنانچہ مشہور شعرا کا کلام بھی آپ کے مطالعہ سے گذر چکا ہے۔
باغبانی سے متعلق جسقدر کتابیں شایع ہوتیں وہ ضرور منگواتیں
اب بھی آپ اپنے مکان کو ہمیشہ پھولوں سے آراستہ رکھتی ہیں جو وقت
سلائی۔ دستکاری سے بچ رہتا ہے اوس کا حصہ درختوں اور

پھولوں کی دیکھ بھال میں صرف ہوتا ہے۔

طب سے بھی آپ کو لگاؤ ہے۔ طبی رسائل کی بھی آپ خریدار ہیں۔ جب کبھی وطن آتی ہیں اپنے مطالعہ سے غافل نہیں رہتیں طب کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں معروف رہتی ہیں آپ کے پاس اپنا ایک اچھا ذاتی کتب خانہ بھی ہے۔ شادی کے بعد آپ کو مضمون نگاری کا شوق ہوا۔ نومبر ۱۹۱۲ء کے تہذیب نسواں میں بعنوان "تحریرات" ایک مضمون شائع ہوا ہے۔

۱۹۲۶ء میں جب آپ بریلی میں تھیں تو آپ نے بیگم عبداللہ خان صاحب آرمی کنٹراکٹر کی تحریک سے مع اپنی دونوں ہمشیرزادیوں اخلاق فاطمہ تہذیب فاطمہ کے، انجمن تہذیب نسواں، کی بنیاد ڈالی۔ پھر چند ہفتے گذرے تھے کہ آپ کو کانپور آنا پڑا یہاں بھی آپ نے تہذیب نسواں، قائم کی جس کے جلسوں اور کاموں میں زیادہ تر آپ کا وقت بسر ہوتا ہے میل ملاقات کا دائرہ بھی وسیع ہو گیا ہے نہایت اچھی طرح اوقات گذر رہے ہیں۔

آپ کو اپنی جنس کی معاشرتی۔ علمی، اور قابل اصلاح حالات کا بہت احساس ہے چنانچہ آپ ہمیشہ اسی فکر میں مصروف رہتی ہیں خدا کے فضل سے آپ کو بڑی حد تک اسمیں کامیابی حاصل ہوئی ہے

انجمن کے ممبروں کو آپ قبیح رسومات کے انسداد میں توجہ دلاتی رہتی ہیں کہ بیجا رسومات کے سبب قوم تباہی سے محفوظ رہے۔ آپ پاس اسوقت نیرنگ خیال۔ ہمایون۔ نور جہاں وغیرہ کے پرچے آیا کرتے ہیں۔ اخبارات میں آپ ہمدم لکھنؤ کو زیادہ پسند کرتی ہیں۔ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہو چکی ہیں۔

خیرات

منجملہ اور اصلاحات کے جو ہماری قوم کی تہذیب کیلئے ضروری ہیں ایک اصلاح میرے خیال ناقص میں یہ ہے کہ موجودہ طریقۂ خیرات میں ترمیم کیجائے۔ کس کو نہیں معلوم کہ بجائے اوس فائدہ مند طریقے کے جسکی تعلیم دین و مذہب سے ہوتی ہے زمانۂ حال کا طریقۂ خیرات بالکل مختلف ہے زمانۂ حال میں خیرات کا یہ دستور ہے کہ بلا امتیاز مستحق و غیر مستحق فقیروں کو اور وہ بھی ایسے جو ہر طرح توانا تندرست ہیں بھیک دیدی جائے۔ ہر روز صبح سے شام تک صدہا گداگر کاسہ ہاتھ میں لئے ہوئے بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ باوجودیکہ چند ہی گھروں میں پھرنے سے اونکو اسقدر بھیک مل جاتی ہے کہ وہ اون کے بال بچوں

کیلئے بخوبی کافی ہو مگر اس پر بھی وہ کسی طرح قانع نہیں ہوتے بلکہ
تمام دن مانگ کر پیسہ اور کوڑیاں بہت سی جمع کرنا ضروری سمجھتے ہیں
اور پھر ان کو زمین میں بطور مخفی خزانہ کے دفن کر دیتے ہیں۔ پھٹے
پرانے کپڑے بھی اونکی ضرورت بھر کے اچھی طرح سے مل جاتے ہیں اگر
کوئی مرگیا تو گویا اونکی عید ہوگئی۔ تین روز تک مرنے والے کے مکان کا
دروازہ ہی گھیرے رہتے ہیں۔ یہی حال شادی بیاہوں میں ہوتا ہے
یہ خیال کے اچھے بھلے آدمیوں کا یہ پیشہ نہ ہونا چاہئے بہت صحیح ہے
کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایسے اشخاص کو لولے۔ لنگڑے۔ اپاہج۔ نابینا
نہیں ہیں جو آنکھوں۔ کانوں۔ ہاتھوں۔ پیروں سب ہی اعضا
درست ہیں بھیک مانگ کر زندگی بسر کرنے کی اجازت دی جائے
یوں تو ہر ایک قوم میں خیرات کھانے والے لوگ تھوڑے بہت
موجود ہیں مگر مسلمانوں میں بہت کثرت سے ایسے لوگ ہیں۔
جنہوں نے گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ مردم شماری کے رجسٹر
دیکھے جائیں تو مجھے یقین ہے کہ بھیک مانگنے والی قوموں میں فیصد
اسی مسلمان ہونگے اور باقی دیگر اقوام کے نہ معلوم یہ غضب الٰہی مسلمانو
پر کیوں نازل ہے۔ موجودہ طریقۂ خیرات سے گداگری کو ترقی
ہوتی ہے اور کیوں نہو جب لوگ دیکھتے ہیں ان فقیروں کو مفت

بغیر محنت و مشقت ملتا ہے۔ دس بارہ گھروں میں مانگا اور آرام سے
بیٹھ رہے تو اون کو بھی بھیک مانگنے کی جرأت ہوجاتی ہے اور قوت
بازو سے پیدا کرنے پر بھیک مانگ کر کھانے کو ترجیح دیتے ہیں اور جہاں
ایک بار بھیک مانگنے کی عادت پڑ گئی پھر اون کا کسی پیشہ کی طرف
رجوع ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ جب کسی
گداگری میں دو تین پشتیں گذر جاتی ہیں تو وہ پیشہ کرنا عار سمجھنے لگتے ہیں
اور کم بخت یہ نہیں خیال کرتے کہ اونہیں جائز پیشوں کے کرنے میں
جن سے اونکو احتراز ہے بڑے بڑے بزرگان دین اور پیغمبروں نے
عار نہیں کیا۔ خود جناب پیغمبر صاحب قبل نبوت حضرت خدیجہ کا مال
بطور تجارت شام کی طرف لیجایا کرتے تھے۔

کنیز محمد بیگم منشی فاضل

بنت محمد جمیل صاحب خاندان قریش سے ہیں ۱۹۰۷ء میں مضافات جالندھر میں پیدا ہوئیں۔ آپ کو عالم وجود میں آئے ہوئے پہلا ہفتہ تھا کہ آپکے والد نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ پرورش اور تعلیم کی ذمہ داریاں آپکی والدہ نے اپنے ذمہ لیں ۱۲ سال کی عمر میں مڈل نہایت اچھے نمبروں میں کامیاب کیا اور نارمل میں داخل ہوئیں جونیر اور سینیر کے بعد دیگرے فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئیں اور تین سال تک نارمل و مڈل کلاس کو تعلیم دیتی رہیں اور اس دوران میں ہندی اور بھاشا سیکھ لی اور چھ مہینے کی تیاری میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کی سند حاصل کی۔ آپکی والدہ محترمہ جو خود بھی تعلیم یافتہ اور ایک عالم باپ کی بیٹی ہیں۔ مذہبی تعلیم سے بھی غافل نہ رہیں چنانچہ خود ہی قرآن شریف با ترجمہ نو سال کی عمر میں پڑھایا اور ساتھ ساتھ فقہ

حدیث کی تعلیم بھی جاری رہی۔

ابتدا ہی سے طبیعت کو اردو سے لگاؤ اور مضامین نگاری کا شوق تھا پہلا مضمون "تعلیم جدید اور ہندوستان کی لڑکیاں" کے عنوان سے رسالہ عصمت ۱۹۲۵ء میں شایع ہوا شادی کے بعد کشمیر کی سیاحت کی اور مسلسل سیاحت کے حالات عصمت میں شایع ہوتے رہے اور یہ مضامین رسالہ کی جانب سے کتابی صورت میں طبع ہونے والے ہیں اگرچہ آپ حال ہی کے لکھنے والی ہیں لیکن ماشاء اللہ خوب لکھتی ہیں خیالات سلجھے ہوئے۔ تفہیم دلچسپ ہوتی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

فطرت پروانہ

فضائے شب جب اپنا دامن کرۂ ارض پر پھیلاتی ہے اور نسیم کے خوشگوار جھونکے عالم خاموشی میں اپنا کام شروع کر دیتے ہیں تو ہر ایک ذی روح پر غفلت سی طاری ہونے لگتی ہے اور اس غنودگی کا اثر چند لطیف لمحات میں تبدیل ہو کر کائنات عالم کو محو خواب کر دیتا ہے ایک پر سکون خاموشی فضائے عالم پر پر تو ڈال دیتی ہے حضرت انسان بھی دن بھر کی کوفت اور مشقتوں سے فراغت حاصل کر کے نیند کے گہوارے میں آجاتے ہیں اسوقت مریض ہجر۔ فلک زدہ۔ غم نصیب راحت اور

مسرت کی گود میں پرورش پانے والے سب ایک ہی گہوارے میں آ کر چند لمحوں کے لئے اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔

اس خاموشی شب میں عالم خواب کے پرندے پر تولتے رہتے ہیں۔ طاقت پرواز ساکت ہو جاتی ہے۔ نیند کا غلبہ پر ول پر مستی کے عرق کی ضو باری کر دیتا ہے۔ عالم خواب کا صیاد اپنا دام کاندھوں پر سنبھالے آنکھ کی خلوت میں پوشیدہ ہو جاتا ہے اور طلوع سحر کا انتظار کرتا ہے۔

جب رات کے پر سکون لمحات بھی غفلت کی شاہراہ پر گذرتے گزرتے تھک جاتے ہیں اور انکی بھی آنکھ لگ جاتی ہے یہاں تک کہ کسی کو خبر بھی نہیں رہتی کہ صبح کی روشنی کب اپنا چہرہ بے نقاب کریگی تو اس عالم خاموشی میں نظام عالم کے ذرہ ذرہ کی پر سکون خاموشی میں ایک وفا شعار ہستی ایک محبت کش مخلوق، ایک لمحہ کا مہمان اپنی ہستی کو فنا کر دینے کی کوشش میں بار بار رخ منور پر نثار ہونے کیلئے تڑپتا ہے اور جوں جوں اسے قربان ہونے کی مہلت ملتی جاتی ہے اس کا شوق بڑھتا جاتا اور وارفتگی ترقی کرتی جاتی ہے۔ زاہد شب زندہ دار کی متجسس نگاہیں اس حرماں نصیب فدائی کے چہرے پر پڑتی ہیں، اسکی حرکات کا ملاحظہ کرتی ہیں پھر معنی خیز خجالت کیساتھ جھک جاتی ہیں۔

جب بہار کے تازہ شگوفوں کی نکہت لطیف ہوا کے جھونکوں کے
ساتھ ہم آغوش ہوکر خواب آلود حسیات تک جا پہنچتی ہے، تو یکایک
دامن شب چاک ہو جاتا ہے اور مشرق کی تاریکی میں ایک دھندلا سا
بادل نظر آتا ہے۔ پرندے نغمہ سرائی میں مصروف مسرت ہو جاتے ہیں اور
ایک سے دوسری شاخ پر انکی پرواز کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جب
محفل انجم منتشر ہو جاتی ہے۔ نسیم سحری کے جھونکوں سے غنچے شگفتہ ہونے
لگتے ہیں اور عندلیب خوش نوا صبح کے آنے کا پیغام دیتی ہے تو شمع کی
آب و تاب میں نمایاں تغیر ہونے لگتا ہے۔ سپیدی رخ منور پر چھا
جاتی ہے اور وہ اپنے آخری لمحات زندگی کی ادائیگی میں مصروف
ہو جاتی ہے۔ اس جگر خراش سمے میں وہ وفا شعار اپنے تئیں گھولکر
اس میں مل جانے کی کوشش میں اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے مگر وفا کے
دامن پر دھبا گوارا نہیں کرتا یہاں تک ہ۔

صبح تک تونے نہ چھوڑی وہ بھی اے باد صبا ۔۔۔ رونق صد گونہ محفل تھی پروانے کی خاک

کا مصداق بنجاتا ہے۔

اسوقت ایک غمگسار دل اور ہمدرد نگاہیں۔ اس حرماں نصیب کی
حرکات مذبوحی کا ملاحظہ کرتی ہیں اور قطرات اشک آنکھوں سے
ڈھلک جاتے ہیں۔

اے دل کبھی تو نے بھی پرندوں سے سبق پرواز لیا۔ کبھی تو نے بھی کیڑوں سے جاں نثاری کا سبق حاصل کیا، کیا تو بھی کبھی کامیاب زندگی بسر کرے گا؟ دیکھ خواہش کا صیاد تیری تاک میں ہے۔ اور آزادی کی فضا تجھے جگا رہی ہے۔ کاش تو بھی امتحان میں کامیاب ہو فقط

سعادت اختر

بنت خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے تحصیلدار ذیل کی تحریر سے موصوفہ کا طرز انشا اور مختصر سی لائف معلوم ہو سکتی ہے جو ہمارے استفسار پر آپ نے لکھ بھیجی ہے جو بجنسہ درج ہے۔ فرماتی ہیں :-

سوانح عمری کی بھی خوب کہی مسلمات مومنات پر ایک زمانہ گزرا ہے جب انکی زندگی مردوں کے لئے بھی قابل رشک تھی وہ زمانہ گزر گیا اب جو کچھ حالات ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ان حالات میں آپ خود ہی انصاف فرمائیے کہ ایک پردہ نشین لڑکی کی سوانح حیات میں اسکے سوا اور کیا بات ہوگی کہ پیدا ہوئی جسکی خوشی کسی کو نہ ہوئی بڑی ہوئی تو والدین کو نکاح کی فکر لاحق ہوئی سسرال گئی اور وہاں جو کچھ پیش آیا اور جیسی کچھ گذری ایسے عام واقعات ہیں کہ اس پر کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔

مہذب اور متمدن دنیا کی عورتیں جیسی کچھ تعلیم یافتہ ہوتی ہیں اور جو کچھ
کام کرتی ہیں اور کر رہی ہیں اس کا کیا مذکور ہے وہ بات تو ہمارے
مردوں کو بھی حاصل نہیں۔ اور ہمارے تعلیم یافتہ جس قابلیت کے
ہیں اس سے اندازہ ہو سکتا اس وقت تک یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکے
کہ عورتوں کیلئے معیار تعلیم کیا ہے۔ کیا پڑھیں کیا نہ پڑھیں جو کچھ اس
اس موضوع پر ہندوستان کے روشن دماغ مردوں نے خامہ فرسائی
کی ہے اگر اسی پر کچھ وضاحت سے لکھا جائے تو اگرچہ دلچسپ ضرور
ہوگا۔ مگر آپ کے موضوع سے بعید ہے۔ لیکن نتیجہ واضح ہے کہ
ایک خاتون کی سوانح حیات ہندوستان کے گھروں کی چاردیواری
سے باہر کسی شخص کو معلوم نہیں ہو سکتی اور نہایت افسوس ہے کہ ہمارے
علمار فضلار کا یہ اجتہاد ہے کہ یہ مذہب کا فتویٰ ہے اور کس مذہب کا
دین الہدا۔ دین الحق۔ دین اسلام کا مجھ سے بڑھکر اسلامی پردہ کا حامی
نہ ہوگا بلاشبہ میں پسند نہیں کرتی کہ یورپ کی لیڈیوں کی طرح نامحرم
سے بے حجابانہ بے تکلف گفتگو کرے اور ناچ رنگ کی محفلوں میں شمع بزم
ہو یہ تو نہایت ہی قبیح امر ہے لیکن یہ کہاں کا اسلامی پردہ کہ عورتونکو
گھروں میں زندہ درگور کر دیا جائے اور "بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ" کی
جوابدہی کا خیال تک نہو۔

میں اس امر کی حمایت بھی نامناسب سمجھتی ہوں کہ عورتوں کو مردوں کیطرح فوراً بالکل آزاد کر دیا جائے۔ صدیوں کی قید سے وہ کچھ ایسی مانوس ہو گئی ہیں کہ ایک تحت انقلاب پیدا کر دینا ایک اصلاح کی جگہ ہزارہا خرابیوں کا موجب ہو گا۔ اصلاح رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ ہونی چاہئے اور یہی مفید ہے لیکن افسوس ہے جو کام مردوں کے کرنے کا ہے اسکی طرف ابھی تک ایک اصلاحی قدم بھی نہیں اوٹھا۔ اور ہنوز روز اول ہے اور اگر یہی لیل و نہار ہے تو قیامت تک اصلاح ناممکن ہے آپ ضرور کہیں گے کہ "سوال از آسماں اور جواب از ریسماں" لیکن میں مشورہ دوں گی کہ آپ تذکرہ خواتین شوق سے لکھئے اسکے مفید ہونے میں شک نہیں۔ لیکن خدارا پہلے ایسی خواتین تو پیدا کریں جو صدر اسلام کی خواتین کی طرح ہوں جنکے سوانح حیات سبق آموز ہوں یا جنکا تذکرہ صفحہ قرطاس کی زینت ہو مجھے ڈر ہے اگر یہ لفظ "زینت" کسی کٹ ... کی نظر سے گذرا تو کہیں آپ بھی کفر کی زد میں نہ آجائیں کہ عورتوں کے لئے ارشاد آلٰہی ہے کہ اپنی زینت کو نامحرم سے پوشیدہ رکھیں کاش میں ایسی ہوتی کہ تذکرہ خواتین میں جو آپ مرتب فرمارہے ہیں میرا نام بھی ہوتا میں کسی کام کی ہوتی اور کچھ کام کیا ہوتا اب لکھوں تو کیا لکھوں موجودہ حالات میں بہت مناسب تھا کہ آپ دریافت

فرمانے کہ مسلمان خواتین کے عام حالات جسکی تصدیق واقعات سے ہو
کیا ہیں۔ میں اپنے مشاہدات لکھتی کیونکہ ابھی تک خدا کے فضل سے
مجھے ذاتی تجربہ اس تلخ زندگی کا نہیں ہوا جو عام مسلمان خواتین کے
حصہ میں آئی ہے۔ مردوں کو کیا معلوم کہ عورتوں پر کیا گذرتی ہے
ان کو یہ علم نہیں کہ آیا خدا نے فرقہ اناث کو دل و دماغ بھی دیا ہے
وہ اتنا ہی جانتے ہیں کہ خانہ داری کی تمام ذلیل خدمات ان سے حاصل
کیجائیں اور دنیوی تمتع کا معاوضہ بھی نہ دینا پڑے۔ نکاح بھی کچھ
علت غائی ہے وہ رحمت اور پیار جو میاں بیوی میں ہونا چاہئے نہیں دیکھی
اللہ تعالے کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مجھے والدین ایسے نصیب ہوتے
کہ کسیکو کم ملینگے اور آپ میری تحریر سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ میری تعلیم
و تربیت کس طرح ہوئی ہوگی اگرچہ میرے قبلہ تعلیم نسواں کے بہت
بڑے حامی ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ میری والدہ صاحبہ ہر ایک تعریف
کی مستحق ہیں جنہوں نے تعلیم و تربیت کا حق ادا کر دیا مجھے کچھ انگریزی میں
شدبد ہے میرے بھائی کرامت صاحب تمربی اے کی تیاری کر رہے
ہیں اونہیں فرصت نہیں حضرت والدہ صاحبہ سبق دیدیا کرتے ہیں
اگر میری والدہ صاحبہ تعلیم یافتہ نہ ہوتیں تو شاید میں اس قابل نہوتی کہ
گرامی نامہ کا جواب لکھنے بیٹھتی اسلئے آپ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ جبتک عورتیں

تعلیم یافتہ نہ ہونگی لڑکیاں مناسب تعلیم و تربیت سے محروم ہی رہینگی صرف
یہی نہیں بلکہ لڑکے بھی اگر لکھے پڑھے ہونگے تو کچھ ایسے نہوں گے کہ فخر خاندان
ہوا گر مائیں تعلیم یافتہ ہوں تو ان کے گھروں میں نور علم ضرور ہوگا
اور کوئی شخص جاہل نہیں رہسکتا میری والدہ شیخ عزیز الدین صاحب مرحوم
کی دختر ہیں نسب قریشی ہے۔ بزرگ عرب سے نکلے اور آخر کشمیر میں
رہایش اختیار کی کشمیر جنت نظیر مشہور ہے۔ ہمارے جدامجد حضرت آدم
نے تو گناہ کیا کہ جنت سے نکلے لیکن میرے بزرگوں کو اسلئے کشمیر سے
جدا ہونا پڑا کہ وہ مذہب کے بہت دلدادہ تھے۔

حضرت والد صاحب امرتسری ذات کے برہمن اور کشمیری اصل میں
ان کے بزرگ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں لاہور آئے اور پشمینہ
کی تجارت کرتے تھے۔ لاہور میں انکی رہایش اس جگہ تھی جو اب کشمیری
بازار کے نام سے مشہور ہے امرتسر سکھوں کا مقدس شہر گرو کی نگری
مشہور ہے۔ اسی جگہ رہایش اختیار کی۔ خواجہ جمال الدین صاحب
ایک صاحب اقبال شخص تھے اللہ تعالے نے انہیں سب کچھ دے رکھا تھا
ان کے بڑے صاحبزادے خواجہ عبد الغنی یہ میرے والد کے دادا تھے
ان کے چھوٹے بھائی میاں اسد اللہ وکیل جنکے نام ایک کوچہ
کوچہ جمیل سنگھ امرتسر میں ہے خداداد ذہن اور قابلیت کے بزرگ تھے

آپکے لڑکے میاں حفیظ اللہ بی اے ایل ایل بی پلیڈر جنرل سکرٹری انجمن حمایت الاسلام امرتسر اور میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ ہیں ڈاکٹر سیف الدین کچلو (کچلو برہمن کی ایک گوت ہے) میاں حفیظ اللہ کے داماد ہیں۔ میاں اسداللہ مرحوم کے اور چھوٹے بھائی میاں حبیب اللہ مختار اور میاں غلام نبی تاجر اور میاں غلام حسن پنشنر منصف بفضلہ خدا زندہ ہیں میاں حبیب اللہ کے فرزند میاں عزیز اللہ راولپنڈی میں ایک کامیاب وکیل ہیں جنکی اہلیہ ڈاکٹر سیف الدین کی ہمشیرہ ہیں میاں غلام نبی صاحب وہ بزرگ ہیں جنکا مقابلہ پنجاب میں پہلی مرتبہ مسیحی مشنریوں سے ہوا صاحب تصانیف ہیں انکے فرزند میاں عبدالمجید انسپکٹر پولیس میاں غلام حسن کی اولاد میں سے خواجہ محمد حسن اور سید حسن علاوہ گراجویٹ ہونے کے ولایت کے تعلیم یافتہ اور بیرسٹر بھی ہیں۔ آجکل افریقہ میں تبلیغ اسلام کا کام بھی خاموشی سے کر رہے ہیں خواجہ محمد حسن قرآن مجید کا ترجمہ وہاں کی افریقی زبان میں کر رہے ہیں

میرے دادا خواجہ غلام رسول اچھے شاعر تھے اور غلام تخلص کرتے تھے میرے والد کو اگرچہ فرائض منصبی سے فرصت کم ملتی ہے لیکن اہل قلم اور کچھ نہ کچھ قلمی خدمت کرتے ہی رہتے ہیں انکی تصانیف میں بغداد اور دمشق ام القریٰ اور مشاہیر اسلام اور صدیق اکبر

بہت مشہور ہیں دیوان حافظ کا ترجمہ اور شرح اردو میں لکھی ہے جو نہایت مقبول ہوئی۔

مجھ سے بڑی ایک اور بہن محمودہ اختر ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ہر حیثیت سے بڑی ہے۔ ہمشیرہ کے مضامین تہذیب نسواں میں شائع ہوتے ہیں مجھ سے دو سال بڑی اور اس سے زیادہ علم و فضل میں بڑی ہیں۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ننھیال اور ددیال کی طرف سے ہمیں علم وراثت میں ملا

اُمتہ الوہاب بیگم
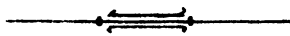
بنت مولوی محمد خلیل اللہ صاحب وظیفہ یاب مددگار مال گزاری حیدرآباد دکن ۱۹۱۰ء حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی عربی اور فارسی تعلیم اپنے والد سے پائیں پھر فارسی میں اپنے شوق سے مطالعہ کے ذریعہ خاصی لیاقت بہم پہونچائی محض ذاتی ذوق سے انگریزی اپنے بھانجے سے پڑھکر تقریباً مڈل کلاس کا کورس ختم کرلیا اور وسیع مطالعہ کے باعث ادبی قابلیت میں اضافہ کیا ایک وسیع اور ترقی کناں خاندان کا فرد ہونے کے باعث اسکی علمی اور معاشی سرگرمیوں میں بھی عملی حصہ لیا ایک "قرضہ حسنہ" کی انجمن امداد باہمی میں کئی سال تک رکنیت کے فرائض انجام دیئے اور بہت دنوں تک خازن رہیں۔

کروشیا میں اچھی مہارت ہے اور نمایش باغ عامہ حیدرآباد میں

نمایاں کرائے ہوئے ایک تولیہ کو جلالت مآب سلطان العلوم نے
پسند فرمایا اور داخل توشک خانۂ مبارک فرما کر کاریگر کی عزت
افزایانہ داد دی۔ کروشیا کاری میں اردو حروف (بہ خط کوفی) اور
تاریخی عمارت دکن بننے کی ابتدا آپ ہی نے کی جو بعد میں بہت عام
ہوگئے۔ ان دو حروف کے بننے پر نمائش بزم ادب سے ۱۳۴۲ھ
میں ایک نقرئی تمغہ عطا ہوا۔

جیسا کہ ہندوستان میں اکثر بلکہ عموماً ہوتا ہے ادبی اور علمی
مصروفیت صنف نازک میں عمر کے ساتھ کم کرنی پڑتی ہے قلمی جولانی
عرصہ ہوا کہ چھوٹ گئی تاہم اکثر اردو رسالے بالالتزام مطالعہ سے گزرتے ہیں
اور ہر مل سکنے والی کتاب ضرور ختم کیجاتی ہے!

حساب دانی عورتوں میں ایک نادر وصف ہے لیکن یہ حساب
کتاب کی صفائی کے باعث متعدد انجمنوں کی اور نیز خاندان کے متعدد
حلقوں کی خازن ہیں "انجمن جبیبہ امداد باہمی" کے کاغذات دیکھنے
سے معلوم ہوا کہ اس کے حسابات کی منقح بھی رہ چکی ہیں اور لطف
یہ ہے کہ جن الفاظ میں آنے رپورٹ بھیجی ہے بعد کے تین چار منقح
صاحبان برابر اسی کو نقل کرتے آئے ہیں۔

علاوہ ازاں اپنی خوش طبعی اور غریب پروری سے ماماؤں

اور مالنوں وغیرہ کی قسم بھی امانت رکھنے سے انکار نہیں۔

تحریری عمل میں اردو میں مستعمل ہونے والے کئی ہزار ضرب المثلوں کو جمع کیا تھا شاید ابیات کی کوشش تھی کہ مختلف مثلوں کے تلمیحات یا واقعات متعلقہ بھی فراہم کریں مگر حال میں یہ دس سالہ محنت ایک اتفاقی حادثہ کی بدولت تلف ہوگئی اور ایک انچ پرزہ کاغذ بھی اس ضخیم تالیف کا نہیں ملا۔

اسکے سوا بچپن سے ابتک جو جو کتاب دیکھتی رہیں اس کا ایک رجسٹر میں نام، مصنف، صفحات، قیمت، مقام طبع اور مختصر خلاصہ درج کرتی رہیں "اردو گشتی کتب خانہ" حیدرآباد دکن کی پہلی فہرست تیار کرنے میں اس سے بھی مدد لی گئی تھی۔

فطرۃً سخن سنجی کے بجائے سخن فہمی اور عمل کے بجائے تنقید کے صفات عطا ہوئے ہیں شاید یہی وجہ تھی کہ اشعار کے تین انتخابات کئے ہیں۔ ان انتخابات میں سے سب سے پہلا بچپن کا ہے جب "بیت بازی" کے شوق میں ہر ردیف کے ہر حرف سے شروع ہونے والے اشعار جمع کئے اور یہ دیوان نما مجموعہ تقریباً مکمل ہے لیکن صرف (۲۸) حروف کے متعلق ہیں فارسی اور ہندی الفاظ (یعنے. پ. چ ژ. گ. ٹ. ڈ. ڑ) اس میں شامل نہیں ہیں

دوسرا انتخاب اچھے اشعار کا ہے۔ جس میں کچھ حصہ پر درد اشعار
کا بھی ہے، تیسرے کا نام کلام الملوک، سمجھنا چاہئے کیوں کہ اس میں
صرف بادشاہوں کا کلام جمع کیا گیا ہے مگر یہ دو تین فرمان روایان
سلطنت آصفیہ کے قابل حصول کلام کا انتخاب ہے تاہم آصف سابع
ادام السلطنتہ کا پورا شایع شدہ کلام مع حوالہ منقول منہ موجود ہے
جسکی اشاعت گو ممکن نہیں تاہم آئندہ نسلوں میں یہ مجموعہ کوئی عجب
نہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

ادبی تحریرات بہت کم ہیں اور وہ اب قابل حصول نہیں رہے

بیگم ڈاکٹر عبدالغفور

مدیرہ رسالہ حرم

بنت مولوی محمد یعقوب صاحب ہیڈ ماسٹر پیلی بھیت میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی پھر منشی فاضل کے درجہ تک آپکی تعلیم ہوئی۔ اور انگریزی میں اچھی قابلیت رکھتی ہیں۔

سنہ ۱۹۱۶ء میں آگرہ ڈیفنس میڈیکل اسکول میں داخل ہوئیں اور سنہ ۱۹۲۰ء میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی چند ماہ تک ڈفرن ہاسپٹل لکھنؤ میں بحیثیت ہاؤس سرجن کے کام کیا لیکن خرابی صحت کے وجہ سے مجبوراً خدمت سے مستعفی ہوئیں۔

۱۲ رجون سنہ ۱۹۲۱ء کو ۳۲ برس کی عمر میں ڈاکٹر محمد عبدالغفور صاحب بسمل بریلوی سے جو کہ ایک فاضل ڈاکٹر اور مشہور ادیب ہیں اور آج کل پیلی بھیت میں پرائیوٹ پراکٹس کر رہے ہیں نکاح ہوا۔ آپکے نکاح

کی خاص خصوصیت یہ تھی کہ آج کل کے فضول رسومات کو بالکل ترک
کیا گیا تھا جو خواہ مخواہ مسلم قوم کی کمزوری اور اسراف کا سبب ہو رہے ہیں
بجز رسم نکاح کے اور کوئی رسم ادا نہیں کیگئی۔

آپ نومبر ۱۹۲۶ء میں صوبہ متحدہ آگرہ اودھ کی اسسٹنٹ میڈیکل
کونسل کی انتظامیہ کمیٹی کی ممبر منتخب کیگئیں۔ آپ صوبہ متحدہ کی تمام ہندوستانی
سند یافتہ لیڈی ڈاکٹروں کی نمایندہ ہیں۔ اس صوبہ میں ایک عورت
کے لئے یہ پہلا اعزاز ہے جو گورنمنٹ کی جانب سے عطا کیا گیا ہے اپنے
فرقہ کی ہمدردی سے متاثر ہو کر آپ نے اپریل ۱۹۲۶ء میں تہلی بہت سے
رسالہ "حرم" جاری کیا اس کا مقصد اجرا یہ ہے کہ اس رسالہ کی آمدنی سے
غریب و بیمار عورتوں کے مفت علاج کا انتظام کیا جائے جنہیں بہ دقت
دوا، مشورہ۔ بہم پہونچتا ہے اس پرچہ میں حفظان صحت۔ زچہ و بچہ
کے امراض و پرورش۔ سوشل اصلاحات۔ حقوق نسواں کی حمایت میں
روزدار مضامین شایع کئے جاتے ہیں۔ مشاہیر ملک نے اس رسالہ پر
نہایت خلوص و جوش کے ساتھ تبصرے تحریر فرمائے ہیں یہ رسالہ
مدیرۂ حرم اور انکے شوہر گرامی قدر کی مشترکہ کوششوں کا مرہون منت ہے

آپ نماز و روزہ اور تلاوت قرآن کی سختی کے ساتھ پابندی
کرتی ہیں اور اکثر تعلیم یافتہ خواتین کے حلقوں میں آپ کا نام بطور مثال کے

پیش کیا جاتا ہے۔

آمیزش غذا کا اثر صحت پر

سائنٹفک ترقیوں کے باوجود ہندوستانیوں کی تندرستیاں عام طور پر خراب ہوتی جا رہی ہیں صحت کے لحاظ سے امیر غریب سب کی یکساں حالت ہے۔ نزلہ۔ زکام۔ قبض۔ اسہال۔ پیچش۔ آنتوں کی خرابی۔ دق۔ سل۔ گٹھیا۔ نقص الدم۔ خرابی جگر۔ ضعف دل و دماغ اور سرطان وغیرہ میں نوے فیصدی ہندوستانی مرد و عورت مبتلا پائے جاتے ہیں عورتوں میں وضع حمل کی پیچیدگیاں روزانہ بڑھتی جاتی ہیں ماہرین کا خیال ہے کہ نشو و نما کا انحصار غذا کی نوعیت پر ہے سو برس پیشتر ہندوستانی عورتوں کو وضع حمل میں اسقدر تکالیف برداشت کرنی نہیں پڑتی تھیں۔ جس قدر کہ موجودہ زمانہ میں طبی امداد کی بہترین ترقی کے باوجود برداشت کرنی پڑتی ہیں موجودہ زمانہ میں زیادہ تر ہندوستانیوں میں قبل از وقت پیرانہ سالی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اور بہت کم عمر طبعی کو پہونچتے ہیں۔ شباب و کہولت کا زیادہ تر تعلق انسان کے غدودوں کے افعال سے ہے غدودوں کے لئے وٹیمن کی ضرورت ہوتی ہے اور اس جزو کی اچھی مقدار

پیداوار کا تعلق غذائی نوعیت سے ہے۔ اگر غذا خالص اور مفید ہو گی تو غدود بھی اپنا فعل پوری طرح انجام دے سکیں گے۔ ورنہ غدودوں کی کمزوری سے جلد بڑھاپے کے آثار پیدا ہونے لگیں گے۔
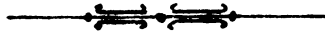
آپ کے والد کا ہمیشہ یہی مطمح نظر تھا کہ آپ اور آپکی دوسری بہنوں کی تعلیم ایسی ہو کہ جسکی ایک خاتون کو ضرورت ہے۔ کبھی سرکاری مدرسہ کے نصاب یا امتحان میں شریک ہونے کا خیال تک بھی نہ کیا یہی وہ وجہ ہے کہ جس قدر بھی آپکی تعلیم ہوئی وہ مکمل اور ضرورت کے لائق تھی۔

آپ کے دادا نے جو فارسی کے ادیب اور اردو کے بہترین شاعر تھے فارسی اور اردو ادب کی تعلیم اپنے ذمہ لی اور آپکے پھوپا مولوی محمد راضی صاحب نے آپکے علمی رجحان کو شعر و سخن کی طرف پھیر دیا جنکے فیض صحبت سے بہت تھوڑے عرصہ میں آپ شعر کہنے لگیں۔ چودہ سال کے سن میں آپ منظوم خطوط لکھنے لگیں جو بہن اکرم خاتون مرحومہ اور بہن ز ر ب آبادہ۔ اور م۔ ب۔ لکھنؤ کے نام ہوا کرتے تھے۔ پھر مشق بڑھنے پر حمد و نعت لکھنے لگیں۔ آپ کے تعلیمی شوق کا جملہ سامان آپ ہی کے گھر میں موجود تھا۔ زمانہ کی روش اور انگریزی زبان کی ہمہ گیری نے آپ کے والد کو انگریزی کیلئے ایک استانی مقرر کرنے کی ضرورت محسوس کرائی چنانچہ ڈہائی سال تک آپکی انگریزی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ ڈرائنگ کا انتظام کیا گیا اور اسکے ساتھ واٹر کلر آئل کلر پینٹنگ بھی سیکھا اور تھوڑے عرصہ میں اچھی خاصی مشق بہم پہونچائی آپکے تیار کردہ نمونوں پر اکثر انعامات بھی ملے ہیں اور سب انعامات آپکے

اعزا ہی نے دیئے ہیں سنہ ۱۹۲۰ء میں ایک انعامی مقابلہ میں آپ شریک ہوئیں۔ یہ مقابلہ اختر حسین صاحب فاروقی آرٹسٹ جامعہ ملیہ دہلی کی جانب سے منعقد ہوا تھا جسمیں آپ نے اپنی ڈرائنگ واٹر کلرنگ کا نمونہ پیش کیا جو مقابلہ میں منتخب ہوا۔ اور مڈل ملا۔ یہ نمونہ ایک شاخسار گلبار کی تصویر تھی جس پر بلبلیں موسم بہار پر نغمہ زا تھیں گویا منظر بہار کا نقشہ تھا آپ خوشنویسی میں بھی کمال رکھتی ہیں اس میں اپنے چچا اور محمد ایوب صاحب سے تلمذ ہے حتیٰ کہ کتابت بھی خاصی کر لیتی ہیں ہمارے موجودہ تذکرہ میں سب سے بہتر خط ہم نے آپ ہی کا پایا سب سے پہلے آپ نے، صفائی پر مضمون لکھا اور اپنے والد کو بغرض اصلاح دکھلایا جسکو دیکھکر آپکی بڑی ہمت افزائیاں کی گئیں۔ اور ایک مختصر سا لکچر آپ کے والد نے دیا اور مضامین نگاری کے خاص خاص اصول بتائے آپ کا پہلا مضمون تہذیب نسواں میں شائع ہوا ہے۔ موصوفہ نہایت نیک خصائل اور مکارم اخلاق سے آراستہ ہیں۔ سنہ ۲۲ء میں آپکے دادا نے انتقال کیا جسکے باعث تعلیمی مشاغل میں کاستگی پیدا ہونے لگی۔ اسی غم کے آنسو ابھی خشک ہونے پائے تھے کہ آپ کے دادی نے بھی انتقال کیا۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں آپ کی شادی آپکے پھوپی زاد بھائی محمد رفیع اللہ صاحب زبیری سے ہوئی۔ اگست سنہ ۲۶ء میں ایک بچہ صرف آٹھ روز کی زندگی

مستعار کے بعد داغ مفارقت دے گیا۔ اور اس سال آپ سخت علیل ہوئیں یہ زمانہ کچھ ایسے تفکرات میں گزرا کہ علمی مشاغل کا خیال تک نہ ہوا۔ ۴۲ء میں ایک اور لڑکی ہوئی لیکن وہ معصومہ بھی رخصت ہو گئی۔ جسکا نام رفعیہ خاتون تھا۔ اب خدائے قدوس نے ۱۳ر ستمبر ۴۳ء کو ایک نونہال عطا فرمایا جسکا تاریخی نام محمد نظیر الدین اور حقیقی نام محمد رفیع الزماں اور فیروز اختر خطاب ہے دعا ہے کہ خدا عمر عطا فرمائے۔

آپ اپنی صنف کے فلاح و بہبودی اور قوم کے بچوں کے بہتری میں ہمہ تن مصروف رہتی ہیں۔ بھوپال کی پریس کلب کے اکثر جلسوں میں آپ نے عملی حصہ لیا ہے۔ ۲۵ء میں ملکہ بلجیم کے تشریف آوری کے موقعہ پر اور اکثر بیگم صاحبہ بھوپال کی سالگرہ وغیرہ پر قطعات تہنیت وغیرہ پیش کئے ہیں ۲۷ء میں فرمانروائے بھوپال کی سالگرہ صدی پر قطعہ تہنیت پیش کیا تھا جسکو ہر ہائینس بیگم صاحبہ اور حضار جلسہ نے بہت پسند فرمایا اور رسالہ ظل السلطان میں شایع ہوا فروری ۲۸ء میں آل انڈیا ویمن کانفرنس منعقدہ دہلی میں شریک ہوئیں اور رسالہ نو جہاں امرت سر میں مفید اور پر از معلومات مضامین لکھے ہیں آپ معارف الایمان کی مصنفہ ہیں اور ایک معاشرتی ناول زیر تصنیف ہے آپ کا کوئی رنگ مخصوص نہیں ہے۔ حمد و نعت۔ مناظر قدرت۔ اخلاقی قصص۔ معاشرتی

اصول پر شاعری میں نثر میں بھی اظہار کرنے کی قدرت رکھتی ہیں رسالہ
دیہاتی جھنگ کی اعزازی اڈیٹر بھی ہیں آپ ایک مایۂ ناز خاتون ہیں
جنکی تقلید سے آنے والی بہنیں بہت کچھ سبق آموز ہو سکتی ہیں دنیائے
صحافت میں م۔ ب ممتاز مارہروے سے شہرت حاصل ہے ہندوستانکے
اکثر و بیشتر رسائل میں آپکے مضامین شایع ہوتے ہیں۔

شفق

کس قدر آسمان پہ ہے شفق پھولا ہوا
یا بہار آگیں کسی گلشن کا پر تو ہے پڑا

یا یہ ہے مجموعہ اشک سرخ کی قطرات کا
انقلاب دہر سے ہے اسکا دل خوں ہو گیا

یا شہیدونکے لہو کا رنگ اس پر پڑ گیا
یا یہ خون بے گناہاں کی ملی اسکو سزا

یا افق پر اک ضیائے سرخ ہے جلوہ نما
یا یہ میرے سوزش دل کا ہے آئینہ بنا

خندہ زن ہے جسطرح بر وقت آغاز سحر
سوگوار انجام پر ایسا ہی آتا ہے نظر

اسمیں اک دریائے خوں موجزن ہے کسقدر
دیکھنے والا ہو تو دل اس کا دیکھے چیر کر

اے شفق! اسکے دل خوں گشتہ کا ہے نوحہ گر

مسلمان اور رسوم پرستی

مسلمانوں میں چند قبیح رسوم کا انکی معاشرت، مذہب، اور تمدن میں

دخل ہے انکی اصلاح اور انکے انسداد کی جو سر توڑ کوششیں ابتک مسلمانوں نے کی اور کر رہے ہیں وہ یقیناً قابل تعریف اور لائق استحسان ضرور ہیں لیکن ان کا نتیجہ کامیابی نہیں کہا جا سکتا۔

بچہ کی ولادت سے لے کر موت تک جسقدر رسمیں مسلمانوں میں بالعموم عمل میں لائی جاتی ہیں۔ اگر انکو ایک جگہ مجتمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو گی اور لطف یہ ہے کہ جسقدر رسمیں رائج ہیں وہ سب کی سب قبیح ہیں زیادہ تر اسراف پر مبنی ہیں۔ جن رسوم کو مذہبی رنگ میں رنگا گیا ہے انمیں سے بعض شرک کی حد تک پہنچتی ہیں۔ بعض بدعت سیئہ میں داخل ہیں، لیکن مسلمان پھر بھی آنکھیں نہیں کھولتے اور بیدار نہیں ہوتے۔

مسلمانوں کی سر پرستی نے ان رسوم کو اور مضبوط و مستحکم کر دیا ہے عورتوں کی جہالت اور قدامت پرستی نے ان رسوم کو ایسا مقدس جامہ پہنایا ہے کہ کوئی مسلمان مرد یا عورت اسکو اتارنا گناہ سمجھتی ہے۔

ہمارے افلاس کا باعث فی الحقیقت یہ رسوم پرستی ہے۔ بچہ کی ولادت، شادی، بیاہ، منگنی۔ نشرہ، اور میت کے موقعوں پر ان ہی رسوم کی پابندی وادائی کی بنا پر اس قدر فضولیات میں خرچ ہوتا ہے کہ جسکی حد نہیں ایک مصیبت یہ اور ہے اور جو فرقہ رسوم پرست یا قدامت پسند ہے وہ زیادہ تر جاہل تعلیم یافتہ یا پست خیال ہے اور یہ ہی طبقہ زیادہ مفلس اور کمایہ ہے

جب یہ طبقہ ایسے اسراف اور فضول خرچیوں میں مبتلا ہوگا تو پھر نتیجہ معلوم،
میں مسلمانوں سے اور ان مسلمانوں سے جنکو اقتدار حاصل ہے
جو اپنے قصبہ یا گاؤں میں اور اپنے خاندان میں زیادہ معزز اور زیادہ
صاحب ثروت ہیں ان سے اپیل کرونگی کہ وہ مسلمانوں کی اس قابل
اصلاح حالت کیطرف توجہ کریں اور جلد سے جلد اس اصلاح میں سرگرم حصہ لیں
اگر ان کے خاندان میں یا ان کے قصبہ میں تعلیم یافتہ عورتیں و مرد
ہوں تو انہیں ایسا لٹریچر فراہم کردیں جسمیں ان فضول اور بے بنیاد رسوم
کی برائیاں اور انکی قباحت مذہبی اور معاشرتی دونوں نقطۂ نظر سے
درج ہوں نیز انکو وہ کتابیں مہیا کردیں جو انکے حقیقی مذہب سے آگاہ کریں
اور بدعات سیئہ کی حقیقت سے جو انہیں رائج اور جڑ پکڑے ہوئے ہیں
آگاہ کریں۔

خود ان رسوم کو ترک کرنے میں پہل کریں ایسی تقریبات کی شرکت سے
کنارہ کش ہوں اور احتراز کریں جہاں ایسی قبیح رسمیں ادا کی جاتی ہوں
غرض یہ کہ بہت سخت ضرورت ہے کہ ہم سب ملکر اپنے بھائی بہنوں کو
اس غلط راہ سے جو وہ اختیار کئے ہوئے ہیں صحیح راستہ پر لگادیں جس سے
ہماری معاشرت، تمدن، ہماری حالت درست ہو اور مذہب میں بھی کسی قسم کا ایسا
دخل عمل نہ ہونے پائے جو ہمارے مضر ہو اور یہ کام زیادہ تر عورتوں ہی کے کرنے کا ہے

تہذیب فاطمہ عباسی

بنت انتظار علی صاحب عباسی بی اے اکسائز انسپکٹر کاکوری
میں پیدا ہوئیں۔ آپ ہاشمی و قریشی ہیں، اپنے بھائی بہن میں سب سے
چھوٹی ہیں دو تین سال کے سن تک آپ کی تمام پرورش و پرداخت
آپ کے چھوٹی خالہ کے ذمہ رہی۔ اسکے بعد والدین کے ہمراہ آگرہ
و بہرائچ وغیرہ چلی گئیں۔ بہرائچ پہونچکر بسم اللہ کی گئی اور دو مولوی
بغرض تعلیم مقرر کئے گئے آخر انہیں جواب دینا پڑا زیادہ تر آپکے
چچا اعجاز علیصاحب کے پڑھانے سے قرآن شریف ختم ہوا۔

آپ کے بھائی اظہار علیصاحب کے تحریک پر گھر میں ایک انجمن
قائم تھی اسوقت آپ میں مضمون نگاری کی قابلیت تو نہ تھی شوق
بہت تھا چنانچہ کاغذ پر لکیریں کھینچکر جلسہ میں پہونچ جاتیں اور اپنا
ما فی الضمیر کاغذ کو دیکھ دیکھ کر یوں بیان کرتیں گویا مضمون لکھا ہوا

اس سے آپ کو فائدہ یہ ہوا کہ اردو دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ مین
پوری پہونچکر اردو شروع کرائی گئی۔ تھوڑے عرصہ میں دو تین مولوی
تبدیل ہوئے چنانچہ جب مولوی علیحدہ کر دیئے گئے تو آپ نے تختی
لکھنی شروع کی۔ آپ کو بچپن میں تعلیم سے چنداں دلچسپی نہ تھی
کسی کے پاس پابندی سے پڑھتی نہ تھیں بلکہ خواہش یہ تھی کہ از خود لکھنا
پڑھنا آجائے۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں جبکہ آپکا سن سات سال کا تھا اور
ان دنوں آپکی ہمشیرہ اخلاق فاطمہ صاحبہ کے پاس تہذیب نسواں
آیا کرتا تھا اسکے علاوہ پہلے کی بھی جلدیں تھیں جس کا آپ دن رات
مطالعہ کرتیں۔ ابتدا تو کچھ مشکل دکھائی دیا لیکن اردو اس قدر رواں
پڑھنے لگیں کہ تمام گھر کو تعجب ہوتا تھا۔ مین پوری ہی میں آپ نے
چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنا شروع کئے جو صرف انجمن تہذیب میں
سنا کر پھینک دیئے جاتے تھے۔

تہذیب نسواں کو دیکھکر اصلاح نسواں کے نام سے ایک اخبار
نکالنے کا آپ کو شوق ہوا۔ پہلا پرچہ نکالنے پر آپ کو یہ دشواری
پیش آئی کہ اپنا لکھا آپ خود نہ پڑھ سکیں۔ مجبوراً ارادہ فسخ کر دیا
آپ نے بچپن میں گڑیاں اس طرح نہیں کھیلیں جس طرح اور لڑکیاں ان
ہنڈکلیہ وغیرہ پکا کر پورے سلیقہ سے کھیلتی ہیں بلکہ آپ کا مذاق یہ تھا

پورے قصہ کو ڈرامہ کے اسٹیج پر کھیلیں اسکی ایکٹر گڑیاں قرار دی جائیں آپکی زبان ایکٹر کی ناطقہ ہوتی اور گھروندے میں ایک طوفان تکلم برپا رہتا۔

"نصیحت کا کرن پھول" وغیرہ جو کتابیں آپ کے درس میں تھیں گڑیوں کو بطور سبق پڑھائی جاتیں۔ اسطرح اپنا پڑھا آپ خود یاد ہوجاتا تھا۔ اس عرصہ میں آپ کے والد اکسائز سپرنڈنٹ ہوکر بھوپال تشریف لیگئے اور اون کے ساتھ آپ بھی گئیں یہاں بھی مطالعہ جاری رہا اب آپ پاس تہذیب نسواں اور رسالہ خاتون کے سوا تمدن النا ظر کے پرچے آنے لگے اخبار نکالنے کا شوق پھر تازہ ہوا۔ آخر کار یکم مارچ ۱۹۲۷ء کو "اخلاق نسواں" نکال ہی دیا۔ پہلا پرچہ لکھکر جب والد کی خدمت میں پیش کیا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ آپکی کوششوں کی داد دی ہمت بڑھائی رفتہ رفتہ آپ کے مذاق میں وسعت پیدا ہوگئی اب مضامین بہ نسبت پہلے کے اور غنیمت ہونے لگے۔

اخلاق نسواں مہینہ میں چار مرتبہ نکالنے کا ارادہ کیا تھا لیکن چند روز بعد یہ ناممکن دکھائی دینے لگا مجبوراً اسے پندرہ روزہ کردیا اسمیں سائینس۔ فلسفہ۔ علمی۔ ادبی۔ طبی۔ مذہبی۔ غرض ہر قسم کا رطب و یابس ہوتا تھا۔ البتہ افسانہ بہت کم ہوتا تھا۔ کیوں کہ آپکے

والد کی تاکید علمی مضامین کے نسبت تھی۔ لطائف خود ساختہ ہوتے تھے لیکن کبھی کوئی تک کا نہ ہوا۔ مضامیں جتنے اور جسم قسم کے ہوتے وہ سب کے سب آپ ہی کے لکھے ہوئے ہوتے تھے البتہ مضامین کے نیچے مختلف نام دکھائی دیتے تھے گو یا اسطرح ہر نمبر بنا سے خود "ایڈیٹر نمبر" ہوتا تھا۔ ہر پندرہ روز میں کافی تعداد میں مضامین لکھنا پھر پرچہ کی ترتیب اور کتابت کوئی آسان کام نہ تھا۔ مالک و نگراں ایڈیٹر میا نیجر، پرنٹر پبلیشر۔ غرض سب ذمہ داریاں آپکی ذات پر تھیں، خود کوزہ وخود کوزہ گر و خود گل کوزہ، ہر پندرہ روز کو ایک پرچہ نکلا کرتا تھا اور لطف کیہ اوس کا ایک ہی حقیقی اور سچا خریدار بھی تھا۔ یعنے آپکے والد محترم۔ جنکے خدمت میں خود علی الصباح ڈاکیہ بنکر پرچہ پہونچا آتیں اور مزہ یہ ہوتا کہ پرچہ سنانے کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر تھی۔ جب پورا پرچہ سن لیا تو اسکی نسبت نصیحت فرماتے اور آپ پرچہ کو آیندہ اور مفید بنانے میں منہمک ہو جاتیں ساتھ ساتھ ہی مصنفہ کہلانے کی بھی تمنا تھی کہ وہ کتابیں اخلاقی اور معاشرت پر ہوں ان دنوں آپکے لیئے انگریزی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا لیکن اس میں بھی بد شوق ثابت ہوئیں تاہم دن کا زیادہ حصہ پڑھائی کے نذر ہونے لگا جو وقت بچ رہتا "اخلاق نسواں کی تربیت میں صرف ہوتا ادھر انجمن کے ماہواری جلسوں

کیلئے مضامین کی فکر کرنی پڑتی طریقہ یہ تھا کہ تمام گھریلو ممبر کو ایک
عنوان دیا جاتا تاکہ اظہار خیال کریں چنانچہ آپ سب سے زیادہ مضامین
لکھنے والی ثابت ہوئیں۔ انجمن تہذیب کے ایک جلسہ میں آپ نے
دکھاوے اور شہرت، پر ایک طویل مضمون لکھا جس پر آپکو درجہ
اول کے انعام کا مستحق قرار دیا گیا (انعام کا طریقہ ہمت افزائی تھا)
جس نے آپکی ہمت اور کوشش میں چار چاند لگا دیئے یہ مصروفیتیں ایسی
تھیں کہ جنکے بدولت آپ کمزور ہونے لگیں جسکو دیکھکر آپ کے
خالہ صاحبہ مشتاق فاطمہ نے آپ کے مضامین جلا دیئے (جس کو
آپ کے والد ملفوظات کہا کرتے تھے) اس غم و غصہ میں آپ نے یکلخت
لکھنا پڑھنا ترک کر دیا۔ البتہ اخبار پھول کی جانب توجہ کی اور چند
مضامین بغرض اشاعت روانہ بھی کئے لیکن مولوی مختار علی صاحب
نے ناپسند کہکر واپس کئے۔ مگر سچا وعدہ، پیارا بچہ، سعید کی
توبہ، پھول میں شایع کئے گئے۔

پھر آپ بریلی آگئیں۔ جہاں سلائی وغیرہ کی مشق زیادہ رہی
آپ کے بھائی آپ کی تعلیم کیجانب متوجہ ہوئے پھر الہ آباد
پہونچکر موازنہ انیس و دبیر۔ مقدمہ شعر و شاعری آپ کے بھائی نے
پڑھایا۔ اور دونوں کتابوں کے لئے امتحان کا ایک دن مقرر کیا

آپ نے اس قدر محنت کی کہ گویا کوئی طالب علم کسی یونیورسٹی میں بیٹھنے والا ہے چنانچہ امتحان ہوا اور آپ نہایت اعلیٰ نمبروں کیساتھ کامیاب ہوئیں اب آپکی لیاقت اتنی ہوگئی تھی کہ شعر العجم وغیرہ جیسی ضخیم کتابیں آپکے مطالعہ میں رہنے لگیں۔ بریلی میں آنے کے بعد انگریزی تعلیم کا انتظام ہوا اور اسمیں زیادہ وقت صرف ہونے لگا اور جو وقت بچ رہتا وہ دستکاری کے نظر ہوتا کتب بینی کے لئے بھی نظام العمل میں کافی وقت رکھا تھا آپ نے اپنے کتب خانہ سے بہت سی نظم و نثر کی کتابیں چھانٹ لی تھیں مثلاً بانگ درا۔ روح ادب آب حیات، کلام نادر۔ ہندوستان اور غیر ممالک کے سیاحت کے حالات۔ تعلیم یافتہ لوگوں اور وسیع معلومات کے سفرنامے زیادہ پسند کرتیں کیونکہ آپکو خود بھی سیاحت وغیرہ سے دلچسپی ہے بیگم صاحبہ بھوپال کی قریب قریب تمام تصانیف نظر سے گذر چکی ہیں جس زمانہ میں انگریزی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا کچھ وقت نکالکر مضامین لکھنے کی کوشش کی طبیعت کا رجحان ادب اور علم کی طرف تھا۔ ابتدًا کسی مشہور ادیب و اہل قلم کے طرز تحریر کا اتباع کیا مثلاً مولانا راشد الخیری پھر اسے ترک کرکے سید سجاد حیدر صاحب یلدرم کا طرز پسند کیا پھر عابد علی صاحب عابد کا رنگ اختیار کیا لیکن آج کل کسی کے رنگ کی

مقلد نہیں ہیں اپنا ایک طرز قرار پا گیا ہے جو آپکے مضامین "راز حجاب نسائیت" کا ہے اسکے علاوہ مردانہ اور نیاز کے طرز پر بھی لکھتی ہیں آخر الذکر طرز آپ کو زیادہ مرغوب ہے، جسمیں سگوریٹ ہو، مثلاً بکھرے ہوئے پھول، جو رسالہ ہمایوں ماہ فروری ۱۹۳۲ء شائع ہوا ہے، راز حجاب کے مضمون نگاری کی پہلی منزل ہے جو رسالہ نیرنگ دسمبر ۱۹۲۵ء میں شایع ہوا ہے، جو بہت پسند کیا گیا علمی اور محققانہ مضامین سے بھی آپکو شغف ہے آپکے مضامین کی مانگ بڑھ رہی ہے اکثر مردانہ ماہوار رسائل آپ کے پاس آتے ہیں اور مضامین کی فرمایش کرتے ہیں، اور آپ انکی خدمت اپنا فرض سمجھتی ہیں، اکثر ایڈیٹر آپکے انشا پردازی کے معترف ہیں بعض مصنفین نے اپنی کتابیں بھی بغرض تنقید بھیجی ہیں ماہ اگست ۱۹۳۲ء سے روزنامچہ کی ابتدا بھی کی ہے، ارادہ ہے کہ اسکی مدد سے اپنی سوانح حیات ترتیب دیں انجمن تہذیب نسواں بریلی اور اب انجمن تہذیب نسواں کانپور کو آپ نے اپنے عزیزوں کی متفقہ کوششوں سے قائم کی ہے آپکے دل میں اصلاح قوم کا احساس ہے۔ کانپور میں "دار الخواتین" کے قائم کرنے کی بھی تمنا ہے جو کچھ وقت سینے پرونے سے بچ جاتا ہے وہ مطالعہ کے نذر ہوتا ہے انجمن تہذیب نسواں کا کوئی جلسہ ایسا نہیں جسمیں

آپ کوئی مضمون نہ پڑھیں اپنی ہمشیرہ اور خالہ صاحبہ کے ساتھ ملکر اسکے سکرٹری کے فرائض ادا کر رہی ہیں مختصر یہ کہ آپ نہایت اچھی انشا پرداز اور قابل خاتون ہیں۔ آپکی مصروفیت اور مذاق ادب دوسروں کے لئے وجہ تقلید ہے۔ ذیل کی انشا پردازی آپکے ذوق کا بین ثبوت ہے۔

راز

اے سہیلی! مجھے اپنی زندگی کا وہ دن بھی یاد رہے گا جب میں نے کانپتے ہوئے لبوں اور جھکے ہوے سر کے ساتھ تجھ سے عفو درگذر چاہا تو نے مجھے معاف کرکے میری بے چین اور بے کل روح کو سکون کامل بخش دیا۔ لیکن جب میں نے تیرے دلی خیال کو حاصل کرنے کی کوشش کی تو تو نے میرے چہرے کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھا اور پیچھے ہٹ گئی۔

آہ! اے سہیلی تو نے مجھے کیوں معاف کر دیا! اے سہیلی برکھا رت آئی اور پلٹ گئی۔ سردیاں آئیں اور گذر گئیں۔ گرمی پھیلی اور چلی گئی۔ مگر اے میری پیاری! میں اپنے اوس وقار رفتہ کی متلاشی رہی میری تشنہ روح اب بھی اسی راز شناسی کی جویا تھی

دنیا کا ہر دلفریب نظارہ مجھے میرے حصول مطلب میں زیادہ سرگرم بنا دیتا تھا، میں تیرا راز معلوم کرنے کیلئے تیرے قریب جاتی تھی۔ لیکن مجھے بے نیل مرام واپس آنا پڑتا تھا۔
غرض میرا دل تیرے راز کے چرنوں کا متلاشی ہی رہا!

حجابِ نسائیت

شرم و حجاب نسوانیت کا جوہر ہے لیکن معاشرت کے انقلاب آمیز اثرات اکثر عورت کی فطری حیاداریوں کو مغلوب کر لیتے ہیں اور وہ طبائع جو قدرتی طور پر حیا پسند ہوتے ہیں چار و ناچار آزادی کے خوگر ہو جاتی ہیں خواہ اس کے لئے اونہیں اپنے دل پر دو ایک بار جبری کیوں اش کرنا پڑے۔

ریحانہ فطری طور پر حیا پرست تھی اگرچہ وہ بھی اوسی خاندان کی ایک رکن تھی لیکن وہ اپنی ہم عمر ہم رتبہ خاندانی لڑکیوں میں سب سے زیادہ شرمیلی اور اصلی معنوں میں شریف الطبع مانی جاتی تھی۔ وہ پردہ کی تمام قیود سے آزاد تھی اور آزادی پسند تھی لیکن وہ بے باکی کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتی تھی دنیا اسکی وجہ کچھ ہی کیوں نہ سمجھے لیکن ہم اسکی حیاداریوں کا سہرا اسکی اعلیٰ تعلیم و تربیت

پر رکھتے ہیں۔

اسمیں حجاب نسائیت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اس آزادانہ معاشرت میں اسکی پاکیزہ خیالی یقیناً قابل داد تھی۔

بار بار اسکے دل میں خیال آیا کہ وہ قید فرنگ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے لیکن اس کے سامنے حجاب کا ایسا پردۂ رنگین حائل تھا جو دل وزبان کو ایک ہونے دیتا تھا۔

شمسہ خانم شمع

شمع تخلص بنت مرزا علی محمد خاں صاحب بالسٹر ایٹ دولتمند اور تعلیم یافتہ گھرانے کی چشم و چراغ ہیں ایرانی الاصل ہیں بمبئی میں پیدا ہوئیں آپ کے والد نے بمبئی میں بوجہ کاروبار مستقل سکونت اختیار کر لی ہے اور وہاں کے مشہور ہستیوں میں آپکا شمار رہے اور حال ہی میں بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے ہیں آپکے ایک چچا بمبئی ہائیکورٹ کے جج ہیں اور دوسرے چچا بار کی پراکٹس کرتے ہیں۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم پائی ہے۔ انگریزی نہایت رواں اور شستہ بولتی اور لکھتی ہیں اردو ادب کا اچھا ذوق رکھتی ہیں شعر و سخن سے بھی خاصی دلچسپی ہے اور کبھی کبھی کچھ کہہ بھی لیتی ہیں عموماً آپ کے مضامین نظم و نثر دیکھنے میں آئے ہیں۔

۱۵ر جون سنہ ۱۹۲۶ء میں آپ کا عقد ہوا اب بھی مطالعہ جاری ہے

اور مضمون نگاری کا مشغلہ رہتا ہے امور خانہ داری کا اچھا سلیقہ رکھتی ہیں دستکاری سے بھی خوب واقف ہیں۔ زمانہ طالب العلمی میں انگلش کمپوزیشن میں اپنے مدرسہ کی تمام یوروپین لڑکیوں میں درجۂ اول کا انعام حاصل کیا ہے۔ ذیل کا مضمون آپکے ذوق حدیث کا ضامن ہے۔

ایک ناکام زندگی کی آرزو

تیرے لئے پیارے دوست میں فضا کو تکتی ہوں۔ آسمان کو دیکھتی ہوں کہ شاید تو میری طرف سرگرم الفت ہو۔ تجھے میری کاوشوں کی خبر ہو تیرے دل میں میری محبت ہو، تجھے خبر ہو کہ ایک بدنصیب بے چین۔ بے تاب ہے!

عرب کے من موہن آہ! تجھے کیا معلوم تیرے لئے ایک نا معلوم ہستی بہت عرصہ سے بے تاب ہے کاش تیرے دل میں میری الفت کی کسک ہوتی!

میں دریا کے کنارے۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس لئے خاموش بیٹھے رہتی ہوں کہ جب تو شفق کے سایہ میں تفریح کے لئے آئے تو شاید میری ان بیقرار آرزوؤں کو جو رہین یاس ہو چکی ہیں اپنی ایک غلط انداز نظر سے دیکھ لے! مگر آہ بلے— تو میری تمنا دُنکو

تڑپتا چھوڑ کر چلا جاتا ہے!!

اے ہمالہ کی چوٹیو! تم بھی کچھ کہو صدہا جوگیوں نے تمہاری محبت میں جوگ رمائے...... مگر سچ کہنا کہیں تمہیں مدینہ کا پیار انظر پڑا؟

اے موج اب تو ہی بتا جنکی آنکھیں تجھ سے دوچار ہوئیں تونے اوسے منتر پڑھا کر چھوڑا مگر...... مجھے اتنا تو بتا کہیں اوس آب زمزم والے سے بھی یہ آنکھیں لڑیں؟

ادھر دیکھو! مجھکو نہیں. میری کم سنی کی محبت کو. حسن کو نہیں دل کی افسردگی کو. جمال کو نہیں. گرمئ عشق کو.

تعجب. رنج. افسوس. سب کچھ. بجا. درست. جائز لیکن کروں کیا ضرورت ہے تیری" تقاضا ہے دنیا کا نہیں تیرے خیال کا مطالبہ ہے. کسی شوق کا نہیں. بلکہ تیرے دیدار کا!!

زرینہ خانم حجاب

حجاب تخلص ہو ضع جسو کی ضلع گجرات پنجاب میں پیدا ہوئیں اگرچہ آپ کے والد پرانے خیالات کے بزرگ تھے تاہم تعلیم نسواں کے خلاف بھی نہ تھے۔ ۵ سال کی عمر میں آپ کو مسجد کے ملا کے پاس قرآن شریف پڑھنے کیلئے بٹھایا گیا اور ایک سال میں آپ نے ختم کیا اسکے بعد اوسی گاؤں کے زنانہ پرائمری اسکول میں بغرض تعلیم داخل کرادیا گیا چونکہ آپ کے خاندان کے بعض قریبی افراد تعلیم نسواں کے خلاف تھے اسلئے پرائمری کے بعد تعلیمی سلسلہ موقوف رہا لیکن از مانہ طالب علمی میں آپ ہمیشہ اپنے ساتھ کی لڑکیوں سے ہر جماعت میں اول نمبر رہا کرتیں مدرسہ کا تعلیمی سلسلہ موقوف رہا مگر آپکا ذوق علمی ہنوز العطش کی صدائیں لگا رہا تھا۔ آپ تین سال تک گھر ہی پر اپنے بھائی سے اردو فارسی انگریزی کی تعلیم پاتی رہیں۔ چونکہ قدرت نے

آپکی فطرۃ میں شاعرانہ قابلیت و دلعیت کی تھی اسلئے کبھی کبھی تک بندیاں کرکے اپنے بھائی کو دکھائیں تو وہ متبسم ہو کر کہا کرتے ہوئے اب تو شاعرہ ہوئی جاتی ہے،، لیکن آپ کا ذوقِ شاعری کم نہوا۔ چونکہ آپکے سسرال کو شعروسخن سے نہایت دلچسپی تھی اور قدرۃ کو یہ منظور تھا کہ آپکی یہ تمنا پوری ہو چنانچہ ۱۹۱۹ء میں مولانا مولوی عبدالحق صاحب اختر واصفی گجراتی فنانشل کمشنرز آفس لاہور کے ساتھ آپ کا عقد ہوا جنکی اردو فارسی انگریزی کی قابلیت خاصی تھی اور آپکے خسر مولانا مولوی مولا بخش صاحب واصف سابق ہیڈ ماسٹر اردو فارسی کے مسلمہ عالم اور شاعر ہیں دونوں تعلیم نسواں کے حامی اور مؤید۔ بیٹے کی یہ تمنا کہ میری رفیقۂ حیات دولت علم سے مالامال ہو اور خسر کی یہ خواہش کہ میری بہو قابل و لائق ہو۔ جب سسرال کو یہ علم ہوا تو انہیں بے انتہا مسرت ہوئی کہ لڑکی تعلیمی ذوق کی وارفتہ ہے پھر آپ کے شوہر نے نہایت محنت و مشقت سے آپ کو تعلیم دینا شروع کی جس کا کھلا نتیجہ یہ ہے کہ آج آپ ایک اچھی شاعرہ اور قابل مضمون نگار ہیں اپنے شوہر ہی سے اصلاحِ سخن لیتی ہیں اور کبھی کبھی خسر سے بھی آپکے تعلیمی مذاق کو دیکھکر آپ کے عیش و آرام کے ضامن نے اردو انگریزی کتابوں کا بہترین ذخیرہ فراہم کردیا ہے اور آپ روزانہ پابندی سے کامل

چار گھنٹہ مطالعہ میں صرف کرتی ہیں انگریزی سے اردو ترجمہ کرنے کی اچھی مشق ہے۔ امور خانہ داری کھانا پکانا، سینا پرونا اور گھر کی آرائش میں آپ کو کافی تجربہ ہے لیکن آئے دن کی بیماری سے ذوق ادبی میں جو رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اوس کا افسوس ہے تربیت اولاد کے فرض سے ہنوز سبکدوش ہیں آپ کے طرز انشا کا نمونہ ذیل میں درج ہے۔

ترانہ حمد

اے سب جہاں کے مالک خالق ہے نام تیرا
ہر سو جہاں میں جاری ہے فیض عام تیرا

از ماہ تا بماہی تیری ہے بادشاہی
ارض و سما کے اندر سب ہے نظام تیرا

تیرا کمال کامل ہے ابتدا سے یا رب
ہوا نہتہا نہ جسکی وہ ہے دوام تیرا

کو کو میں قمریوں کے نغمے میں بلبلوں کے
مستور تیرا جلوہ مخفی قیام تیرا

طیور ہوں کہ حیواں وحشی ہوں یا کہ انسان
کرتے ہیں ذکر سارے ہر صبح و شام تیرا

تجھکو بھلا چکے تھے جو لوگ انکی جانب
آیا جہاں میں لے کر احمد پیام تیرا

دنیا کے گمرہوں کا رہبر ترا پیمبر
مشغل رہ ہدا کی قرآں کلام تیرا

قسمت پہ ہو نہ اپنی نازاں عجاب کیونکر
کہتی ہے اسکو دنیا ادنے غلام تیرا

بلقیس خاتون جمال

جمال تخلص۔ عرف عام میں بلقیس جمال بنت مولوی عبدالاحد صاحب
ہیڈ کلرک۔ ڈی۔ پی۔ آئی۔ آفس الہ آباد سنہ ۱۹۰ء بہ مقام بریلی پیدا
ہوئیں سنہ ۱۹۲۵ء تک اپنے والد کے ہمراہ ملازمت کی وجہ سے الہ آباد
میں مقیم رہیں سنہ ۱۹۲۵ء میں جب آپ کے والد نے انتقال فرمایا
تب سے مستقل قیام بریلی میں رہتا ہے۔

اردو۔ فارسی۔ انگریزی وغیرہ گھر ہی پر پڑھیں سنہ ۲۳ء سے
شعر کہنا شروع کیا۔ ابتدا میں مشورہ سخن سید ماجد علی ماجد بی۔ اے
ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ الہ آباد سے رہا۔ پھر سید طالب علی صاحب
الہ آبادی سے کچھ عرصہ لیتی رہیں۔

نثر نگاری کا شوق سنہ ۱۹۱۹ء میں ہوا ہندوستان کے اکثر رسائل میں

آپکی نظمیں شایع ہوتی ہیں۔ اردو فارسی میں شعر کہنے کی قدرت رکھتی ہیں نثر بھی اچھی ہوتی ہے۔ جذبات نگاری میں بھی کافی ملکہ ہے ۱۹۲۷ء میں مولوی عبدالجلیل صاحب بی اے ایس سی ایل ایل بی، وکیل سے بیاہی گئیں۔ نمونہ انشا پردازی ذیل میں درج ہے۔

شاعرہ

میں نکہت خراب ہوں میں آتش شراب ہوں نقاب صد حجاب ہوں میں خیال انتخاب ہوں
میں تار حد رباب ہوں طلسم موج آب ہوں تجلی نقاب ہوں میں نازش عتاب ہوں

میں شاعرہ ہوں شعر ہوں

جبین حسن ناز ہوں میں پاک پاکباز ہوں میں سجدۂ نیاز ہوں میں صبح کی نماز ہوں
میں غزنوی کا راز ہوں میں کمال ایاز ہوں چڑھا ہوا میں ساز ہوں میں سوز ساز باز ہوں

میں شاعرہ ہوں شعر ہوں

میں حسن کی نگاہ ہوں میں عشق کی کراہ ہوں میں زخم دل کی آہ ہوں تباہ تر تباہ ہوں
میں چاندنی کا ماہ ہوں میں حسن کی پناہ ہوں مٹی ہوئی نگاہ ہوں کھلا ہوا گناہ ہوں

میں شاعرہ ہوں شعر ہوں

میں خمرۂ الست ہوں فریب بود و ہست ہوں بلند ہوں میں پست ہوں صدائے دل شکست ہوں
میں حسن شوخ و مست ہوں دل وفا پرست ہوں صلاحیتیں پسند ہوں ملاحتوں کی جست ہوں

میں شاعرہ ہوں۔ شعر ہوں

میں شامِ برشگال ہوں بہار پائمال ہو جمالِ صد جلال ہو صنم کدہ مثال ہوں
میں مستیٔ غزال ہوں عجب تباہ حال ہو جمال ہوں جمال ہوں

میں شاعرہ ہوں۔ شعر ہوں

نثر

مجروح جذبات

منظر مست شباب منظر برسات کی رسیلی شاموں کا نشیلا کافر ادا منظر ایک ایسا منظر جسکی لطافتیں ہلاکت بار و ناقابل برداشت ہیں آہ ایک ایسی شام جسکی فضائیں گھٹاؤں کے مست خمار میں منجذب تھیں جذبات پاش پاش !!

میں اپنے غم آلود جذبات کی آغوش میں اوداس وساکت ساکت واوداس کہسار کی برف پوش چوٹی پر سرنگوں ہوں!!!

طائر میرے شانوں پر پر چھٹکائے گذر جاتے ہیں اسطرح کہ پروں کی ترنم چکاں آہٹ سے ایک خفیف سی لرزش نسیم کا ترشح ہوتا ہے کہسار کے دامن کے نیچے نیچے رود بار خاموشی سے آئینے چمکا رہی ہے۔ اسطرح کہ کہسار کے تھپڑ اس کے بلوریں پیمانوں میں

عکس آفریں ہیں۔ کشتیاں دامن ساحل سے ٹکرا رہی ہیں۔ میں منظر کی
ہلاکت میں خدا معلوم کس پریشانی کے استغراق میں محو ہوں۔ میرے
آنسو ایسے آنسو جنکی رقیق روانی میرے گالوں میں تموج پر پا کر رہی ہے
میری سیاہ ساری کی سوگ فروش شکنوں میں ٹپک رہے ہیں۔ آہ
خدا معلوم میرے جذبات کہاں تموج خیز ہیں!!!

نکہت پر جاتے ہوئے چمپا کی مست کلیاں ایک ایسے دلفریب
تبسم کی لچک میں جس سے بہشت کی نکہتیں تخلیق پاتی ہیں میرے شانے
سے ٹکرا جاتی ہیں میں چونک پڑتی ہوں اور پوری حیرانی سے ان
غنچوں کے نازک تبسم کو دیکھنے لگتی ہوں ایک ایسی نظر سے جو بالکل
محو جذبات ہوتی ہے۔

مگر آہ انہیں کیا معلوم کہ میرے حیات کی جراحتیں کہاں تک
آسودۂ تپش ہیں!!!!

پانی کا سنہرا دریا میرے قدموں کے نیچے مرمریں صحین بنا رہا ہے
لہروں کی لطافت میرے جذبات میں ایک نیا ہیجان برپا کر رہی ہے
میخانے لٹانے والی موجیں نورانی صبح کی سپیدی میں فردوس
کنول کھلا رہی ہیں۔

مرغ آبی سطح آب پر اپنے بازؤں کی سیم گونی پھیلائے ہوئے

اور جوہی کا نظر کش سادہ و دلفریب شوخ و معصوم، حسین وکا فرا پودا لب جو اپنی نرم نرم پتیاں لہرا رہا ہے جوہی کے معصوم پھول ٹوٹ ٹوٹ کر پانی کی سلوٹوں پر حباب ناز بن رہے ہیں!! آہ! ایک ایسی جنت نگاہ میں ایک ایسے فردوس بہارستان میں ایک ایسی سحر آلود صبح میں میں اپنے جذبات کی غم نصیبی میں الم کش ہوں۔ مگر ستا ستا کر چھو منے والی بلوری لہروں کو کیا خبر کہ میں کیا سوچ رہی ہوں!!!

خاموش و سنسان رات میں ایک ایسی رات میں جس میں کالے کالے بادل فضائے چرخ غم آفریں ہیں ایک ایسے لمحہ میں جس میں ذرہ ذرہ مخمور خواب ہے، ایک ایسی تبسم آلود فضا میں جس میں کا فر منظر تیتریاں آغوش گل میں مست ناز ہیں اور صرف ایک تارا بادلوں کی فضاؤں کی رخنہ اندازیوں میں لرز رہا ہے۔

میں چپ چاپ اور اس سرو کے دلفریب مرتسم عکس میں بے حس و حرکت کھڑی ہوں جگنو میرے سر پر چمک چمک کر فضا کی سیاہی میں ڈوب جاتے ہیں۔ لرزتا ہوا ستارا مجھے دیکھتا ہے اور ایک لمحہ کو ساکت ہو جاتا ہے۔

مگر آہ اسے کیا معلوم کہ میں کس فکر میں ہوں........

واقعی میرے جذبات نرالے اور اچھوتے ہیں اور کسی کو کیوں معلوم کہ میرے دل میں کیا ہے ؟؟؟
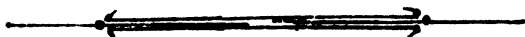
بدرالنسا بیگم

بنت مولوی حسین عطاء اللہ صاحب مرحوم مددگار محکمۂ فینانس حیدرآباد دکن ۳۰ جمادی الاول ۱۲۸۳ھ بروز چہار شنبہ بمقام مدراس پیدا ہوئیں۔ اور اپنی دادی کے پاس جو مشہور مصلح معاشرت عالم قاضی بدرالدولہ کی بیوی اور دوست و بازو تھیں۔ امۃ القادر آپ کا نام تھا جب مولوی عبدالقادر صاحب رجسٹرار حیدرآباد دکن کے عقد میں آئیں تو "بدرالنسا" کا عرف اختیار کر لیا شوہر کی حسرت ناک جوانامرگی کے باعث اپنے وسیع اور کمسن کنبے کی پرورش و تعلیم میں اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ بچپن ہی سے اپنے انتظامی قابلیت کے باعث پورے گھر پر اور اپنے والد کے فنانس پر چھا دی تھیں۔ بہت کچھ سیر و سیاحت کی ہے اور اکثر ممالک اسلامیہ دیکھ چکی ہیں اپنے علم دوست شوہر کی صحبت میں علمی ذوق پیدا کیا۔

اولاد و احفاد کی نگرانی اس عمدگی سے کی کہ بڑے ہونے اور اچھی
خدمتوں پر پہنچنے کے با وجود وہ ابھی آپ سے طفل خورد سال کی طرح
ڈرتے اور ادب و لحاظ کرتے ہیں حالانکہ سخت گوئی اور کسی قسم کی سزا
بچوں کو دینا آپ کا طرز عمل نہ رہا۔ مولوی نصیر الدین محمد عبد الباری صاحب
مصنف "دکن میں اردو" کی والدہ ماجدہ ہوتی ہیں۔ زراعت سے طبعی
دلچسپی ہے اور مناظر قدرت سے فطری لگاؤ ہے۔ حیدرآباد سے قریب کچھ
زمینات ہیں جہاں آپ نے ایک پرفضا باغ بنوایا ہے اور نگاہ و اشت سے
اوسکو ایک نمونہ کا باغ کر دیا ہے۔ پہاڑوں پر چڑھنا اور میلوں گھومنا
ابھی چند سال کی بات ہے۔

"گلزار اولیا" نامی کتاب آپکی تالیف ـــ شائع ہو چکی ہے
جس میں اخلاق آموز کرامات اولیاء کرام جمع کیے گئے ہیں ذیل میں
اوسی کا اقتباس دیا جاتا ہے۔ اکثر بزرگان دین کے قصص اور حالات اور
اون کے تذکرے لوگ اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے لکھکر اپنا یادگار اور
بزرگوار دین کی محبت و مودت کا ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں مجھ نالائق عاجز
گنہگار کو بھی بہت روز سے خیال تھا کہ اولیاء اللہ کے چند کرامات
لکھوں جب میں اس کو لکھنے لگی تو خدا کی طرف سے مجھ کو چند بزرگان
دین اور شیوخ جنت رضوان اللہ علیہم کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور

خدائے تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر کرتی ہوں کہ مجھ ایسی گنہگارہ کو بھی یہ نعمت عطا کیا۔ مجھ کو نہ تو اسکی لیاقت ہے کہ ایسے بزرگانِ دین کے حالات کو ناظرین کے ملاحظہ میں پیش کروں اور نہ طاقت کہ ایسے پاکباز ان محبت کے مناقب کا ذکر کردں مگر چند کرامات کے ایک جا کرنے میں میری غرض یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ ان بزرگان دین کے طفیل سے مجھ گنہگارہ کو آتش دوزخ سے بچائے اور بہشت بریں میں اپنے نیک بندوں کے قدموں میں جانے نصیب کرے۔ آمین۔

ناظرین ـــ سے اس بے بضاعت کی یہ التجا ہے کہ اس مختصر رسالے میں جو چند رسالوں سے منتخب کر کے ایک جا ہدیہ ناظرین ہے اگر کچھ غلطی ہو اوسکو اپنی عنایت سے درست و تصحیح فرمائیں اور مجھکو اور میرے شوہر جو عالم جوانی میں اس دنیا سے دار آخرت کیطرف کوچ کر گئے دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

یہ مسودہ اسوقت اجمیر شریف میں لکھا گیا ہے جبکہ یہ عاجزہ وہاں بزرگان دین کی زیارت سے مشرف ہوئی تھی خداوند تعالےٰ سے امیدو دعا ہے کہ اون بزرگوں کے طفیل سے میرا اور میرے شوہر کا خاتمہ بخیر ہو۔ آمین یا رب العالمین۔

باغ میں ہر قسم کے پھول ہوتے ہیں اور اس مختصر رسالہ میں بھی

مختلف بزرگان دین کا ذکر ہے۔ اسلئے اسکو "گلزار اولیا ر" کہنا بھی بیجا نہ ہوگا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی الکریم علیہ توکلت و ہو رب العرش العظیم"

آمنہ بیگم

بنت خان بہادر میاں غلام رسول خان صاحب تمیم۔ بمقام سرگودہ پیدا ہوئیں جہاں ان دنوں آپکے والد بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ چنیوٹ ضلع جھنگ کے مشہور قدیمی خاندان "تمیم" سے ہیں جن کے آبا جناب حضرت غازی محمد بن قاسم علیہ الرحمتہ اول فاتح ہندوستان کے ساتھ آکر عرب سے ہندی بنے اور اس خاندان کا ایک نام بردار علامی نواب سعد اللہ خاں شہنشاہ و شاہ جہاں کا وزیر اعظم تھا اور یہ خاندان ایک زمانہ میں اس صلہ ملک میں حکمراں رہا۔ چنیوٹ کی شاہی مسجد اور فیل خانہ یہ معروف پختی اس خاندان کی عظمت و ثروت کی دائم اور زندہ تصویریں موجود ہیں۔ آپکے دادا ابتدائے عملداری انگریزی میں پولس انسپکٹر تھے اور آپکے والد بھی ڈپٹی سپرنڈنٹ پولیس رہکر اب حال ہی میں پنشن پر

آئے ہیں۔ ابتداً آپ نے کسی مدرسہ میں باضابطہ تعلیم نہیں پائی چونکہ آپکے والد کو دینی تعلیم کا شوق تھا اسلئے قرآن کریم کا ترجمہ اردو دیگر دینی کتب پڑھائیں اور اسی سلسلہ میں اردو۔ عربی۔ فارسی اور کچھ انگریزی میں بھی قابلیت حاصل کر لی۔ اور اب آپ گورنمنٹ ہائی اسکول میں زیر تعلیم ہیں۔ طبیعت کو چونکہ شعر کے ساتھ قدرتی مناسبت بھی تھی اسلئے اکثر شعرا کا کلام زیر مطالعہ رہا اور کبھی کبھی خود بھی کہہ لیتی ہیں۔ ذیل کے اشعار آپکے جذبات کے ترجمان حقیقی ہیں۔

دست قدرت مرے مولا تو نمایاں کر دے
خاک ذلت میں شیاطیں کو پنہاں کر دے

امن مہر و محبت سے تو بھر دے دنیا
خاکداں تیرہ کو جنت کا خیاباں کر دے

ڈھونڈھتی پردہ میں تجھکو ہی مری چشم نزار
اے مرے یار ذرا چہرہ کو عریاں کر دے

مسلم خستہ ہے پابند سلاسل کب سے!
ہاں عدو کیلئے وا در زنداں کر دے

راستہ اپنی رضا کا مجھے دکھلا دی
شمع توفیق مرے رہ میں فروزاں کر دے

لن ہی مجھکو بس اب تیری رضامندی کا
مشکلیں جتنی ہیں اس راہ میں آساں کر دے

تجھسے کچھ دور نہیں رحم کر اے رب رحیم
قوم کا نیر اقبال درخشاں کر دے

ہر گھڑی بول ہو اسلام کا ہر سو بالا
اور جمعیت اعدا کو پریشاں کر دے

مرد میداں ہیں غازی ہیں نمازی ہیں مگر
مسلم قوم پہ تو بارش احساں کر دے

باہم اخلاص و محبت بھی ہمدردی بھی
اختلافات انکے مٹا کر انہیں یکجاں کر دے

نام کو کافر و حاسد نہ رہیں دنیا میں
اور مسلماں کو تو پھر سے مسلماں کر دے

جاہلیت کی گھٹائیں جو اڑیں بنکے دھواں
مہر اسلام پھر عالم کو درخشاں کر دے

جس نے طوطی کو دیا نغمہ تو بلبل کو فغاں
آمنہ کو بھی جو چاہے تو غزلخواں کر دے

بلقیس جہاں

بنت مولوی عبدالستار صاحب وکیل جونپور۔ موضع املو ضلع اعظم گڈھ
میں پیدا ہوئیں۔ چوں کہ آپ کے والد وکالت کی غرض سے یہاں آئے
تھے اسلئے جونپور کو اپنا وطن بنا لیا۔ اسکول کی پڑھائی ناقابل اعتماد
اور مسلمان استانیوں کا کال ہونے سے کچھ دنوں تک ایک ٹیچر آپکے
معلم رہے اور پھر گھر ہی میں تعلیمی سلسلہ جاری رہا۔ آپکے یہاں تعلیم کا
خاصہ چرچا ہے۔ چنانچہ آپ کے بڑے بھائی ایم اے۔ ایل ایل بی
ہیں جو اسوقت ڈپٹی کلکٹر ہیں دوسرے اور بھائی ایف اے میں زیر تعلیم
ہیں۔ موصوفہ کا علمی ذوق قابل تعریف ہے نہایت خاموشانہ کام کرنیوالی
ہیں تعلیم نسواں۔ خدمتہ نسواں کا خاصہ جذبہ رکھتی ہیں۔ مطالعہ کا اچھا
ذوق ہے فرصت کا وقت زیادہ تر اسی میں صرف ہوتا ہے اگر چندے یہی
حال رہا تو اچھے انشاء پردازوں میں شمار ہوگا۔ عصمت میں ہر مہینہ

کچھ نہ کچھ لکھتی رہتی ہیں۔ ایک عزیز بہن کی ناوقت موت پر یوں اظہار الم کرتی ہیں۔

ایک بہن کی لوح تربت پر

عالم تصور میں

اے محترم خاتون! تیری پاکیزہ روح۔ رحم و خلوص اور ہمدردی سے لبریز ہمارے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری کرتی ہے۔ میری آنکھیں تیری جویا۔ میرے قدم ترے استقبال کو آمادہ۔ میرے ہاتھ تجھے چھونے کیلئے بیتاب۔ مگر میرا احساس رونے لگتا ہے۔ میری آنکھیں نمناک میرے پیر شل۔ ہاتھوں میں لرزش۔ خیالات میں پریشانی۔ تفکرات کی گھنگور گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور میں — ہاں میں کسی گہرے سوچ میں ڈوب جاتی ہوں!

پیاری بہن! ترے دیدار کو آنکھیں ترستی ہیں۔ ترے نغمۂ ترین کے لئے کان ہمہ تن منتظر۔ آخر بتا۔ تو ہی بتا۔ وہ کون خوش قسمت قطعہ زمین ہے۔ جس کا تو پیوند ہے۔ وہ کون صحرا ہے۔ جسمیں یہ نہال آج افتادہ ہے آخر ہمارا قصور۔ کوئی گناہ کہ ہم سے منحرف۔ روٹھی ہوئی آسودۂ لحد ہے۔

بہن! یہ سچ ہے کہ دنیا کی تونے بہاریں نہیں دیکھیں۔ ماں باپ کے قبل از وقت موت نے تجھے مرنے سے پہلے مار ڈالا تھا۔ اوس پر عزیزوں کی کج ادائی تازیانہ کا کام کرتی تھی۔ لیکن اے لائق صد صبر و تحمل ہستی صدق و مسرت خلوص و محبت کی محفل میں تو ایسے موتی بکھر گئی کہ آنے والی نسلیں اپنے کانوں کا اوسے درشاہوار بنائینگی۔

قسام ازل نے درد و محبت سے تیرے دل کا خمیر کیا تھا۔ پھر یہ کیا کچھ حیرت خیز نہیں کہ سب سے جدائی اختیار کر لی۔ نہ بولتی ہے نہ سنتی ہے کیا تقاضائے الفت یہی ہے؟

آہ! میں کیا کہہ رہی ہوں۔ رحم و کرم نہیں نہیں۔ ہاں جنت تیرا مقام۔ فردوس تیرا باغ۔ رنج سے دور۔ غم سے آزاد۔ تفکرات سے نجات۔ ہاں۔ جنت مکانی اس دنیا کی جھوٹی نمائشیں اور اوسکی فریب دہ خواہشیں تیرے پاس پھٹک نہیں سکتیں۔

اچھی بہن کیا بتاؤں ساون کے مہینہ میں کسی شاندار درخت کی ڈالیوں میں جب جھولا پڑتا ہے اور موسیقی کے دلکش نغموں سے ہوا معمور ہو جاتی ہے اسوقت بال ٹھیک اسوقت تری حرماں نصیب بہن دنیا سے مافیہا سے بے خبر سب سے علیحدہ تیری پاکیزہ یاد میں محو جاتی ہے۔

بہار کا موسم میرے لئے المناک ہے۔ گل کھلتے ہیں کھلا کرے

ہوا عطر بیز ہے۔ ہوا کرے۔ لیکن آہ! تیرا گل سا چہرہ وہاں شگفتہ نہیں پھر میرے لئے بہار کا لطف کیا آئیگا؟ خوش نصیب تھی تو اور خوش نصیب تیری موت۔ درس عبرت ہے تیرا تن نازنین جو منوں مٹی کے نیچے دبا ہوا ہے۔ محبت کے پھول تیرے سرہانے مہک رہے ہیں۔ باد صبا تیری لحد پر پھنکھا جھل رہی ہے ستارے تیرے نام پر خنداں۔ چاند نور کی چادر تیری قبر پر بچھا رہا ہے۔ ابر سایہ فگن۔ زمیں اپنے آغوش نازمیں لئے ہوئے۔ ترے معصوم کارناموں پر۔ مرحبا اور احسنتہ کی صدائیں لگا رہی ہے۔
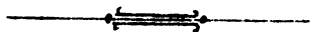
کبریٰ خانم خاور

خاور تخلص۔ بنت کے محمد حسین بی اے انجنیر آپکے جد اعلیٰ سکھوں کے
عہد میں نقل مکان کر کے قصبہ پر ل ضلع ہشت نگر ریاست پٹیالہ میں
آئے آپ کے ابا واجداد بلحاظ علم و فضیلت زہد و تقویٰ نہایت مشہور
ہیں۔

بسم اللہ خوانی کے بعد آپکی تعلیم کا آغاز ہوا چونکہ آپکی والدہ ماجدہ
چھوٹی سی عمر میں اسکول بھیجنے کی سخت مخالف تھیں لیکن حاجی بیگمصاحبہ
معلمہ اول کی ذمہ داری پر مشن اسکول لودھیانہ میں شریک کی گئیں۔
لیکن آپ کو ابتداً مدرسہ سے نفرت تھی جب بلا دے کیلئے ماما آتی تو
آپ کمرہ کے کواڑ بند کرکے بیٹھ رہتیں تا وقتیکہ وہ واپس چلی نہ جائے
باہر نہ آتیں لیکن والدہ کی زائد از ضرورت محبت آپ کے اس فعل پر
خفگی کا سبب نہ ہوتی تھی وجہ تھی کہ بڑی جماعتوں میں بھی آپ ناغہ کر جایا

لیکن یہ عجیب بات تھی کہ باوجود اس قدر غیر حاضریوں کے ہر سال امتحان میں سب لڑکیوں سے اول آتیں آپ کے معلمین آپکی ذہانت اور فراست کے مداح و معترف تھے اور اب بھی آپ کا حافظہ اس قدر قوی ہے کہ بیک نظر۔ بیک سماعت سو الفاظ کو سلسلہ وار بنا دیتی ہیں طبیعت میں فطرۃً رحم و کرم غور و فکر کا مادہ ہے اپنے ساتھ والی لڑکیوں کو جو آپ کو جماعت میں ستایا کرتی تھیں کبھی ہیڈ ماسٹر سے اونکی شکایت نہیں کی جماعت کی تمام لڑکیاں سبق یاد نہ کرنے پر سزا پاتیں اور آپ ہی وہ تنہا ہوتیں جو سزا سے مستثنیٰ رہتیں۔ ۱۹۲۰ء میں پرائمری کا امتحان کامیاب کرکے چھٹی جماعت میں ترقی پائی۔ پنجاب یونیورسٹی میں ورنیوکلر مڈل کا امتحان دیا اور تمام اسکول کی لڑکیوں میں اول آئیں۔ لیکن آپ کے اس نتیجہ پر اسکول کی استانیاں کچھ خوش نہ ہوئیں کیوں کہ اونہیں تمام یونیورسٹی میں اول آنے کی توقع تھی لیکن آپکی عین وقت پر علالت نے اونکی یہ تمنائیں پوری ہونے دیں اسکے بعد آپ نے اپنے والد کو جو اول دنوں ریاست رامپور میں اگزیکٹو انجینیر تھے۔ لکھا کہ آپ کو مسلم گرل ہائی اسکول علیگڈھ میں شریک کرادیں چنانچہ آپ کے والد اس ارادہ سے تشریف لائے لیکن خاندان کے بعض قریبی افراد نے جو تعلیم نسواں کے سخت مخالف تھے

آپکے اس ارادہ کو پورا ہونے نہ دیا۔ اگرچیکہ آپ نے اوسکی تردید کی لیکن اونہوں نے آپکے والد کو بائیکاٹ کرنے کی دہمکی دی جس سے وہ باز رہے اور گھر ہی پر اردو فارسی کی معقول تعلیم دیکر ایک حد تک آپکی اشک شوئی تو ضرور کردی لیکن اعلیٰ تعلیم کا داغ آپ کے دل سے ابھی تک دور نہیں ہوا اسکے لئے آپ وقت کی منتظر ہیں۔ طرز بیان دلچسپ اور لطیف ظرافت کا پیرایہ لئے ہوئے ہوتا ہے۔ خیالات میں بلند پروازی اور وسعت ہے ہمت اور ارادی کی بلند ہیں۔ پہلے پہل نو سال کے سن میں آپ نے ایک نظم کہی۔ اوقات کا بیشتر حصہ مطالعہ میں صرف ہوتا ہے آپ سے چھوٹے کئے بھائی بہن ہیں۔ حال ہی میں ایک منظوم قصہ ،، برے بھلے کی کہانی ،، علیہ حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کے نام سے معنون کیا ہے آجکل لودھیانہ میں مقیم ہیں۔ آپ کے افکارات ملاحظہ ہوں۔

مرے ارمان اور دعا

مجھ کو بلوائیں جو روضہ پہ رسول اکرم
آنکھیں روضہ پہ ملوں اور کہوں رو رو کر
آپنے راہ جو تھی ان کو دکھائی حضرت
باقی امت میں اخوت کا نشاں تک نہ رہا

نکلے ارمان مرا ناصیہ فرسائی کا
حال تو دیکھئے امت کی تن ومائی کا
چھوڑ دی سب نے ہوا ہر کوئی من آئی کا
بھائی ہی دشمن جاں ہوگیا ہے بھائی کا

گرچہ ہیں فرد جہالت میں مگر اس پر بھی — سر میں سودا ہے ہر اک شخص کے خود رائی کا
جامۂ علم و عمل سے تو ہیں مسلم عاری — شوق فیشن کا ہے ظاہر کی خود آرائی کا
قوم مردہ کو کرو زندہ دکھاؤ حضرت — خاور خستہ کو اعجاز مسیحائی کا

قومی ترقی کا راز

جو قوم اپنی ترقی و بہبودی کی خواہاں ہے وہ کسی دوسری ترقی یافتہ قوم کے تمدن پر غور کر کے اس میں سے وہ باتیں جو اسکے حق میں بہتر ہوں منتخب کر لیتی ہے۔ ہونہار اور ذہین اقوام کا اصول بھی ہے جیسا کہ تواریخ سے ظاہر ہے یونانیوں نے فن تعمیر کی تعلیم مصر سے لی اور رومیوں نے جہانداری کی تعلیم ایران سے اور فنون ادب کی یونانیوں سے حاصل کی۔ عرب نے تمدنی، جہانگیری اور سیاسی تعلیم مصریوں۔ یونانیوں اور ایرانیوں سے لیکن ایک ہی صدی میں اسے جلا دیکر اپنے حالات کے موافق اسقدر بہتر بنا لیا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ عرب ان اقوام کے شاگرد ہیں دور کیوں جاؤ یوروپین اقوام کی طرف نظر کرو۔ جنکی تمدنی حالت آج دیگر اقوام کے لئے سبق ہے انہوں نے اکثر علوم مثلاً تاریخ۔ جغرافیہ۔ ہندسہ ہیئت۔ جہانداری۔ عربوں سے سیکھی اور کچھ تغیر و اضافہ کے بعد بالکل اپنے موافق بنا لیا۔ کیا کوئی آج یہ بات کہہ سکتا ہے کہ عرب یوروپین اقوام کے

استاد ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسلئے کہ یوروپین اقوام نے "عقلمند را اشارہ کافی است" تھوڑی باتیں لیکر انہیں چلا اور ترقی دیکر اپنا بنالیا۔ لیکن عرب اپنی پہلی حالت پر قانع رہے اور رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ علوم و فنون و تمدنی ترقی میں کوشاں نہ ہوئے۔ بلکہ عشرت و غفلت میں پڑ کر بعض مخصوص اور پرانی خوبیوں کو بھی کھو بیٹھے۔ اگر جاپان کی طرف خیال کرو تو یہ معلوم ہوجائیگا کہ دوسرے کی اچھی باتیں اختیار کرنا کس قدر مفید ہے۔ جاپانکی ترقی کا کا دارومدار اس زرین اصول پر ہے، کہ ہم سچائی یورپ ہندوستان امریکہ سے لینگے بہشت سے لینگے اگر دوزخ میں موجود ہو تو وہاں سے بھی حاصل کریں گے" اس ہونہار قوم کے اس اصول کا مطالعہ کرنیکے بعد ہماری نظر بدنصیب ہندوستان پر اٹھتی ہے اور خیال آتا ہے کہ کیا ہندوستانی کبھی ترقی یافتہ اقوام کی ترقی کے راز کو پہنچکر ان کے نقش قدم پر چلنے کی آرزو رکھتے ہیں؟

جبتک ہماری قوم میں سب طرح کی تعلیم رائج نہو گی ہماری تعلیم کسی طرح سے مکمل کہے جانیکی مستحق نہیں کہلائیگی نہ ہم کسی طرح کی ترقی کرسکیں گے ہمارے بزرگوں اور حامیان قوم کو مناسب ہے کہ گورنمنٹ کو جلد اسطرف متوجہ کریں کہ اس قسم کی صنعت و تجارت و زراعت کے اسکول ہندوستان میں عام کھولے جائیں جن سے اہل ہند مستفید ہو کر اپنے

پاؤں پر کھڑے ہو جانیکے قابل ہو جائیں۔ ورنہ جو تعلیم فی زمانہ رائج ہے
وہ کم از کم پچاس فیصدی انڈین کو بھوکوں مارتی ہے۔ یعنی گراجویٹ
ہونیکے بعد بھی طالب علم اس قابل نہیں ہوتے کہ انہیں آسایش کی
زندگی بسر کرنے کیلئے کوئی اچھا سرکاری عہدہ مل جائے البتہ جو لوگ
بی اے کے بعد کوئی لائن اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ تو کچھ نہ کچھ زمانہ میں
نبھنے کے قابل ہو جاتے ہیں مثلاً جو لوگ انجنیری۔ بیرسٹری۔ ڈاکٹری
کی تعلیم حاصل کر لیتے ہیں لیکن ان میں ہر ایک سرکاری ملازمت حاصل
نہیں کر سکتا۔ بلکہ اکثر کو پرائیوٹ دکانوں پر کام کرنا پڑتا ہے۔ انٹرنس
اور ایف۔ اے تو آجکل کسی شمار ہی میں نہیں۔ ایسی حالت میں طالب علم
اپنے آبائی پیشہ میں بھی بے تمیز ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ان کاموں
کو بھی نہیں چلا سکتے اور نہ گھر کے رہتے ہیں نہ گھاٹ کے ایسی حالت میں
ہمیں اپنی مدد خود کرنی چاہئیے اور جلد تر سرکاری توجہ اس طرف
مبذول کروانی چاہئیے۔ اگر بدقسمتی سے سرکار توجہ نہ کرے تو تلد ایسے
فنڈ قائم کرنے چاہئیے جس میں تمام لوگ کم از کم اپنی آمدنی کا پانچ فیصدی
ماہانہ براہ حب الوطنی اور خیرات عنایت فرمائیں اور اسی روپیہ سے
جابجا ایسے اسکول کھولے جائیں۔ ساتھ ہی عورتوں کی تعلیم بھی
عام کیجائے لیکن عورتوں کیلئے بھی طرح طرح کے اسکول ہوں۔

کچھ تو اس قسم کے جیسے اب موجود ہیں کچھ اس طرز سے علیحدہ جس میں
خانگی امور پرورش اطفال صنعت و دستکاری تاریخ کی تعلیم زیادہ ہو
نیز حفظان صحت کے تمام اصول سکہائے جائیں۔ ایسے اسکولوں میں
عملی کام زیادہ ہو اور کتابی نسبتاً کم فقط۔
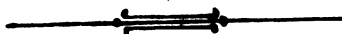
گیتی آرا زینت

زینت تخلص۔ بنت شیخ محمد اکبر عمر صاحب بیرسٹر زوجۂ محترمہ ڈاکٹر ابو الطاہر کیانی قصوری۔ ۶؍ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں عالم ہستی میں آئیں سکرٹ ہارٹ اسکول لاہور میں تعلیم پائی۔ آپ نے ہندوستان کے مشہور مقامات کی سیاحت کی ہے اپنے پدر بزرگوار کے پاس جو آجکل افریقہ میں بار کی پریکٹس کر رہے ہیں رہ آئی ہیں۔ حماسہ۔ نیروبی۔ زنجبار دار السلام بھی دیکھا ہے۔ آپکے مضامین زنانہ پرچوں میں اکثر شایع ہوئے ہیں۔ مناجات ذیل سے آپکے ذوق شاعری پر روشنی پڑتی ہے۔ نثر بھی لکھتی ہیں۔

اے واقف راز نہاں اے پادشاہ دو جہاں اے والئے کون و مکاں مشکل مری آسان کر

اب میں بہت حیران ہوں بالکل تباہ و ویراں ہوں تری سگ دربان ہوں مشکل مری آسان کر

ہے زینت خستہ دل عصیاں سے اپنے منفعل ہوتی ہے ہی خوار و خجل مشکل مری آساں کر

مسلمان خواتین سے دو دو باتیں

تعلیم۔ اسوقت تعلیم کی غرض وغایت محض حصول ملازمت سمجھی جاتی ہے نونہالان قوم واک عورت کی گود میں پلتے اور تربیت پاتے ہیں۔ لہذا ہر عورت ایک استاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ چونکہ بچپن میں جس قسم کی ذہنیت پیدا کردی جائے وہی ذہنیت تمام عمر رہتی ہے اسلئے ضروری ہے کہ ہم اندازہ لگائیں کہ ہمیں کیسے بچے پیدا کرنے ہیں اور انہیں کس کام کیلئے تیار کرنا چاہئے۔ تعلیم کا مقصد ملازمت نہیں ہے بلکہ انسان میں برُے بھلے کی تمیز پیدا ہوجائے اور عقل وشعور آئے۔ گو تعلیم ایک ذریعہ بھی ہے جس سے انسان اپنے لئے روزی پیدا کرسکے لیکن یہ خیال کہ ہر تعلیم یافتہ شخص ضرور ملازمت ہی حاصل کرے ایک غلامانہ ذہنیت کے سوائے کچھ بھی نہیں ہم میں بعض کسان ہیں۔ بعض بڑہئی کا کام کرتے ہیں بعض لوہار اور بعض سنار اسی طرح بعض کپڑے بنتے ہیں تو بعض دوسرے کام کرتے ہیں اگر ان محنتی آدمیوں کے لڑکے تعلیم پاکر اپنے اپنے ہی فنون اور کاروبار میں لگے رہیں تو بہت زیادہ ترقی کرسکتے ہیں بہ نسبت اسکے کہ وہ اپنے آبائی پیشہ کو چھوڑ کر محض پندرہ بیس روپیہ کی کلرکی کیلئے دربدر دھکے کھاتے پھریں۔ ولایت میں تعلیم عام ہے۔ ہر پیشہ کے لوگ تعلیم یافتہ ہیں

وہ تعلیم پانے کے بعد اپنے آبائی پیشوں کو خیرباد نہیں کہہ دیتے بلکہ
اُن خاص خاص پیشوں میں اعلیٰ تعلیم پاکر اپنے اپنے فن میں ماہر استاد
بننے کی کوشش کرتے ہیں لہٰذا ہمیں بھی اس امر کی کوشش کرنی چاہیئے کہ
ہمارے بچے تعلیم پاکر اپنے آبائی پیشوں میں ماہر فن استاد بنکر قوم و ملک
میں نام پیدا کریں۔ کوئی پیشہ جس میں گاڑھے پسینے کی محنت سے نیک
روزی پیدا کیجائے ذلیل یا رذیل پیشہ نہیں ہے ہمیں محنتی پیشہ ور کنبوں
کو بے غیرتی کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ جب ہی ہمارا ملک اور ہماری
قوم ترقی کر سکتی ہے۔

اسیطرح لڑکیوں کی تعلیم کیلئے بھی ہمیں خاص توجہ درکار ہے میں
دیکھتی ہوں تعلیم یافتہ لڑکیاں یہ خیال کرنے لگ جاتی ہیں کہ
گھر کے کام کاج مثلاً جھاڑو دینا۔ کھانا پکانا اور دیگر خانہ داری کی باتیں
سب کی سب نوکروں اور ماماؤں کے کرنے کی ہیں۔ ہمیں اون سے
سروکار نہیں اب ہم لکھ پڑھ گئی ہیں اب ہی کیا ہم وہی جاہل نوکرانیوں
والے کام کرینگی؟ تو انکی خدمت میں بھی میری یہی غرض ہے کہ تعلیم
آپ کو اسلئے نہیں لوائی جاتی کہ آپ گھر کی رہیں نہ گھاٹ کی۔ بلکہ تعلیم کا
مقصد یہ ہے کہ آپ اپنے کاموں کو بہ نسبت ایک جاہل پھوہڑ بی بی کے
ایک عاقل سمجھدار اور سگھڑ بی بی کی طرح انجام دیں۔

آپکے اب بھی وہی رہیں گے۔ فرائض میں آپکے کوئی فرق نہیں آئے گا۔
فقط انجام دینے میں آپکی تعلیمی خوبیوں کے سبب ایک امتیاز پیدا ہو جائیگا
جو دوسری غیر تعلیم یافتہ جاہل لڑکیوں میں نہیں ہو سکتا۔ بس یہی مقصد آپکی
تعلیم کا ہے۔

یہ دونوں ذہنیتیں مردانہ و زنانہ تعلیم کے متعلق ہم عورتوں کو پہلے
خود پیدا کر لینی چاہئیں پھر اپنے بچوں میں بھی پیدا کر سکیں گی اسکے بعد
ملک کی خدمت باہمی اتحاد قومی اپنی قوم کی ترقی و فلاح کی خواہش یہ سب
باتیں ایسی ہیں جو اس بنیادی ذہنیت کے بعد ہمیں اپنے بچوں میں پیدا
کرنا ہیں۔

خاتون سعیدہ سعیدہ

سعیدہ تخلص عرف شوکت دلہن بنت حکیم مولوی محمد سجاد حسین صاحب
بادنی ہیڈ مولوی مشن ہائی اسکول میں پوری کی دوسری صاحبزادی
ہوتی ہیں اور مولانا محمد اعمر صاحب شوکت تھانوی کی زوجہ محترمہ
شیخ صدیقی حنفی المذہب ہیں

سنہ ۱۳۲۵ھ میں بمقام للت پور پیدا ہوئیں۔ آپ کا تاریخی نام
بی بی اصغری رکھا گیا اس حساب سے آپکی عمر ۲۲ سال کی ہے۔

والد محترم سے برسم قدیم قرآن مجید اردو فارسی کی تعلیم گھر ہی
میں حاصل کی چونکہ آپکے والد بزرگوار کو اپنے دونوں صاحبزادیوں کو
اچھی تعلیم دینے کا بہت کچھ خیال تھا اسلئے علاوہ اردو فارسی کے
عربی کی تعلیم بھی دی اسکے بعد ہوشیار صاحبزادی نے اپنی مطالعہ کو
وسیع کیا ابتداً انگریزی کے طرف توجہ نہیں کی لیکن اب آپ انگریزی میں

بھی دلچسپی لے رہی ہیں۔

بچپن سے آپکو شعر سننے اور عمدہ شعر پڑھنے کا شوق تھا اور جس قدر عمر بڑھتی گئی یہ مذاق بھی ترقی کرتا گیا اور آپ ہمیشہ یہ سوچا کرتیں کہ میر غالب مومن انیس وغیرہ بھی تو آخر انسان ہی تھے مجھ میں کونسی کمی ہے کہ میں ان شعرا کی طرح شعر نہ کہوں چنانچہ شعر خود کہنے کی کوشش کی لیکن آپ یہ اندازہ نہیں لگا سکیں کہ وہ شعر موزوں بھی ہیں یا نہیں۔ بہر حال آپ نے اپنے ذہن میں میر کے شعر کی ایک لئے قرار دے لی تھی اسی لئے کہ وزن پر شعر کہنے لگیں اور بہت کچھ کہہ ڈالا لیکن ایک بھی شعر لکھا نہیں۔ اب تو یہ عالم تھا کہ اس شوق میں اور بیتابی پیدا ہو گئی اور فطرت نے خود بھی شوق کی تکمیل کیلئے ایک شیریں بیان شاعر کا آپکو رفیقہ حیات بنا دیا جب شاعر شوہر کو آپ کے جوہر قابلیت کا پتہ چلا تو سفید مشورے دیئے اور اب آپکا ہر ہر شعر ضبط تحریر میں آتا اور شوکت صاحب اصلاح دیتے آخر ایکدن آپ نے اپنا ایک شعر اپنے مونس تنہائی کو دکھایا جو بغیر اصلاح کے کہدیا گیا کہ بالکل ٹھیک ہے وہ ذیل کا مقطع تھا۔

اے سعیدہ گریۂ شبنم کے پھول تا سحر ہنستے رہے گلزار میں

اس دن آپ کو بے انتہا مسرت ہوئی اور آپ نے پھر عروض کی

تعلیم حاصل کی۔ ماشاء اللہ اب تو ایک اچھی شاعرہ مشہور ہیں آپ کی نظمیں ادبی رسائل اور خاص کر نسوانی پرچے۔ سہیلی۔ نور جہاں تہذیب النسواں۔ حرم وغیرہ میں دیدہ زیب ہوتی ہیں۔ نثر نگاری میں آپکو افسانہ نویسی سے زیادہ دلچسپی ہے ذیل میں آپ کے مذاق ادبی کے چند نمونے ملاحظہ ہوں

کہاں کی بھیڑ ہے یارب عدالت گاہ محشر میں — کبھی آبادیاں اتنی نہ تھیں دنیا کے منظر میں
مرے نالوں سے شان ضبط غم مجروح ہو جاتی — نہیں تو میں پلٹ دیتی نظام دہر پل بھر میں
شب فرقت کی بیتابی سحر میں واقف نہیں لیکن — کسی نے جیسے کانٹے رکھ دیئے ہیں آج بستر میں
تخیل ہے کہ وحشت ہی سمجھ ہی میں نہیں آتا — خدا کیونکر نظر آتا ہے ہر خاموش منظر میں
نہیں معلوم اسکے بعد کتنے انقلاب آئے — جنوں کے ساتھ اک صحرا بھی آیا تھا مرے گھر میں
ضرورت مجھکو کیا ہنگامۂ امن کی ہے سوئی — اسے میں دیکھ لیتی ہوں کسی خاموش منظر میں
یہی آنسو کے قطرے گوہر مقصود بنجاتے — جو آجاتا تمہارا عکس میرے دیدۂ تر میں

سعیدہ داغ دل کیا ہے محبت کا عطیہ ہے
یہی اک چیز ہے جو کام آئے بزم محشر میں

محدود خیالی

دنیا نام ہے تاریکی کا، دروغ کا، وہم کا۔ جرائم کا، بدگمانی کا، دشمنی کا،

اور تمام ترین بیہودگیوں کا۔ دنیا میں نوع انسان کی پیدائش کا مقصد اول "آزمائش" ہے شیطان ہمکو بار بار دہوکے دے رہا ہے اور اپنی پوری طاقت ہمکو قرب الٰہی کی کیفیتوں سے محروم رکھنے کیلئے صرف کر رہا ہے اور ہم کمزور ہیں۔ گو خداوند کریم نے ہمکو شیطان سے بچنے اور دنیا کی راحت نما کلفتوں سے نجات پانے کے راستے بتائے ہیں لیکن ہم اپنی کمزوری کے باعث اندھے ہو گئے ہیں اور اصل راحت کو کلفت۔ اصل کلفت کو راحت سمجھتے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم پر تمام ادبار گھٹاؤں کی صورت میں مستولی ہیں۔ ہماری سیاہ کاریوں نے ہمارا اعتبار ایک دوسرے سے کھو دیا ہے۔ ایک شوہر اپنی بیوی کیطرف سے مطلق مطمئن نہیں ہے آخر کیوں؟ صرف اسلئے کہ اوسکے پیش نظر وہ مناظر ہیں جو حد درجہ شرمناک ہونے کے علاوہ ایک مستقل اثر دل و دماغ پر ڈال گئے ہیں۔ اب یہ لازمی امر ہے کہ ایک مثال ملجانیکے بعد وہ شوہر جنکی نظریں صرف مثنوی زہر عشق، چلبلا معشوق، بانکا سپاہی وغیرہ وغیرہ ہی پر محدود ہوں اپنی بیویوں کا بھی وہی دکریکٹر سمجھ لیں اوسمیں اون شوہروں کا کیا قصور اور اگر ہے بھی تو صرف اتنا کہ اون کی تعلیم اس قدر غلط ہوئی کہ اونکو فطری طور پر محدود خیال ہو جانا پڑا اصل قصور تو تباہ کن افراد کا ہے۔ جنہوں نے یہ زہر پھیلایا۔

واضح رہے کہ تعلیم بھی ایک نرم شاخ کے مانند ہے کہ اس کو جسطرف موڑو اوس کا رخ مستقلاً اسی طرف ہو جاتا ہے۔ تعلیم کا مصرف غلط اور صحیح دونوں ممکن ہے۔ جسکی مثال ہر طرح بھی ہو گی کہ مصنف اجتماع ضدین ایک کار آمد تعلیم یافتہ ہے اور اوس کا دماغ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مفید نمونے پیش کر سکا بر خلاف سکے مصنف "بوالہوس بنگالی" ہے یہ بھی تعلیم یافتہ شخص ہے لیکن اسکے کارنامے دیکھکر لوگ تعلیم ہی کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ اب کم تعلیم یافتہ افراد، اجتماع ضدین، کو دیکھکر لطف ضرور حاصل کرینگے مگر نتیجہ جو کچھ "بوالہوس بنگالی" سے نکالیں وہ اس قدر اثر پذیر ہو گا کہ، اجتماع ضدین، کو بالکل بیکار کر دیگا۔ ان اسباب نے بد گمانی اور بد گمانی نے محدود خیالی کو تخلیق کیا۔ اب یہ پست تعلیم یافتہ طبقہ میں رواج ہو گیا کہ ایک لڑکی یا ایک بہو یا ایک بیوی یا ایک بہن کا قلم ہلانا گویا آوارہ ہونے کا پیش خیمہ ہے۔ مضامین لکھنا درکنار خط تک لکھنا خواہ وہ اپنے کسی عزیز ہی کے نام کیوں نہ ہو سخت ترین جرم ہے۔ ہماری قوم میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ لڑکی خوب پڑھ سکتی ہے لیکن لکھنے سے قطعاً معذور الف کی شکل کے علاوہ کوئی حرف صحیح نہ لکھ سکیگی یہ ہیں محدود خیالی کے نتائج کہ قوم جہالت کے سمندروں میں غرق ہے

اور روز بروز ڈوبے ہی رہے ہم اپنی قوم کی تباہی کو دیکھ رہے
ہیں اور اوس کے غلط وجوہ تراش رہے ہیں لیکن ہماری نظر میں
اس پر نہیں پڑتی ہیں کہ یہ سب کچھ محدود خیالی کے اثرات ہیں۔

خورشید اقبال حیا

حیاؔ تخلص بنت مولانا صوفی نظیر حسن صاحب زبیری میرٹھی ، رجولائی ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ نے کسی اسکول میں تعلیم نہیں پائی بلکہ گھر پر ہی اردو کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اسکے بعد ذوق تعلیمی ترقی کرتا گیا۔ فارسی میں اپنے پدر بزرگوار سے استفادہ کیا اور آپ انگریزی بھی اوسی قدر جانتی ہیں جس حدتک کہ ایک ہندوستانی خاتون کو ضرورت ہے۔ تین چار سال سے شعر کہنے کا شوق ہوا ہے۔ آپ کا مذاق شعری اچھا ہے۔ عصمت دہلی میں آپکی نظمیں اکثر شائع ہوتی ہیں اقتباس ذیل آپ کے مذاق شعری کا شاہد ہے۔ نثر بھی لکھتی ہیں

سکوت شام

حکومت صبح ختم ہوتی ہی لشکر شام آیا ہے
شفق کے پردوں میں خسرِ آفتاب چہرہ چھپا رہا ہے

نظام عالم پہ بڑا داسی زمین ہیئت بدل رہی ہے
خموشیوں کا سنہرا پرچم ہواؤں میں لہلہا رہا ہے

سوادِ گلشن پر اک حجاب سا یہ ہے رفتہ رفتہ طاری — حجاب خاموش میں کلی کھل رہی ہے گل مسکرا رہا ہے
جہانِ فطرت میں لی ہے انگڑائی سب نے جو نکو سوز تھی — آسماں اپنی انجمن کو پھر از سرِ نو سجا رہا ہے
زبانِ نطق و بیاں کی موسیقیت میں گم ہیں رباب عیاں ہیں — سکوت سازِ خموش اپنا محل محل پر سجا رہا ہے
سکوت کا جام چل رہا ہے سکوت دنیا بدل رہا ہے — سکوت ہر شئی میں ڈھل رہا ہے
کنول خموشی کا جل رہا ہے — سکوت دنیا پہ چھا رہا ہے

کالی گھٹائیں

میں جانتی ہوں کہ جسے ابرِ برشگال یا ساون کی گھٹا کہتے ہیں وہ سمندر کے قطرات کا ایک طوفان مرکب اور پانی کی بوندوں کا ایک سیلاب مرتب ہے۔ مگر پھر بھی جب یہ طوفان اور یہ سب سیلاب مرکب و مرتب ہو کر آسماں پر گرجتا اور چمکتا ہوا نظر آتا ہے تو خود بخود جذبات میں ایک ہیجان اور حسیات میں ایک انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور میں ایسا محسوس کرنے لگتی ہوں کہ گویا کوئی چیز میرے دل کی گہرائیوں سے نکل کر اڑی چلی جا رہی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اسے کسی نہ کسی طرح پر اپنے بیقرار دل میں رکھ لوں۔

بادل اڑے چلے جاتے ہیں اور اون کا چہرہ گویا میرے ہی طرف ہوتا ہے وہ مجھے دیکھتے ہیں اور جب میں ان پر ایک للچائی ہوئی نظر

ڈالتی ہوں تو وہ مجھے ہنستے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میں محسوس کرتی ہوں مگر بیان نہیں کر سکتی کہ اس کارواں ابر کو متحرک دیکھکر میرے دل میں کس قسم کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

ہنگامۂ کائنات اور شورش جہاں سے یکسو ہو کر جب میں دشت و کوہسار کی فضاؤں تک تکیۂ خیال بنی ہوئی پہونچ جاتی ہوں تو اپنی ہی طرح کوئل کو بھی اضطراب انگیز جذبات سے لبریز دیکھتی ہوں وہ نغمہ برشگال گاتی ہے اور میں اسکے معانی پیدا کرتی ہوں میں سمجھتی ہوں کہ وہ میری ہی طرح کچھ چاہتی ہے مگر جسطرح کوئی مرے جذبات کا مفہوم نہیں سمجھا اس کے نغموں کا مطلب بھی عام سماعت کی پذیرائی سے محروم رہجاتا ہے میں اپنے خیالات کی دوربین بند کر کے تصورات کے سیلاب کو سمیٹ کر پھر اپنے گھر کے ایک خاموش کمرہ میں آجاتی ہوں جہاں ماحول کی پاکیزہ اور عصمت بد دش حدیں مجھے صدہا احتیاط آمیز سلیقوں سے گھیرے ہوئے ہوتی ہیں میں کسی میں اپنے جذبات کا متوج نہیں دیکھتی مگر میری کتابیں، میری میز، اور میرا سامان خواب میرے جذبات کی اوس سے بھیگا ہوا نظر آتا ہے میں پھر کالی گھٹاؤں کو دیکھتی ہوں اور اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہوں۔ خدا جانے کیوں؟......

میں چاہتی ہوں کہ یہ موسم جلد از جلد ختم ہو جائے..... اور میری

دیوانگی کم ہو...... مگر وہ کبھی اپنے وقت سے پہلے ختم نہیں ہوتا
مجھے پریشان کرتا رہتا ہے۔ میں بادلوں کے ساتھ اڑتی رہتی ہوں
اور عین پرواز میں جب میرے سر کے بال کھل پڑتے ہیں تو میں خود بھی
آغوش برق میں کیف بار گھٹا کا ایک ایسا خوبصورت ٹکڑا معلوم ہوتی ہوں
جو برسنے کیلئے اپنی منزل تک چلا جا رہا ہے۔ منظر ابھی بہت دور
نظر آتا ہے۔

اخلاق فاطمہ

بنت انتظار علی صاحب بی اے۔ (علیگ) آپ ہاشمی و قریشی خاندان سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عباس رضؓ سے ملتا ہے قصبۂ کاکوروی میں پیدا ہوئیں۔ وہیں ہوش سنبھالا۔ ابتدائی تعلیم مولویوں سے حاصل کی۔ ذہن اچھا تھا جو پڑھایا جاتا جلد یاد کر لیتیں چنانچہ نو مہینہ میں قرآن شریف ختم کیا۔ اردو کی چند درسی کتابیں پڑھنے کے بعد دینی تعلیم حاصل کی فارسی پر بھی عبور ہے زمانہ حصول تعلیم میں وطن سے چلے جانے کے باعث سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا۔ کتب بینی کا بچپن ہی سے ذوق تھا صغر سنی ہی سے کتابوں کا کیڑا بنی رہیں آپکے مطالعہ میں زیادہ تر تاریخی۔ اخلاقی کتابیں ہیں کیونکہ گھر میں اخلاقی، تاریخی، تمدنی کتابوں کا عظیم ذخیرہ موجود تھا جس نے آپکے مذاق ادب کو اور چمکا دیا۔ تہذیب نسواں کی پرانی جلدیں تو

بچپن ہی سے آپکی رفیق حیات رہیں کیونکہ یہ پرچے آپکے عالم وجود میں آنے سے پہلے آپکی والدہ صاحبہ اور خالہ صاحبہ پاس آیا کرتے تھے۔ آپکے سب بھائی اور بہنوں نے ملکر سنہ ۱۹۱۳ء میں بمقام بہرائچ ایک انجمن بنام " انجمن تہذیب سوشل اینڈ لٹریری کلب کے نام سے قائم کی تھی جسمیں ہفتہ وار جلسے ہوتے اور خود نوشتہ مضامین پڑھے جاتے تھے تو آپ بہ نسبت دوسرونکے مضمون نویسی میں سبقت لیجاتیں جس کے آپ سکرٹری بھی تھیں۔ اگرچہ سلسلہ تعلیم منقطع ہو چکا تھا لیکن آپ کے ہونہار اور تعلیم کے فدائی بھائی نے پھر اس تذکرہ کو چھیڑا اور اپنے فرصت کے اوقات اور کالج کی تعطیلات میں آپکو تعلیم دیا کرتے چنانچہ اونکی توجہ سے حساب وغیرہ بخوبی سیکھ لیا مضامین نویسی میں آپکی طبیعت کو ادب سے زیادہ لگاؤ ہے ملک کے ادبی رسائل میں آپکے مضامین نکلے ہیں۔ خلقی کمزوری کے سبب آپ لکھتی کم ہیں سنہ ۱۹ او ۲۰ و ۲۱ء کے تہذیب نسواں میں محنت چھوٹی لیاقت کا اظہار یاد وطن پر آپ کے مضامین شائع ہوئی ہیں بعض قدیمی رسم ورواج کی مخالف ہیں۔ مذہبی یا ہندی کو اپنا شعار سمجھتی ہیں حب وطن اور احساس قومی سے آپ کا دل معمور ہے۔ انجمن تہذیب نسواں بریلی میں عملاً بہت کچھ حصہ لیا ہے کانپور کی انجمن تہذیب نسواں

میں اپنے بہن اور خالہ کی مدد معاون ہیں اور آپ انجمن کی جائنٹ سکریٹری بھی ہیں زمانہ موجود کے قریب قریب تمام زنانہ اور مردانہ رسائل آپکے مطالعہ سے گذرتے ہیں آپ اپنا روزنامچہ بھی کئی سال سے لکھنے کی عادی ہیں اور اس میں فرق نہیں آتا۔ ذیل کا مضمون آپکے ادبی کاوشوں کا ثبوت ہے۔

تاج پوشی

ایک لمحہ سکون نما کو گلاب کی ننھی شہزادی کنول کے پھول کیطرح کھلی ہوئی تھی، اوسکے سینہ پر موتیوں کا مالا جگمگا رہا تھا، اوسکی پوشاک گلابی تھی، اوس کا رنگ سرخ و سپید تھا، جنگل کے تمام پھول اوسے عقیدت مندانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے وہ اونکی ننھی شہزادی تھی اور عنقریب اوسکی رسم تاجپوشی ادا ہونے والی تھی چمن پر بہار تھا کائنات مسرت میں ڈوبی ہوئی تھی صحرا کی بوٹی بوٹی متبسم تھی بلبلیں گا رہی تھیں، کوئل نوا سنج تھی طاؤس رقصاں تھے، دریا ساز بجا رہا تھا، جنگل کا پتہ پتہ تال دے رہا تھا ہوا عطر پاش تھی سبزے پر موتی بکھرے ہوئے تھے فرشتے تاجپوشی کے انتظام میں مصروف تھے طیور پیغام مسرت دے رہے تھے۔ چاند مسکرا رہا تھا آخر صبح کی فضا میں

بلائیں لے رہی تھی، آبشار گنگنا رہے تھے چشمے ترنم نواز تھے۔ نہریں خوش ہو ہو کر کروٹیں بدل رہی تھیں، زمین ہنس رہی تھی آسمان تصویر لے رہا تھا ناگہاں صبح کا فرشتہ آفتابی کرنوں کا تاج زرنگار لئے ہوئے نمودار ہوا اور ننھی شہزادی کے سر پر رکھدیا شہزادی نے اپنے لب کھولکر اظہار تشکر میں قہقہہ لگایا اور پہلے سے زیادہ کھل گئی۔

جنگل چمک اٹھا۔ کائنات مسکرائی۔ فرشتے نغمہ نواز ہوئے چمن کے ذرے ذرے سے مبارکباد کی صدائیں آنے لگیں۔ اشجار نے خوشی کی ڈالیوں نے پھول برسائے۔ پتیوں نے تالیاں بجائیں۔ گل تہنیت پوش ہوئے تیتریاں ناچیں۔ چڑیوں نے دھومیں مچائیں، جنگل کی تمام پیداوار نے چنگ و رباب بجایا!

ہوا نے ننھی شہزادی کا منہ چوما اور کہا کہ" ملکہ کا اقبال بلند ہو"
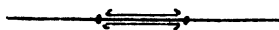
آمنہ خاتون عفت

عفت تخلص دختر اول مولوی عبدالاحد صاحب مرحوم بریلوی اہلیہ مولوی ناظر حسن صاحب مظفر نگری سنہ ۱۹۰۶ء بمقام سہارنپور پیدا ہوئیں اوائل عمر میں اپنے والد کے ہمراہ الہ آباد میں قیام رہا۔ سنہ ۲۰ء میں مولوی ناظر حسن صاحب سے شادی ہوکر مظفر نگر آگئیں آجکل مستقل مقام یہیں ہے۔

تعلیم اردو۔ فارسی اور کچھ انگریزی۔ نثر نگاری میں مشاق شعر ذرا کم کہتی ہیں۔ مصروفیت زیادہ رہتی ہے۔ ہندوستان کے رسائل میں آپکے مضامین شایع ہوتے ہیں۔ ذیل کی نظم آپ کے خیالات کا آئینہ ہے۔

طلوع سحر

وقت نماز ایں ست　　　کیف نیاز ایں است

تارہ دمک رہا ہے دھندلا سک رہا ہے بادل سرک رہا ہے جلوہ ٹپک رہا ہے غنچہ چٹک رہا ہے بلبل چہک رہا ہے

سبزہ لہک رہا ہے بیلا مہک رہا ہے پتہ لچک رہا ہے قطرہ ڈھلک رہا ہے ساغر چھلک رہا ہے شیشہ جھنک رہا ہے

وقت نماز این ست کیف نیاز این ست

شفاف آسماں ہے دریا پاک رواں ہے باد صبا دواں ہے کیسا حسیں سماں ہے غنچہ ہر اک جواں ہے ہر پھول گلستاں ہے

جلوہ ترا عیاں ہے ہر گل میں تو نہاں ہے کیا خوش نشاط ہے ہر ایک مدح خواں ہے دریا صحیفہ خواں ہے ہر موج تسبیح خواں ہے

وقت نماز این است کیف نماز این است

بلقیس بیگم یا بلقیس صمد بیگم
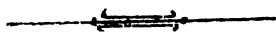
بنت مرزا محمد بیگ صاحب وکیل مرحوم ۔ ننھیال کی طرف سے نسب مغل اور نوابی خاندان سے ملتا ہے جنمیں سے آجکل بھی دو چار افراد خاندان مشہور ہیں دہلی میں سر سید احمد خاں اور نواب اکبر علیخاں مرحوم اور نواب سر بلند جنگ و خواجہ عبد المجید بیرسٹر محمد مرزا ڈپٹی کلکٹر اتہار ہیں ۔ ددھیال میں پٹی ضلع امرت سر کے مرزا ڈل یعنے مغلوں سے نسب ملتا ہے۔

تقریباً تین سال کی عمر میں آپکی والدہ نے رحلت کی نانی نے پرورش کیا اور اپنی خالاؤں کے پاس ۱۹۰۷ء تک رہیں ۱۹۰۹ء میں آپ کے والد نے بھی انتقال کیا صرف ایک بہن نظیر جہاں بیگم اور ہیں جو سردار احمد کے اکلوتے لڑکے سردار حفیظ اللہ سے بیاہی گئیں

ابتدائی تعلیم سب سے چھوٹی خالہ مسز عبدالواحد (سرکاری وکیل) نے دی قرآن مجید نانی صاحبہ نے گیارہ سال کی عمر میں صحیح تلفظ اور قرأت کے ساتھ ختم کرایا۔ اخبار پھول جو ۱۹۰۹ء میں جاری ہوا اس کا مطالعہ شروع کیا جس نے آپکو خود بخود تعلیم کا شائق بنادیا۔ ہرچند خالہ سے اجازت چاہی کہ اسکول میں داخل کرادیا جائے لیکن انہوں نے پرانی وضع قائم رکھتے ہوئے اسکی اجازت نہیں دی۔

لیکن مطالعہ جاری رہا اور نیز خالہ زاد بھائی کا کورس جسمیں حساب جغرافیہ تاریخ سب شامل ہیں دیکھتی رہیں اور اسکے ساتھ ساتھ انگریزی بھی بھائی سے جو کچھ مدرسے سے پڑھکر آتے وہ اونسے پڑھتی رہیں۔ جب بھائی کی مصروفیت بڑھ گئی تو محض انگریزی کا سبق اون سے لیتی رہیں جب بھائی انٹرنس پاس کرکے حصار سے لاہور چلے گئے تو آپ کا تعلیمی سلسلہ موقوف ہو گیا اب صرف لیاقت بڑھانے کا ذریعہ محض مطالعہ تھا جو دوسرے بھائی کی توسط سے انگریزی ناول یا قصے لائبریری سے منگواکر پڑھتی رہیں۔

اس سلسلہ میں آپکو زنانہ دستکاری پر انگریزی میں کتابیں دیکھنے کا شوق ہوا اسوجہ سے اس موضوع پر آپکی نظروں سے بہت ساری کتابیں گذریں اسوقت انگریزی دستکاری کی صنعت

میں آپ ایک بہترین ماہر مانی جاتی ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں آپکی ایک چھوٹی سی تصنیف شایع ہوئی اور اسی زمانہ میں اخبارات اور رسائل نے مضامین نگاری پر آپکو متعدد انعامات دیئے پھر آپکا حوصلہ بلند ہوا اردو میں کروشیا پر ایک کتاب لکھی جو ۱۹۲۲ء میں شایع ہوئی جس پر ملک کے اخبارات ورسائل نے نہایت حوصلہ افزا ریویو کئے انگریزی اخبارات میں ٹریبیون خاص طور پر قابل ذکر ہے ۱۹۱۱ء میں مضمون نگاری کی ابتدا ہوئی کم دبیش ۱۹۲۲ء تک ملک کے مختلف رسائل میں آپکے مضامین شایع ہوتے رہے کبھی کبھی نظم بھی لکھ لیتی ہیں ۴ ر فروری جولائی ۱۹۲۴ء میں ڈاکٹر عبدالصمد خاں اسٹنٹ سرجن جو صوبۂ سرحد کے رہنے والے ہیں بیاہی گئیں اور آجکل پشاور میں مقیم ہیں۔ بہت کچھ کوشش کی کہ انٹرنس کا امتحان دیدیں مگر ذرائع مسدود تھے اور ڈاکٹر صاحب بوجہ کثرت کار آپکی امداد نہ کرسکے آپکے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں اب سب طرف سے توجہ ہٹ کر ان بچوں کی تعلیم وتربیت میں لگی ہوئی ہے اب بھی آپ کا ارادہ ہے کہ کروشیا کا دوسرا حصہ اور انگریزی کہانیوں کا ترجمہ طبع کرادیں جو مکمل رکھا ہوا ہے۔

جستجوئے مسرت

اے مسرت بتا تو کہاں ہے؟ کیا آسمان نیلی فام پر، ہوا کی بادلوں سے چھیڑ چھاڑ میں پنہاں ہے، جب سورج کی شعاعیں بادلوں میں ہو کر گزرتی ہیں اور ہوا ان کو مثل روئی کے گالوں کے ادھر ادھر لئے پھرتی ہے کبھی بادلوں کی نقاب آفتاب عالم تاب کے منور چہرہ پر ڈالکر اہل نظر کی نظروں سے چھپا دیتی ہے اور پھر کبھی انہیں منتشر کر دیتی ہے ہاں بتا کیا ہوا کے سمندر میں بادل کی کشتیوں پر سوار ہوتی ہے، یا غروب آفتاب کے وقت بادلوں کا سنہری رنگ بنجاتی ہے، اور شفق کی صورت میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ انہیں تو وہاں بھی نہیں ہے کیونکہ اگر وہاں ہوتی تو شفق ہرگز زرد ہو کر غائب نہ ہو جاتی۔ اچھا تو پھر کہاں ہے؟

کیا تو باد نسیم بنکر صبح کے وقت ہر ہر پھول کو گدگدا کر اٹکھیلیاں کیا کرتی ہے۔ کیا پھولوں کے گدگدانے اور مسکرانے میں تو پنہاں ہے اے مسرت تو ہی بتا کہ میں تجھے کہاں پاؤں! اچھا کیا تو پھولوں کے شاخ شجر کے جھونکوں سے جھومنے میں نہاں ہے مگر نہیں اگر تو وہاں ہوتی تو پھر دوپہر کی خاموشی میں وہ ہرگز پژمردہ نہ ہو جایا کرتے۔ اچھا تو

پھر بتا تو کہاں ہے۔ کیا اس جگہ ہے جہاں کہ وادیٔ سبز اپنا مخملی جبہ پہنے
اپنی گود میں سیکڑوں ندیاں لئے کھڑی ہے آبشار جوش مسرت سے
ابل ابل کر دامن وادی پر آ رہے ہیں اور مسرت کا میٹھا راگ گاتے ہوئے
میدان کیطرف نکل جاتے ہیں اور آخر مادر بحر سے جا ملتے ہیں مگر نہیں
تو وہاں بھی نہیں ہے۔ سردی آئی اور آبشار کا وہ جوش نہیں رہا
بلکہ اور اداسی چھا گئی۔ وادی کا وہ ہرا جبہ موسم خزاں میں بیماری
غم سے پیلا پڑ گیا۔ آہ! تو تو وہاں بھی نہیں۔ اگر وہاں ہوتی تو ہرگز وہ
وادی پر فضا یوں خزاں کا سکار نہ ہوتی۔ اچھا پھر تجھے کہاں پاؤں!!

بس ہو نہو ننھے ننھے خوش گلو پرندوں کے نغموں میں تو ضرور ہے
وہ غمزدہ ہوتے تو ہرگز اس مسرت دلی کے ساتھ سریلے راگ نہ الاپتے!
ہاں! ہاں بس تو وہیں ہے! مگر کسی لیے درد نے غلہ مارا اور وہ چڑیا
تڑپ کر زمین پر آ رہی، اور چشم زدن میں گلشن مسرت مایوسی کا آماجگاہ
بنگیا، نہیں، تو تو یہاں بھی نہیں ہے پھر آخر کہاں ہے۔

تو ہو نہو پھولوں کی دلکشی میں ہے وہ دیکھ کس طرح مسکرا رہے ہیں
بس بس پا لیا تو یہیں ہے مگر نہیں۔ صبح سے شام تک انہوں نے
بہار دکھائی شام ہونے سے پہلے تو وہاں بھی نہیں ملتی مسرت پھر میں
تجھے کہاں ڈھونڈوں۔

تو قطعی لیلی شب کی مسکراہٹ میں موجود ہے ورنہ رات کے گھپ اندھیرے میں جگمگ تاروں کو لیکر بیٹھنا کیا معنی رکھتا ہے یہ تیرا ہی کرشمہ ہے کہ تمام دنیا تو نیند میں مدہوش ہوا اور لیلے شب اپنے نور نظر اپنے آنکھوں کے تاروں کو گود میں لئے پلک سے پلک نہ جھپکائے پالیا۔ پالیا اے تو مل گئی، مگر نہیں جونہی عروس مشرق نے اپنے رخ سے سیاہ چادر ہٹائی اور نسیم سحر نے مشرق سے مغرب تک آمد سحر کا مژدہ سنایا اور لیلی شب کا رنگ فق ہوا چند منٹ پہلے وہی ستارے جو کہ زینت فلک تھے ماند پڑنے شروع ہوئے اور آن کی آن میں غائب، تو تو وہاں بھی نہیں۔ مگر پھر کہاں ہے۔

دوددست تشنہ دیدار۔ ماں کی ممتا، بادلوں کی چھیڑ چھاڑ میں ہر جگہ تلاش کیا مگر تو نہ ملی۔

آہ اے مسرت! میں تجھے کہاں پاؤں! آخر تو ہی بتا تیرا قیام کہاں ہے، اگر تو مرے پاس نہیں آتی تو خیر میں ہی تجھ تک پہونچنے کی کوشش کروں...... ــــ

زکیہ خاتون

بنت ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب اضلاع یوپی میں پیدا ہوئیں ایک خوشحال روشن گھرانے کی چشم و چراغ ہیں جنہیں تعلیم و تعلم سے ہمیشہ شوق رہا۔ ابتدائی درسی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ اسکے بعد گھر ہی میں ماسٹروں سے پڑھتی رہیں۔ پرائیوٹ طور پر اینگلو ورنیکولر مڈل کا امتحان نہایت اچھے نمبروں میں پاس کیا انگریزی کا شوق اب تک جاری ہے مضامین نگاری کا بھی ذوق رکھتی ہیں فرقہ نسوان کے جہل پر متاسف رہتی ہیں تحریر میں روانی ہے۔

بدحواسی کی چند قسمیں

ایک دفعہ زمیندار کے افکار و حوادث میں چھپا تھا کہ بدحواسی کی دو قسمیں بہت ممتاز ہیں۔ قولی بدحواسی اور فعلی بدحواسی۔ بدحواسی یہ ہے

جیسے بعض لوگ "گھنٹے کی چوٹ" کو بوکھلاہٹ میں "چٹنے کی گھوٹ" اور جنازے کی نماز" کو "نمازے کی جناز" کہدیا کرتے ہیں۔ فعلی بدحواسی بھی عامتہ الورود شئی ہے۔ مثلاً ٹیلی فون پر پہنچکر جلدی میں سننے کا آلہ منہ سے اور بولنے کا آلہ کان سے لگا لینا۔ تار کے چپراسی کی رسید پر دستخط کر کے تار کا لفافہ اسکے حوالہ کر دینا اور خود رسید لے لینا یا بعض اوقات اپنی پنسل چپراسی کے حوالہ کر دینا یا چپراسی کی پنسل اپنی جیب میں ڈال لینا غرض یہ ہے کہ یہ واقعات گو کیسے ہی غیر اہم اور معمولی ہوں لیکن اہل ذوق کے لئے انہیں ہنسنے ہنسانے کا کافی سامان ہوتا ہے۔ بھائی پرمانند جنھیں ہندو اخبارات دیوتا سروپ، لکھا کرتے ہیں پچھلے دنوں لکھنو تشریف لے گئے تھے وہاں آپنے قولی اور فعلی دونوں قسم کی بدحواسیوں کا جو مرقع پیش کیا اس کا چرچا لکھنؤ کے اخباروں میں خوب ہوا۔ آپنے لالہ لاجپت رائے کی حمایت میں نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اونہیں فرمایا، اگر کوئی یہ ثابت کرے کہ پنڈت موتی لال نہرو نے لالہ لاجپت رائے سے زیادہ ملک کی خدمت کی ہی تو میں اسکے سر پر اپنے پیر رکھدوں گا۔ مطلب آپکا یہ تھا کہ اسکے پیروں پر اپنا سر رکھدوں گا، لیکن بدحواسی کا برا ہو جس نے زبان سے کچھ کا کچھ نکلوا دیا۔ لاہور کے اجلاس مسلم لیگ میں میاں فضل حسین صاحب

بھی ایکدفعہ بدحواسی کا شکار ہوکر یہ فقرہ بول اٹھے تھے کہ ،، آپ کا بجا نا بالکل فرنا ہے۔

لے دہیانی بھی بدحواسی کی ایک قسم ہے اب اسکی تفصیل بھی سنئے ۔ ابھی حال کا ذکر ہے کہ بھائی جان ہاتھ میں گلاس اٹھائے غسل خانے میں داخل ہوئے وہاں پر اسوقت والد صاحب بھی کھڑے تھے بھائی جان حمام کی ٹونٹی کھولکر گلاس کھنگالنے لگے اتنے میں والد صاحب نے ان سے کوئی بات کی آپ اسکے سننے میں اسقدر محو ہو گئے کہ گلاس کھنگالتے کھنگالتے اسمیں حمام کا خاصہ گرم پانی بھر کر پینے لگے اور نصف گلاس کے قریب پی بھی لیا والد ماجد کی نظر پڑی تو انہوں نے پوچھا خیریت ہے گرم پانی پی رہے ہو؟ اب آپکو معلوم ہوا کہ اتنی سخت گرمی میں بے دہیانی میں گرم پانی کیسی آسانی سے پی گیا ہوں بے چارے کیا کرتے کھسیانے ہوکر رہگئے

ایکدفعہ میری بڑی ہمشیرہ سے والد صاحب نے کہا اگر تم اس ہفتہ کا تہذیب پڑھ چکی ہو ذرا مجھے لادو، آپ اندر تہذیب لینے آئیں اتفاق سے تخت پر تہذیب کے برابر ایک میلا سا تکیہ کا غلاف اتارا پڑا تھا وہی اٹھا والد صاحب کو لیجا کر دیدیا انہوں نے دریافت کیا کہ اسکو کیا کروں تو آپکو پتہ چلا ہنسکر کہنے لگیں اوہ بڑی غلطی ہوگئی آپنے تو تہذیب مانگا تھا۔

عائشہ خاتون عائشہ

عائشہ تخلص بنت مولوی محمد عابد حسین صاحب بادنی مرحوم وکیل جے پور۔ زوجہ مولوی سید احمد صاحب صتوی وطن بادل ضلع ہردوئی شیخ صدیقی حنفی ۱۳۰۰ھ میں اپنے وطن میں پیدا ہوئیں آپکا تاریخی نام بی نظیر فاطمہ رکھا گیا اور اس حساب سے آپکی عمر انتالیس سال ہوتی ہے فارسی۔ اردو میں کافی دستگاہ رکھتی ہیں اور یہ تعلیم گھر ہی پر ہوئی ہے شاعری عطیہ فطرت ہے آپکو اچھے شعر پڑھنے۔ سننے کا ہمیشہ شوق رہا اسی ذوق نے رفتہ رفتہ آپکو شاعرہ بنا دیا آپکی پہلی غزل رسالہ، نظر میں شائع ہوئی پھر متعدد رسالوں میں آپکا کلام شائع ہوتا رہا نثر کی نمونہ کوئی دکھائی نہیں دیا۔ ذیل کی غزل آپکے تخیلات کا آئینہ ہے

کسقدر ذوق فنائے شمع پروانے میں ہے ... زندگی اسکی فقط جل جل کے مرجانے میں ہے

طور پر موقوف تھا دیدار موسیٰ کیلئے ... اور مرے نزدیک وہ ہر دل کے کاشانے میں ہے

ایک جرعہ میں میسر ہو گیا شرب مدام
یہ خمار لطف جام مرگ پی جانے میں ہے

عالم محویت صحرا نوردی دل سے پوچھ
یا تو ویرانہ ہے آنکھ میں یا وہ ویرانے میں ہے

سنتے سنتے ہنس پڑے اور ہنستے ہنستے رو دیئے
تلخ انجامی کا نقشہ میرے افسانے میں ہے

دل نہیں تو دل کے حسرت تو تم لے چکے
اب مجازی شکل ہے اک وہ بھی اڑانے میں ہے

تھوڑی تھوڑی مئے نہ دیوں تشنگی بڑھ جائیگی
دے دے پیمانہ میں سب ساقی جو میخانے میں ہے

کچھ نہیں اب جسم و جاں میں اک چراغ عشق ہے
بس اسی کی روشنی میرے سیہ خانے میں ہے

شربت دیدار کے پیاسے کو مئے سے کیا غرض
عائشہ اس بت کے رخ کا عکس پیمانے میں ہے
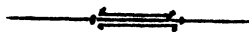
میمونہ خاتون غزالہ

غزالہ تخلص۔ عرف عام میں میمونہ غزال۔ دختر چہارم مولوی عبدالاحد صاحب بریلوی اہلیہ محمد احسان الحق صاحب ۱۹۱۰ء میں بمقام سہارنپور پیدا ہوئیں۔ ابتدائے عمر میں اپنے والد کے ساتھ الہ آباد میں مقیم رہیں ۱۹۲۵ء میں والد کے انتقال کیوجہ سے اپنے آبائی وطن بریلی آگئیں ۱۹۲۶ء میں محمد احسان الحق صاحب سے شادی ہوئی اور آجکل اپنے شریک حیات کے ساتھ انکی ملازمت کی وجہ پنجاب میں رہتی ہیں۔

۱۹۲۵ء میں شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ سید طالب علی الہ آباد سے مشورہ سخن رہا ادبی افسانہ وغیرہ اچھا لکھ لیتی ہیں۔ ہندوستان کے ادبی رسائل میں آپکی نظمیں دیکھنے میں آئی ہیں ذیل کے اقتباس سے آپکے تحریر اور خیالات کا پتہ چل سکتا۔

جرم ہو

اے ظلمتِ شامِ جنون و جبر پریشانی نہ پوچھ
اے یاس و حرماں اے الم میں کشتۂ جذبات ہوں
واماندۂ صحرا ہوں منزل ہے کوسوں دور ہوں
جب درد دل افزوں ہوا آہیں ہوا میں تھرتھرائیں
میں اک حجاب درد ہوں کیا پوچھتا مژگاں نم
"ہوا ہو" میں دبی ہے فضائے دنیا دل گھبرا گیا
کردے عطا الٰہ آہ کو صرف مذاق آرزو

اے پرتو سوز دروں تمہید حیرانی نہ پوچھ
کیا پوچھتا ہے دردِ دل افسردہ سامانی نہ پوچھ
بھٹکی ہوئی ہرنی ہوں میں گرگ کی ان جانی نہ پوچھ
بڑھنے لگا سوز جگر شعلہ بدامانی نہ پوچھ
ہوں خوگر مشق الم اشکوں کی ارزانی نہ پوچھ
اُف کیا بتاؤں حال دل میری پریشانی نہ پوچھ
پھر کھو گئی میں ہوش سے ہو ہو کی جولانی نہ پوچھ

بانسری اور سہیلی

ہاں اے سہیلی مجھکو خوب یاد ہے جبکہ تو اور میں اس دریا کے کنارے جسکی موجوں کی شورشیں فتنۂ روزگار ہیں جسکی جھلملاتی ہوئی لہریں آئینہ امین ہیں سرسبز گھاس کی مستانی آغوش میں آسودۂ محبت تھے تیرے زانو پر سر رکھے ہوئے لیٹی تھی میں تیرے لانبے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس شعر کو آلاپ رہی تھی۔

تیرے بال اور حسیں ہوں — تری زلف اور دراز ہو

تیرے بال اور حسین ہوں.......... تیری زلف اور دراز ہو!!
میں نے گیسو چومنے کو اٹھائے ہی تھے کہ یکایک بانسری کی جگر خراش
نغمے فضا میں گونجے اور میرے ہاتھ خود بخود کانپ اٹھے۔ اور تیرے نازک
بال میرے ہاتھ سے چھوٹتے ہی تیرے سینہ پر لہرانے لگے۔ آہ! میری
نگاہیں اس منظر سے بے تاب ہوکر لرز گئیں اور میں ایک مستقل محویت
میں غرق ہوگئی۔ آہ میری سہیلی مجھکو خوب یاد ہے جبکہ تو اور میں ساون کے
کافر مہینے میں سبزہ زار کی مستانی دنیا میں اونچے اونچے درختوں کے
موٹے و مضبوط ٹہنیوں میں ریشم کی ڈوریاں ڈال کر جھولنے کی تیاری
کر رہے تھے۔ آہ مگر جیسے ہی میں تیرے خوبصورت شانے کا سہارا لیکر
اور دوسرے ہاتھ سے اسے مضبوط پکڑ کر جھولے کے اوپر چڑھنے لگی دفعتہً
بانسری کی دل دوز صدا کلیجہ دہلاتی ہوئی گذر گئی میرے ہاتھ کانپ اٹھے
ڈوریاں چھوٹ گئیں اور میں فرش پر آرہی۔ اور تو آہ تو میری حسین
سہیلی تو تصویر حیرت بنی غرق دریائے حیرت کھڑی رہ گئی!!!
اے سہیلی مجھکو خوب یاد ہے وہ لمحہ جبکہ تو اور میں سنگ مرمر کی
گملوں کی سجی ہوئی سیڑھیوں کے آگے سیاہ ریشمی ساڑیاں لگائے
کھڑے تھے۔ تیرے شیشہ گوں رخساروں پر کالی کالی زلفوں کے پیچدار
لچھے خم بہ خم ہو رہے تھے۔ اور کبھی کبھی تیرے باریک گلابی ہونٹوں

کی جنبشوں میں سفید ستارے جھلملا جاتے تھے۔ میں کھڑی تیرے ساڑی کے
بروچ میں گلاب کا مست پھول اٹکا رہی تھی کہ یکایک بانسری کی غم زدہ
تان نے میری آنکھیں پرنم کردیں اور ہاتھوں کی لرزش سے پھول چکر
کھاتا ہوا نیچے آرہا۔ میں چکرائی اور ڈنٹھل سے سنگ مرمر کے فرش پر گر پڑی۔
اے میری پیاری سہیلی مجھکو تیری بھولی بھالی تصویر کبھی نہ بھولے گی
جبکہ تو حیرت سے خوبصورت دانتوں میں نازک پتلی انگلی دبائے رہ گئی
آہ سہیلی تو بھولی ہے تیرا نازک دل معصوم ہے تیرے جذبات
بالکل سادہ وضعیف ہیں۔ آہ! میں تیرا حباب سا دل دکھاتے ہوئے
کانپتی ہوں اے سہیلی میں تیری ہوں اور ہمیشہ تیری ہی رہونگی۔ آہ تو
میرے ارادہ سے واقف ہے۔ تجھے مرے دل کا سب حال معلوم ہے
تجھے میرے جذبات کی غم افزائی کا بخوبی علم ہے آہ اے سہیلی وہ
رخصت کا خطرناک لمحہ جس میں کھجور کے مضبوط تنے سے کمر لگائے
خاموش بیٹھی تھی اور تو میری گود میں سر رکھے اشک چکاں تھی! ہائے
تو میرے ارادۂ غم ناک سے آگاہ تھی۔ آہ تیری رحیم نگاہیں مجھکو دیکھ
رہی تھیں میں آج تجھے اس حالت میں چھوڑ کر رخصت ہو رہی تھی۔
تیری آنکھیں پرنم تھیں۔ تیرا ہر آنسو مجھے روک رہا تھا۔ تیرے تمر
خضیب حنا آنسوؤں میں بھیگے ہوئے تھے۔

ہائے اس منظر کی الم آفرینی میں دفعتہً بانسری کا دلکش نغمہ ایکبار پھر درد سماعت ثابت ہوا۔ میں تڑپکر کھڑی ہو گئی اور آہ سہیلی تو روتی ہوئی آکر مجھ سے لپٹ گئی۔ میں علیحدہ ہو گئی میری زبان سے صرف اتنا نکلا "میں تیری ہوں۔ مجھے جانے دے اور بانسری کی اس الم چکانی میں فنا ہو جانے دے"۔

آہ بانسری مجھے بلا رہی ہے، آہ! آہ! تو تڑپکر فرش پر گر پڑی اور تیری بلوریں چوڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر کہیں کہیں منتشر ہو گئیں اور میں دیوانہ وار روانہ ہو گئی۔

× × × × × × × × × × × ×

پھر کیا ہوا دنیا نے کیا دیکھا۔ ایک بانسری اور آہ میں تیری بجائی الفت کا ایک نغمہ اور اے سہیلی تیرے پاک دبرتر نام کا ورد!!!

مہر النساء

بنت محمد فخر الدین صاحب مرحوم تحصیلدار ربیع الاول میں موسلی ضلع ترچناپلی علاقہ مدراس میں پیدا ہوئیں جہاں آپکے والد بسلسلہ ملازمت مقیم تھے دو سال کے بعد آپکے والد نے انتقال کیا آپکی والدہ بھائیوں وغیرہ کو لیکر بغرض تعلیم اپنے وطن مدراس آگئیں لڑکے مدراس میں شریک کرائے گئے لڑکیوں کی تعلیم خود والدہ نے اپنی ہاتھ میں لی اور ہر ہر حرکت پر خیال رکھتی تھیں۔ عربی اردو۔ دستکاری کی تعلیم والدہ نے دی انگریزی کیلئے استانی مقرر کیگئی اور بھائی بھی انگریزی۔ فارسی کی تعلیم دیدیا کرتے تھے یوں تو آپکے خاندان میں تمام عورتیں عربی۔ فارسی۔ اردو کی۔ کچھ انگریزی کی تعلیم پائی ہوئی ہیں۔ لیکن اخبار بینی اور مطالعہ کتب سے چنداں ذوق نہ تھا لیکن آپکی والدہ صاحبہ کو ان امور سے نہایت دلچسپی تھی انہیں کے اثر سے آپ کو کتابوں کے مطالعہ کا شوق ہوا آپ کے

بھائی صاحب نے سنہ ۱۹۱۹ء میں "قومی رپورٹ" جو مدراس کا مشہور اخبار تھا آپ کے نام اجرا کرایا اور آپ سے پڑھوا کر سنا کرتے تھے۔ اسکے ایکسال بعد لاہور کا موخر اخبار "تہذیب نسواں" کی پرانی جلدیں ایک انجمن سے دستیاب ہوئیں اور پھر اپنے نام تہذیب جاری کرالیا۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں مضامین نگاری کا شوق ہوا اوسکی ابتدا اسیطرح ہوئی کہ آپکے چھوٹے بھائی نے "عصمت" کے پرچے میں جنت مکانی خاتون اکرم صاحبہ کا ایک افسانہ دیکھکر کہا کہ میں اس کا متمنی ہوں کہ تم بھی مضامین لکھنا شروع کرو اور اخبارات میں شایع ہوں لیکن آپ کو یہ خوف تھا کہ کہیں اخبارات بصورت ناپسند بری بھلی تنقید نہ کریں۔ مگر ہمت سے کام لیکر پہلے تہذیب میں، م۔ ن کے نام سے لکھنے لگیں اسکے بعد "النسا" حیدرآباد میں زنانہ مدرسہ مدراس کی نسبت ایک مضمون لکھا سنہ ۱۹۲۶ء سے عصمت میں پابندی سے مضامین بھجوانے لگیں۔ رسالہ صوفی میں بھی آپ کے مضامین شایع ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں نمایش و نیکٹ گیری علاقہ مدراس میں راجہ صاحب نے دستکاری پر آپ کو تمغہ اور سارٹیفکیٹ عنایت کیا۔

جب مضامین نویسی کا تجربہ ہوا تو آپ اس نتیجہ پر پہونچیں کہ مضمون نگاری اپنے خیالات کو چھپتے دیکھنا نہ میدان ادب میں امتحان

دنیا ہے بلکہ اپنی مردہ قوم کا نئی روح پاما اور متعصب دنیا پر اپنے طبقہ کے علو مرتبگی کا اعلان کرتا ہے۔

وہ آنکھیں

وہ آنکھیں جو میرے معمولی سے ملال سے پرنم ہو جاتی ہیں اور جن پر میرا ہلکا سا رنج ایک جگر دوز نیش کا اثر رکھتا ہے۔

وہ آنکھیں۔ جو مجھکو ہمیشہ راحت و آرام میں دیکھنا چاہتی ہیں۔

وہ آنکھیں جو درگاہ خداوندی میں آنسوؤں کی لڑیاں پرو پرو کر میرے لئے دعا کرتی رہتی ہیں۔

وہ آنکھیں جو مجھے خوش دیکھکر مسرور اور رنجیدہ دیکھکر مغموم ہو جاتی ہیں۔

وہ آنکھیں جو ہمیشہ برائی سے دور رہنے شاہراہ نیکی پر گامزن ہونے کا اشارہ کرتی ہیں۔

وہ آنکھیں جو محبت کا سرچشمہ ہیں اور اپنی لامحدود شفقت و محبت کے سمندر میں مجھے ڈبو لیتی ہیں۔

وہ آنکھیں جن سے میرے لئے بے اندازہ محبت کی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں۔

وہ آنکھیں جنہیں میں نہایت خوبصورت وحسین نظر آتی ہوں۔
وہ آنکھیں جنکو میرے عیوب بہت کم نظر آتے ہیں۔
وہ آنکھیں جن پر میری معمولی سے خوبی کمال ہنر بنکر ظاہر ہوتی ہے۔
وہ آنکھیں جو مجھکو ذراسی پریشان بھی نہیں دیکھ سکیں۔
وہ میری محترم "ماں" کی پیاری "آنکھیں ہیں"
انکی محبت۔ انکی شفقت۔ انکی عنایت کی بدولت میری زندگی فکر و رنج سے بری ہے میں تو سمجھتی ہوں جسکو دنیا میں ان شفقت بھری آنکھوں کا بیش قیمت نور میسر نہیں وہ خداوند نعیم کی سب سے بڑی نعمت سے محروم ہے۔

زبیدہ بیگم

بنت حامد صفتہ اللہ صاحب زوجۂ محترمہ نصیر الدین محمد عبد الباری صاحب
منصف، دکن میں "اردو" روشن خیال اور عالم فاضل باپ نے مدرسہ
کی تعلیم دلائی جو کثرت سفر و سیاحت کے باعث وسطانی حد سے بڑھ نہ سکی
مگر خوش قسمتی سے ایک صاحب قلم امین زندگی ملا جس سے فائدہ اٹھا کر
مطالعہ اور مضمون نگاری کی مشق جاری رکھی اکثر زنانہ رسائل میں
مضامین شایع ہوئے ہیں جو "تربیت" اولاد "خانہ داری اور اخلاق پر
مشتمل ہوتے ہیں اور سیرت نبوی صلعم سے ان معاشرتی پہلوؤں پر
روشنی ڈالتی ہیں صاحب اولاد ہونے کے باوجود بھی علمی ذوق باقی
ہے، ایک مضمون کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"آنحضرت صلعم بچوں پر نہایت مہربان تھے۔ ان پر شفقت اور
مرحمت فرماتے تھے ان کے ناز اٹھاتے تھے۔ ان سے خوش طبعی فرماتے تھے

حضرت ابراہیم آپ کے صاحبزادے مدینہ سے چار میل پر پرورش پاتے تھے آپ وہاں تک پیادہ جاتے تھے۔ بچے کو بوسہ دیتے ان کو گود میں اور جب ان کا وصال ہوا تو آپکی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے اور اسی دن چاند گہن ہوا۔ لوگوں نے کہا ابراہیم کی موت کے باعث ہوا ہے ارشاد فرمایا کہ مرنے سے اسکو تعلق نہیں امام حسن امام حسین اور امامہ کو آپ بیحد پیار کرتے۔ انہیں کندھے پر سوار کئے جاتے۔ گود میں لیتے بوسہ دیتے آپ سجدہ میں ہوتے اور حسین آکر دوش مبارک پر بیٹھ جاتے تو آپ سجدہ سے اسوقت تک سر نہ اٹھاتے جبتک وہ اتر نجاتے آپ خطبہ دیتے تھے حسین آتے تو آپ انہیں اٹھا لیتے۔ آپ ارشاد فرماتے تھے حسن حسین میرے گلدستے ہیں، اور ارشاد فرماتے حسین کی محبت گویا میری محبت ہے جس نے انکو تکلیف دی اوس نے مجھے تکلیف دی۔

قمر جہاں بیگم

بنت خان بہادر محمد سعید صاحب آپ کا وطن مچھلی شہر ضلع جونپور
یوپی ہے۔ مولد مراد آباد ہے جہاں آپ کے والد بزرگوار پولس انسپکٹر
تھے۔ اوائل عمر ہی سے آپ کو لکھنے پڑھنے کا بیحد شوق تھا جبکہ آپ
بخوبی بول بھی نہ سکتی تھیں اپنے بھائی کی کچھ کتابیں لیکر جب انہیں ماسٹر
پڑھانے آیا کرتا تھا جا بیٹھتیں۔ اور بھائی جبتک پڑھا کرتے آپ بھی
آوازیں نکالا کرتیں تقریباً پانچ سال کی عمر سے آپکی تعلیم شروع ہوئی
۶ ۱/۲ سال کی عمر میں اردو کی کتابیں بخوبی پڑھنے کے قابل ہو گئیں
ابتدا صرف اردو اور مذہبی تعلیم حاصل کی بعد اور مضامین آپکی تعلیم
گھر ہی پر معلم سے ہوتی رہی پھر معلمہ سے باضابطہ تعلیم کا سلسلہ جاری
رہا کتب بینی سے آپ کو نہایت ذوق تہا چنانچہ معلمہ سے اوقات
مقررہ پر پڑھنے کے علاوہ تقریباً سارا دن بھائی کی اردو کتابوں

اخبارات اور رسائل کے دیکھنے میں گذرتا تھا۔ بچپن میں آپ کے دل میں یہ سوالات پیدا ہوتے تھے کہ مجھے بھائی کی طرح تعلیم کیوں نہیں دی جاتی یہ تفرقہ کیوں ہے؟ اپنی والدہ اور والد سے کبھی کبھی یہ سوال بھی کرتی تھیں۔ دوسری بات جس نے آپ کو ذرا زیادہ عمر میں متوجہ کیا وہ بعض خاندانکے تعلقات زن ناشوی ہے۔ یہ بات آپ کو نہایت ناپسند تھی کہ شوہر و زوجہ میں اختلاف پیدا ہوں آپ برابر اسکے تدارک کی کوئی صورت دریافت کرنے میں منہمک رہنے لگیں بالآخر اختلاف مزاج کو اسکی وجہ اور تعلیم نسواں کو اسکے تدارک کا ذریعہ سمجھا۔ تب ہی سے آپ نے یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ تعلیم نسواں ہی اپنی زندگی کا مقصد رہیگا۔ چنانچہ اکثر و بیشتر اخبار تہذیب نسواں میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگیں اور خادمہ نسواں بننے کی متمنی ہیں۔ آپ کے کچھ مضامین "سہیلی" امرتسر میں شایع ہوئے ہیں آپکے تمام خیالات کا نچوڑ۔ ہمدردی نسواں کا جذبہ "انقلاب عظیم" ایک ننھی سی تصنیف میں موجود ہے جسکو دفتر رسالہ سہیلی نے شایع کیا ہے آپ اخباری دنیا میں ہمشیرۂ احمد معین کے نام سے مضامیں لکھا کرتے ہیں

حق بہ حق دار رسید

سلیم گڈھ کی ریاست میں آج خوشیاں منائی

جاری ہیں۔ ذرہ ذرہ سے مسرت وانبساط کے آثار نمایاں ہیں نوابصاحب کی محل سرا دلہن کی طرح آراستہ ہے۔ کہیں خوشنما پھول پتوں سے آراستگی کا کام لیا گیا ہے۔ بعض بعض جگہ کاغذ کے پھول بوٹے لگے ہوئے ہیں۔ ہر شخص خوش وخرم نظر آرہا ہے ایکطرف کئی دیگ چڑھے ہوئے ہیں اور متعدد باورچی کھانا تیار کرنے میں منہمک ہیں ہولکے جھونکوا کیساتھ اندر سے گانے کی آواز آرہی ہے۔ نوکروں کے شور وغل سے کان پڑی بات سنائی نہیں دیتی۔ نوابصاحب دیوان خانے میں مسند نشین ہیں چہرہ فرط مسرت سے چمک رہا ہے ہر طرف سے مبارکباد مبارکباد کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں ہر شخص کی زبان پر یہ ہے کہ سرکار کو یہ فرزند فرخندہ فال مبارک ہو خدا اسے عمر خضر اور اقبال سکندر عطا کرے نوابصاحب ان سب کے جواب میں مسکراتے جاتے ہیں۔

ولادت فرزند کی خوشی اس محل سرا میں پچاس برس کے بعد آج منائی جارہی ہے کیونکہ نوابصاحب کی پیدائش کے بعد محل میں یہ پہلا لڑکا پیدا ہوا ہے۔ نوابصاحب کے اولاد گو متعدد ہو چکی تھی مگر وہ سب کی سب لڑکیاں تھیں اسوقت صرف ایک ہی لڑکی بقید حیات ہے لڑکے ہونے کے قبل نوابصاحب بہت ملول خاطر رہا کرتے تھے اور یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اگر اب کی بار پھر لڑکی ہی ہوئی تو دوسری شادی کر لوں گا۔

مگر بیگم صاحبہ کی قسمت میں سوکن کا آنا نہ لکھا تھا اور نواب صاحب کو دوسری شادی کی زحمت اٹھانی نہیں پڑی۔

زمانہ گذر گیا نادر جنگ رفتہ رفتہ بڑھکر بست سالہ جوان ہو گیا اوس نے باپ کی امیدوں کے مطابق اپنی بست سالہ عمر کے تمام مدارج بہت تعریف کے ساتھ طے کئے۔ گریجویٹ ہو چکا تھا نوابصاحب اب اسے بغرض تعلیم ولایت بھیجنے والے تھے مگر چونکہ نوابصاحب کا سن زیادہ تھا انکی خواہش تھی کہ لڑکے کی شادی کی خوشی جلد ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اسلئے ولایت بھیجنے کے قبل ہی شادی کر دینا مناسب سمجھا۔

ریاست جلال پور کے نوابصاحب کی صاحبزادی کے ساتھ جو نادر جنگ کی ہم عمر تھی نسبت ٹھہری یہ لڑکی نسیمہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی۔ اس نے بھی نادر جنگ کے ساتھ بی اے پاس کیا تھا اسکی قابلیت اور ذہانت کی شہرت کیوجہ سے یہ رشتہ قرار پاتا تھا۔

نوابصاحب کی محل سرائے نے پھر ایکمرتبہ خوشی کا سماں دیکھا ہر طرف مسرت کے شادیانے بجے ریاست بھر میں خوب خوشی منائی گئی نادر جنگ کی شادی نسیمہ کے ساتھ ہو گئی

اسی نام اور تخلص سے آپکی نظمیں دیکھنے میں آئی ہیں۔ کرم آباد
پنجاب کی رہنے والی ہیں ہماری درخواست تعلیمی حالت اور سوانح
زندگی کی نسبت تحریر فرمائی ہیں۔

میں نے اپنے والد مرحوم ہی سے اردو فارسی عربی کی تعلیم پائی ہے
سوانح زندگی ہم لوگوں کے کیا ہوں گے۔ پیدا ہوئے۔ گھر کی چار دیواری
میں رہے پردے میں عمر گزاری دعا ہے کہ خدا انجام بخیر کرے۔

غالباً آپ رسالہ "نور جہاں امرتسر" کو ایڈیٹ کرتی ہیں نمونہ
تحریر حسب ذیل ہے۔

انجام ہستی

ایک تصویر کو دیکھکر

یہ کس کا دست قدرت پر عمل میں کارفرما ہے — یہ تجھ پر کون اے قطرہ اس ہستی خاک فرسا ہے

نظر افروز تھا ہر کیف منظر شام صحرا کا
خموشی چار سو تھی حسن فطرت جلوہ فرما تھا

وہ خاموشی سراپا نطق ہو کر بول اٹھی تھی
وہ سناٹا مجسم شعر تھا اور نغمہ پیرا تھا

فضائے دہر میں چھائی ہوئی تھیں مستیاں کیا کیا
رواں اک مئے کا دریا تھا ہر اک گل مست صہبا تھا

بنا تھا ہر شجر تصویر از خود رفتگی کیسا
یہ کس کے عشق میں کھویا ہوا تھا رشتہ برپا تھا

نکل آئے وہ رشک حور اپنے گھر کی جنت سے
کہ ذوق سیر گلشن اس کا دامنگیر ہوتا تھا

وہ اپنے حسن پر کچھ آپ بھی مفتوں سی تھی
کہ اک کھویا ہوا انداز اس سے آشکارا تھا

تماشا گر روز و شب تھا آئینہ روئے مصفا کا
غرور حسن اس مہ سیما کا بجا معلوم ہوتا تھا

قدم موزوں پہ دھوکا ہو رہا تھا سرو رعنا کا
رخ انور تماشا گاہ انوار تجلی تھا

نظر اس کی یکایک جا پڑی اک کاسہ سر پہ
جو حسرت کا مرقع تھا جو بربادی کا نقشا تھا

نگاہ برق ساماں غرق تھی دریائے عبرت میں
دل حسرت تماشا مضطرب تھا ناشکیبا تھا

ملکہ سلطان خانم رعنا

رعنا تخلص بنت مرزا علی محمد خان صاحب بالسٹر و وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی ۲۵ ستمبر کو بمبئی میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم مکان میں پائیں اردو فارسی میں کافی مہارت رکھتی ہیں۔ فارسی تو آپکی مادری زبان ہے ۱۹۲۴ء میں فورٹ کانونٹ ہائی اسکول کے چوتھی جماعت میں داخل ہوئیں نہایت ہی ذہین اور فرہیں واقع ہوئی ہیں۔ اور اپنی ہم جماعت لڑکیوں میں ہمیشہ سب سے پیش پیش رہتی ہیں۔ انگریزی نہایت شستہ بولتی اور لکھتی ہیں۔ فرنچ سے بھی بخوبی واقف و آگاہ ہیں۔ البتہ لاطینی زبان بوجہ سخت ہونے کے اسمیں ہنوز اتنی ماہر نہیں ہیں جیسا کہ دوسری زبانوں پر آپ کو کافی عبور ہے۔ سال گذشتہ جب آپکے مدرسہ میں تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا تین سو سے زیادہ لڑکیاں جس میں یوروپین اور دیگر اقوام کی انعام کی امید میں بیٹھی تھیں

کہ دیکھیئے درجۂ اول کا انعام کس کو ملتا ہے ان تین سو لڑکیوں میں "کمپوزیشن" میں درجۂ اول کے انعام کی موزوں آپکی بڑی ہمشیرہ اور درجہ دوم کی آپ مستحق قرار پائیں اور درجۂ سوم کی ایک یوروپین لڑکی مستحق ٹھہری۔ گویا اس لحاظ سے آپ ہی نے درجۂ اول کا انعام حاصل کیا ان انعامات کے علاوہ آپ کے والد محترم نے اس نمایاں کامیابی پر آپ اور آپکی ہمشیرہ کو اپنی طرف سے مڈل عطا فرمائے جو آپ پاس موجود ہیں۔ بی اے تک تعلیم پانیکا ارادہ ہے شعر و شاعری کا بھی ذوق رکھتی ہیں اور موسیقی میں بھی آپ کو خاصی دلچسپی ہے۔ ذیل کا مضمون آپکے ادبی لگاؤ کا شاہد ہے۔

"تو کہاں ہے"

فلک محبت کے گل۔ یمن کے لعل خوشگوار۔ وادی ایمن کے غزال رعنا صنم کدۂ چین کے دیوتا

"تو کہاں ہے"

فنا تہ دل کے ہیرو، قوت چشم مہجور۔ بزم طرف کے فانوس۔ چودھویں کے چاند

"تو کہاں ہے"

جواہر کی کانوں میں طلسم محبت میں، قصر راحت میں، تاریخ حسن میں شیرازۂ ہستی میں، غرض ہر شے میں دیکھا لیکن آہ! "تو کہاں ہے"

میں لرزہ براندام ہوں، مری آواز گلوگیر ہو چکی ہے، مرے ارمان پژمردہ
مری حسرتیں سرنگوں۔ مرے حوصلے پارہ پارہ، میری تمنائیں خانہ بدوش

تو کہاں ہے

پھول پھر ہنستے ہیں کلیاں مسکراتی ہیں، غنچے چٹکتے ہیں، طائر
مضحکہ اڑاتے ہیں۔ سنتی ہوں کہ تو رگِ گلو سے قریب ہے تو تو اپنے
بندوں کی صدا پر لبیک کہتا ہے۔ میری آنکھیں، شاید کور ہیں جو ترے
جلوۂ تاباں کے نظارہ کی قائل نہیں۔ موسیٰ عشق تھے۔ ہوا کرے
وادیِ ایمن میں کیا دھرا ہے، میرا دل تو خود تیرے لئے شعلہ طور بنا
ہوا ہے۔ بتا آخر اے بہارِ روگرداں" "تو کہاں ہے"؟

غزل

کس کس سے نہیں تیری عالم میں شناسائی
کیا بات ہے دنیا میں تری بت ہرجائی

نیرنگیِ قسمت کا اک یہ بھی کرشمہ ہے
قاصد نے پلٹ کر بھی شکل اپنی نہ دکھلائی

پوچھے تو کوئی جا کر یہ رشک مسیحا سے
بیمار محبت کی کی کچھ بھی مسیحائی

انجام اگر یہ تھا آوارۂ الفت کا
اے عشق زمانہ میں کیوں تھا کہ یہ جھنجھلائی

دنیا کے جھمیلوں سے کیا کام انہیں عنقاؔ
فطرت سے ملی جس کو تخئیل کی رعنائی

محمدی بیگم

بنت انتظام الدین حسن صاحب مرحوم ایم اے ال ٹی (علیگ) حیدرآباد دکن
میں اپنے نانا خان بہادر مولوی شرف الحق صاحب مہتمم بندوبست چھاؤنیات کے
یہاں پیدا ہوئیں بہت ہی کم سنی میں آپکی تعلیم کا آغاز ہو چکا تھا۔ آپکو
وہ زمانہ تو یاد نہیں ہے البتہ والدہ کی لگاتار کوششوں سے پانچ سال کی عمر میں
اس لائق ہو چکی تھیں کہ معمولی اور آسان اردو پڑھ لیا کرتیں اور اسی
طرح ہلکے ہلکے جملوں میں اپنا مافی الضمیر ادا کرتیں ابتداً آپکو مذہبی
تعلیم دیگئی لیکن سب سے پہلے اردو اسلئے پڑھا دی گئی کہ اس کی
ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد قرآن شریف کے پڑھنے میں سہولت
ہو جائے پہاڑے اور حساب سے بھی تھوڑی بہت واقفیت پیدا
کردیگئی تھی۔ آپکی والدہ صاحبہ نے جو طریقۂ تعلیم مقرر کیا تھا وہ ہر ماں
کیلئے قابل تقلید ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ راتوں کو بلاناغہ بستر پر آپ کو
رسول اللہ صلعم کے حالات متبرکہ پیغمبروں اور اکابرین اسلام اور

بہادر ہستیوں کے اسوۂ حسنہ۔ دنیا۔ چاند۔ سورج۔ اسکی ماہیت پودوں کے متعلق معلومات وغیرہ زبانی ذہن نشین کئے جاتے تھے سات سال کی عمر میں ناظرہ کلام مجید ختم کیا اور دو ایک دور کرنیکے بعد قرآن شریف کا لفظی ترجمہ بھی آپکی والدہ نے پڑھانا شروع کیا جو سوا سال چلکر ختم ہوا۔ چونکہ آپکی والدہ خود عربی کی اچھی قابلیت رکھتی ہیں اسلئے ایسے اچھے طریقہ پر تعلیم دیگئی کہ اگر کوئی شخص کلام مجید سے خواہ کسی جگہ سے کچھ پڑھکر آپ سے اوس کا ترجمہ پوچھتا تو آپ ترجمہ ہی نہیں بلکہ پارے اور سورت تک بتا دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے عربی کو ابتک ایک مضمون کی حیثیت سے لے رکھا ہے۔

ایک دفعہ آپکے یہاں چند بزرگ بیٹھے ہوئے سود کے جواز اور عدم جواز پر بحث و مباحثہ فرما رہے تھے اور اتفاق سے آپکے کانوں میں لفظ "سود" پڑا آپ نے فوراً کہدیا کہ سود لینا تو جائز نہیں میں قرآن شریف میں پڑھ چکی ہوں یہ کہکر بغیر جواب کا انتظار کئے قرآن شریف اوٹھا لائیں۔ اور ورق گردانی کے بعد وہ مقام بھی دکھایا جہاں "لاتاکلوا الربوا" لکھا ہے جس کا ترجمہ (سود نہ کھاؤ) ہوتا ہے آپ کے دق کرنے کو آپ کے بزرگوں نے فرمایا کہ جسطرح۔ کھانا۔ مٹھائی اور میوہ کھایا کرتے ہیں اسطرح اگر کوئی سود کھائے تو ناجائز ہوگا قرآن شریف

سود لینے کو کب منع کرتا ہے۔ آپ نے اس کم سنی میں بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن ان بزرگواروں نے اب تو یہ طریقہ نکال لیا جہاں آپکو دیکھا سود کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ اپنی تعلیمی جد و جہد میں نواب تلاوت جنگ بہادر سابق صدر المہام مالگذاری حیدرآباد دکن کی دونوں صاحبزادیوں کے نیک مشوروں کی معترف ہیں۔

آپ نے خانگی طور پر انگریزی اور حساب کی تعلیم مڈل کی جماعت تک حاصل کی تاریخ۔ جغرافیہ اور ڈرائنگ وغیرہ سے بھی واقف ہوئیں چونکہ مدراس کے سلسلہ تعلیم میں الجبرا۔ جیومٹری کا سیکھنا ضروری تھا جس سے آپ ناواقف تھیں اسلئے زنانہ ہائی اسکول نام پلی کی چوتھی جماعت میں شریک ہوئیں دس سال کے سن سے ابتک اسی کی دلچسپیوں۔ رنگبوں میں بسر کر رہی ہیں (یہ اسکول اب تو مس آمنہ پوپ پرنسپل کی توجہ سے کالج بنگیا ہے) آپ کو اپنے کالج سے بے انتہا محبت ہے جسکی چار دیواری میں آکر آپ اپنے تفکرات اور تکلیفوں کو فراموش کر دیتی ہیں اور اسکی فضائیں آپ کو فردوس بریں سے کم نہیں دکھائی دیتیں آپکی ہم جماعت لڑکیوں میں سوائے دو ایک کے سب آپ سے بڑی تھیں اور پرانی طالبات تھیں۔ آپکے ذہن میں خواہ نخواہ یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ میں ان سے تعلیمی

میدان میں گو کسے مسابقت نہیں لیجا سکتی اور ان لڑکیوں نے بھی
برغم بزرگی اپنا طرزِ عمل کچھ وحشیانہ سا رکھا پھر بھی آپ انکی مرضی کی
تابع نہیں اسکے ساتھ بعض لڑکیاں آپکے ساتھ خواہرانہ برتاؤ رکھتی
تھیں۔ غرض ان باتوں نے آپکو کچھ اس طرح پست ہمت کر دیا کہ
اسکول سے واپس آنے کے بعد سارا وقت قصہ۔ کہانیوں۔ اخبارات
اور رسائل کے پڑھنے میں صرف کرنے لگیں۔ اگرچہ آپ اسباق میں بڑی
حد تک پیچھے نہیں لیکن عام معلومات میں مطالعہ کی بدولت وجہ تفوق
رکھتی تھیں۔ اور یہی سبب ہے کہ انگریزی اور اردو ادب کے پرچوں
میں اکثر جواب جو دل سے گھڑے جاتے تھے۔ صحیح ہوتے تھے
ہوم ورک تو گھر پر کرتی ہی نہ تھیں وقت سے ذرا سویرے پہنچکر
اپنی ہم جماعت لڑکیوں کی کاپیوں سے انکی نقل اتار لیتیں مڈل کے
امتحان تک آپکی غفلت اور لاپروائی کا یہی عالم رہا اور اس
جماعت میں بہ نسبت اور جماعتوں کے محنت زیادہ کرنے کے باوجود
بھی فیل ہوگئیں۔ یہ فیل ہونا شدید تعلیم کیلئے ایک ایسا تازیانہ
تھا جس نے آپکو خواب غفلت سے بیدار کر دیا اب آپ اس زیانہ کو
محسوس کرکے۔ متاسف ہیں کہ اپنی عمر کا ایک عزیز سال ضائع کیا
اسکے بعد سے تعلیم پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ حاصل کرنے لگیں۔

اوریھی وہ زمانہ تھا کہ آپ میں قوت امتیازی پیدا ہوی اور آپ نے
کھنا سیکھا اور ۱۹۲۳ء میں ہائی اسکول لیونگ سارٹیفکٹ کا
امتحان پاس کیا۔ یف، ایس، سی کیلیے مدراس یا لکھنو جانے کا
ارادہ کیا۔ لیکن بعض وجوہات کی بناء پر آپ کا ارادہ پورا نہ ہوسکا
آپ بفصلہ زنانہ کالج نامپلی حیدرآباد میں یف، اے سال اول عثمانیہ
کے آرٹس کے نصاب میں زیر تعلیم ہیں۔

جہاں آپ کی تعلیم کا خیال تھا وہاں آپ کی تربیت پر بھی
کافی توجہ دیگئی تھی آپ کی والدہ کا گھر بھر میں سب کو یہ حکم تھا کہ کوئی
بات خلاف تہذیب۔ جہوٹ وغیرہ آپ کے سامنے نہ بولی جائے کہ یہ
اخلاق اور عادات بگاڑنے والی اور نشو ونما میں خرابیاں پیدا کرنے
والی ہوتی ہے، باوجود اس کے آپ کو اپنی کمزوریوں اور نقائص کا
احساس ہے اور اوس کے اصلاح کو اپنا فرض خیال کرتی ہیں۔ آپ
کہتی ہیں کہ سب سے پہلی جہوٹ سات سال کے سن میں آپ نے ایک ہمسایہ
ڈاکٹر صاحب کے لڑکی کی ترغیب پر کہی تھی وہ سماں ابتک یاد ہے
کہ اوس جہوٹ کے پاداش میں روزمرہ کہیلوں سے ممانعت اپنی
غلطی کا اعتراف اور پشیمانی تھی انہیں سہیلی نے سب سے اول
آپکے آگے چور، جن، شیطان کے لغو اور بے سرو پا قصے بیان کیے تھے

اوسی کا اثر ہے کہ ابتک طبیعت میں کسیقدر کمزوری اور بزدلی باقی ہے اپنے فرقہ سے سچی ہمدردی اور علمی رُوح اور مضمون نگاری کا جو کچھ ذوق اور درد اپنے پہلو میں رکھتی ہیں اوس کے لئے آپ اخبار تہذیب نسواں لاہور کے بے انتہا شکر گزار ہیں کہ اس جذبہ کا احساس پیدا ہوا۔ آپ اپنے دل میں والدہ کی حقیقی اور سچی بے لوث محبت کا پاک جذبہ رکھتی ہیں اور اپنے پرنسپل صاحبہ کا بے حد احترام اور راوں کے توجہات کو ایک احسان عظیم سمجھتی ہیں یوں تو بہت تھوڑے زمانہ سے بزم تہذیب میں جلوہ گر ہوئی ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ کہنہ مشق مضمون نگاروں سے بازی لے گئی ہیں لکھتی بھی خوب ہیں، طرز بیان دلچسپ اور سلجھا ہوا تو ہاہی خیالات بلند معلومات میں وسعت ہے۔ ذیل میں آپ کا شاہکار ملاحظہ ہو۔

چور

۲۹ مارچ سنہ ۱۹۲۸ء کی رات مجھے ابتک یاد ہے جیسے کل کی بات ہو، صبح کے نو بجے سے شام کے پانچ بجے تک امتحان میں مصروف رہنے نے مجھکو انتہائی درجہ تک تھکا دیا تھا، ماسوا اس کے پرچے بھی بہت سخت تھے رات کے گیارہ بجے میں تمام کاموں سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹ گئی۔ سرہانے چھوٹی میز پہ ایک ٹائم پیس رکھا ہوا تھا جس کا الارم میں نے چار بجے لگا دیا تھا۔ اسی میز پر چند کتابیں بھی ابتک منتشر

حالت میں پڑی ہوئی تھیں جن کے ضروری باب پر سرسری طور پر
امتحان سے پیشتر مطالعہ کرنا چاہتی تھی۔

تمام فضا میں ایک دل خوش کن سرور پھیلا ہوا تھا۔ ہوا کے
فرحت بخش تیز جھونکے اپنی غیر معمولی تیزی کا صاف اعلان کر رہے تھے،
اس وقت میرے خیالات کتاب کے صفحات پر سے خود بخود ہٹ گئے
اور مختلف پیچیدگیوں میں کھو گئے، میں نے سوچنا شروع کیا کہ ہوا آج
غیر معمولی طور پر اپنی تیزی کا کیوں اعلان کر رہی ہے شاید آج وہ
تھکے ہوئے طالب علموں پر بہت مہربان ہے، اسے طالب علموں پر زیادہ
مہربان ہونا چاہئیے۔ اسلئے کہ لڑکے عموماً جبراً پڑھتے ہیں۔ لیکن لڑکیاں
باوجود مخالفین تعلیم کے حائل ہونے کے بھی تعلیم سے انتہائی شغف کا
اظہار کرتی ہیں۔ غریب لڑکیاں! انکی تعلیم کا نصب العین کتنا بلند ہوتا ہے
وہ اپنی اخلاقی و روحانی اصلاح کے لئے حاصل کرتی ہیں۔

میرے معزز بھائی میری صاف گوئی کو معاف فرمائیں۔ کیونکہ
"الحق مر" مشہور ہے۔ اسی فی صدی سے زیادہ لڑکوں کا تعلیمی مقصد حصول
معاش کے سوا اور کچھ نہیں

لیکن ہوا کے پر سرور جھونکوں نے میرے لامتناہی خیالات کا سلسلہ
منقطع کر دیا۔ اور میں دنیا اور مافیہا سے بے خبر ہو کر سو گئی۔

تجربہ اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ جب خیالات پریشان ہوتے ہیں یا کسی قسم کا خوف ہوتا ہے تو آنکھ بار بار کھل جاتی ہے میں نہیں جانتی کہ اپنے خیالات پریشان کیوجہ سے یا کسی آہٹ کے باعث میری آنکھ کھل گئی مجھے صرف اسقدر یاد ہے کہ جب بیدار ہوی تو مجھ کو اپنے قریب ہی کچھ آہٹ سی محسوس ہو رہی تھی "اوہو چور" ایک لخت یہ خیال سرعت کے ساتھ میرے دماغ میں آیا اور میں خوف زدہ سی ہو گئی۔

اب کیا ہوگا؟ اگر میں نے اپنی حرکات سے یہ ظاہر کر دیا کہ کہ چور کی موجودگی کا مجھ کو علم ہے تو مبادا کسی ہتیار سے مجھ کو ضرر پہنچائے اس خوف کی حالت میں اپنے قلب کی حرکت کو سنسان فضا میں گرجا کے گھنٹے کی صدائے ضرب کیطرح سن رہی تھی۔ اس نیم خفتہ حالت میں مجھکو بستر پر پڑے شاید پندرہ منٹ گذرے ہوں گے باہر کی گھنٹہ گھر نے رات کی خاموشی میں تین بجائے۔ دفعتہً مجھکو ایسا محسوس ہوا کہ چور میرے سرہانے میز کے پاس کھڑا ہوا ہے۔ جس پر ٹائم پیس اور کتابیں رکھی ہوی ہیں۔ یہ چور نے شاید میری کتابوں کا معائنہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ یکساں ورق گردانی کی آواز میرے کانوں میں آ رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی شائستہ اور تعلیم یافتہ چور ہے انگریزی بھی جانتا ہے جب ہی تو محو مطالعہ ہے۔

مہذب چور نہایت جلد جلد میری کتابوں کی ورق گردانی کر رہا تھا اس کے شائستہ اور تعلیم یافتہ ہونے کے خیال نے میرا ڈر کسیقدر کم کیا۔ کیونکہ میں سمجھ رہی تھی کہ تعلیم یافتہ چور میں جاہل کی نسبت ضرور زیادہ انسانیت ہو گی
یہ چور صاحب میری کتابوں کے مطالعہ میں اس قدر محو تھے کہ گھر کی دوسری تمام اشیاء سے بالکل بے خبر ہو گئے تھے لیکن مجھکو اتنی جرات نہ ہوی تھی کہ اس مہذب چور کو دیکھتی۔ آخر کار میں نے ڈرتے ڈرتے کروٹ لی اور کسیقدر خوفزدہ نیم باز نظروں سے اپنے سامنے دیکھنا شروع کیا چور کہاں کھڑا ہوا کتابوں کا مطالعہ کر رہا ہے۔ مجھ کو نظر نہ آرہا تھا میں نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف میز کی جانب دیکھا۔ لیکن وہاں کوئی آدم زاد نظر نہ آیا ایک ہی لمحے میں سارا واقعہ میری سمجھ میں آگیا۔ دراصل وہاں کسی مہذب چور کا پتہ نہ تھا۔ البتہ ہوا کے تیز جھونکے میری کتابوں کے صفحات کی لگاتار ورق گردانی کر رہے تھے۔
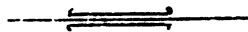
فاطمہ بیگم

بنت کے محمد حسین صاحب صدیقی سپرنٹنڈنٹ پولیس بنگلور

حال وظیفہ یاب حسن خدمت بمقام کولار گولڈ فیلڈ علاقہ میسور میں پیدا ہوئیں آپ کے اجداد کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق سے ملتا ہے۔ عہد عالمگیر میں آپ کے اجداد عدالت پر مامور تھے۔ چنانچہ اوس زمانہ کے کئی ایک آثار قدیمہ آپ کے خاندان میں محفوظ ہیں جنمیں ایک جامہ بھی ہے جو عادل بوقت عدل پہنکر داد انصاف دیا کرتا تھا۔ جس پر عدل وانصاف کے آیات قرآنی کندہ یا چھپی ہوے ہیں۔ سلطنتہ مغلیہ کو زوال شروع ہوا تو سلاطین بیجاپور نے آپ کے اسلاف کو اپنی سلطنتہ میں عہدہ عدالت ہی پر مامور کیا۔ جب بیجاپور کے بھی حصے بکھرے ہو گئے تو آپ کے اجداد صوبہ میسور کے ضلع چیتلدرگ میں مقیم ہوے یہاں بھی نواب حیدر علیخاں والی میسور نے آپ کے بزرگوں کو ضلع کی قضات پر مامور کیا "سر آصف" کے معزز خطاب سے سرفراز کیا

اس دور راجگانی میں اب بھی آپ کے چچا قاضی شہر ہیں۔

ابتدائی تعلیم والدہ کے زیر نگرانی گھر میں ہوی جب اسکول میں داخل ہوئیں تو فارسی قرآن وغیرہ کی تعلیم گھر پر جاری رہی جب اسکول کا زمانہ ختم ہوا تو بوجہ پردہ اعلیٰ تعلیم کا انتظام دوسرے بھائیوں کے ساتھ گھر ہی پر ہوا۔ انتظام خانہ داری۔ سلائی۔ بخت۔ وپز۔ وغیرہ کی تعلیم والدہ سے حاصل کی۔ ٹیٹنگ۔ کروشیا۔ پوت کا کام۔ کشیدہ۔ اونی کام۔ ڈران تھرڈ ڈرائنگ۔ پینٹنگ۔ ٹائپنگ وغیرہ خود اپنے شوق سے کچھ تو استانیوں سے اور استادوں۔ کتابوں اور چھوٹے بھائیوں کی مدد سے سیکھا۔

آپکو ورزش کا شوق بھی بچپن سے ہے چنانچہ اکثر تمام بھائی بہن ملکر کوئی کھیل کھیلا کرتے ہیں۔ لیکن آپ کا مرغوب کھیل اسکیٹنگ ہے کم سنی سے آپ کو مضمون نگاری کا شوق رہا ہے چنانچہ آپ کی والدہ کے پاس تہذیب اور عصمت کے پرچے آیا کرتے تھے انہیں دیکھکر اسمیں اور بھی اضافہ ہوا چنانچہ اپنے دس ہی کتابت سے ایک مضمون چرا کر تہذیب ۱۹۱۲ء میں شایع کرادیا اب جبکہ آپ اس مسروقہ مضمون کا خیال کرتی ہیں تو نہایت نادم ہوتی ہیں۔

چونکہ شوق مضمون نگاری میں آپ کو والد اور والدہ سے بوجہ مصروفیت امداد نہیں مل سکتی تھی۔ لیکن مولانا ممتاز علی صاحب

آپ کے مضامین کی تصحیح کر کے اپنے وقیع پرچے میں شائع کر دیا کرتے تھے اور یہ آپ کے لئے حوصلہ افزا ثابت ہوا پھر تو رفتہ رفتہ خود ہی مضمون نگار بن گئیں سنہ ۱۹۲۳ء کے دو ششماہیوں پر آپ کو تہذیب نے انعام دیا پھر سنہ ۱۹۲۴ء میں سلیس معلومات والے انگریزی مضامین کو ترجمہ کرنے کے سلسلہ میں دوسرا انعام حاصل کیا ۲۵ء میں "بچوں کی سزا" والے مقابلہ کے مضمون میں آپ نے انعام پایا۔ سال گذشتہ بھی مفید مصنوعات کے لکھنے پر انعام حاصل کر چکی ہیں۔ رسائل سہیلی، ظل السلطان، عصمت وغیرہ نے متعدد انعامات دئے ہیں سنہ ۱۹۲۶ء میں مقابلتہً "مسلمانوں میں تعلیم نسواں کی ترقی کی تدبیریں" پر آپ مستحق انعام قرار پائیں۔

میسور لیڈیز کانفرنس منعقدہ بنگلور سنہ ۲۶ء میں "مسلم لڑکیوں کی تعلیم اور پردہ" پر آپ نے جو انگریزی تقریر پڑھی تھی جس کا ترجمہ عصمت کے جنوری نمبر سنہ ۲۷ء میں شائع ہو چکا ہے انعام پایا سال گذشتہ "رفع افلاس" کے مضمون پر عصمت نے انعام دیا حال ہی میں آپ نے مولانا ممتاز علی صاحب کے ارشاد پر فن کروشیا پر "گلدستہ کروشیا" تصنیف کی تھی جو ملک میں بیحد مقبول ہوئی ہے۔ اور بیگم صاحبہ بھوپال کے نام اس کو معنون کیا ہے۔ بیگم صاحبہ موصوفہ نے اپنے محل کے لئے یکمشت (۲۵) جلدیں

خرید فرمائیں اور کتاب کی خوبیوں کے صلہ میں آپ کو ہاتھوں کا خوبصورت زیور مرحمت کیا۔ اب آپ نے دوسری تہذیبی بہنوں کی مدد سے کروشیا پر ایک اور کتاب "تہذیبی کروشیا" ترتیب دی ہے جو مولنٰنا ممتاز علی صاحب کے نام معنون کیجائیگی۔

آپ کے سوا اور بھی چھ بھائی ہیں جو کالجوں اور اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں البتہ ایک بھائی نہایت کم سنی میں بی۔ اے ہو کر منصرم تحصیلدار ہوئے ہیں

غرض آپ بلحاظ مضامین اور دستکاری، سلیقہ اور شائستگی اچھی شہرت رکھتی ہیں۔ ذیل کا مضمون آپ کے ذوق نگارش کا پتہ دیتا ہے۔

دُعا

یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے ۔۔۔ وہ بات دے زباں پہ کہ دل پر اثر کرے

عبد کا معبود سے حاجت روائی کیلئے عاجزی کے ساتھ......

مانگنے کا نام دعا ہے۔ انسان خداوند برتر کا ہر وقت محتاج ہے۔ انسان بے غرض پیدا کیا جاتا تو شاید جناب خداوندی میں بھولکر بھی سجدہ نہ کرتا۔ کسی کو اولاد کی فکر ہوتی ہے، تو کسی کو اپنی صحت کی، کسی کو نوکری کی تلاش ہوتی ہے۔ تو کوئی دوست عزیزوں کی جدائی کے غم سے

نالاں رہتا ہے، غرض ہر انسان ہر وقت کسی نہ کسی مصیبت و تکلیف میں مبتلا رہتا ہے، کوئی رنج و فکر نہ ہو تو کوئی تمنّا یا آرزو دل میں ضرور رہتی ہے۔

اپنی مرادوں اور تمناؤں کے پورا کرنے کی صرف دو ترکیبیں ہیں۔
(۱) تدبیر (۲) دعا سے کوئی کام خواہ وہ کیسا ہی آسان یا اہم کیوں نہ ہو صرف تدبیر سے ایسا عمدہ و حسب دلخواہ انجام پذیر نہیں ہو سکتا۔
جیسا کہ دعا و تدبیر دونوں سے ہو سکتا ہے۔

خداوند پاک فرماتا ہے "کہ تم تدبیر کرو اور میں اس تدبیر میں برکت دونگا۔ لیکن لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے۔ جاہل عورتیں دوا کا نام نہیں لیتی، اور محض تعویذ گنڈوں سے کام لیتی ہیں تعلیم یافتہ عورتوں کو دوا سے مطلب ہے۔ اور دعا سے کوئی سرکار نہیں۔ اُون کو دعا پر یقین ہی نہیں

ہر انسان کے ساتھ ہمیشہ کوئی نہ کوئی غرض ضرور لگی لپٹی رہتی ہے، اور ہمیں چاہئے کہ ہمیشہ درگاہ رب العزت میں عاجزی سے دست بدعا رہیں۔ پروردگار جہاں جبار و قہار ہے ہیں وہیں رحیم کریم بھی ہے اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے (ادعونی استجب لکم) ہم سے دعائیں مانگتے رہو ہم تمہاری دعا قبول کریں گے) اور دوسری آیت ملاحظہ ہو اور تم دعا کرو کہ اے میرے پروردگار ہمارے قصور معاف کر

اور ہمارے حال پر رحم فرما اور سب رحم کرنیوالوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے
سورۂ مومنون رکوع ۶ پارہ ۱۸۔

تمام دعاؤں میں سب سے اچھی اور جامع دعا تلاوت قرآن مجید ہے، کیونکہ ہمیں چاہیئے کہ روزآنہ حضور قلب سے کم از کم ایک پارہ ہی قرآن کریم کا تلاوت کرلیا کریں اور ہمیشہ بعد تلاوت و نیز نماز پنجگانہ کے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ دعا مانگیں۔ قرآن مجید میں کئی ایک دعائیں ہیں مثلاً ذکریا علیہ السلام کی دعا اولاد کے لئے، اور ایوب علیہ السلام کی دعا رفع مرض کیلئے۔ یونس علیہ السلام کی رفع پریشانی والی دعا۔ غرض ایسے ہی بے حساب دعائیں۔ پھر لطف یہ کہ یہ قرآنی دعائیں خود خداوند کریم کی سکھلائی ہوئی ہیں اس لئے ضرور جلد قبول ہونگی۔ بامعنی تلاوت کرنے سے یہ دعائیں بخوبی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ ان تمام دعاؤں کے ہوتے ہوئے دوسری دعاؤں کی کیا ضرورت؟

اس لئے روزآنہ بامعنی تلاوت اور نماز پنجگانہ ہی سب سے بڑی اور مقبول دعا ہے۔ اور بس۔ خدا ہر ایک مسلمان کو صحیح دعا کی توفیق عنایت فرمائے اور در بدر کی ٹھوکروں سے بچائے۔ آمین ثم آمین

زہرہ بیگم

بنت ڈاکٹر عبدالرب صاحب حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئیں
مولوی یوسف الدین صاحب مرحوم کمشنر صوبہ دار گلبرگہ (دکن) کی
حقیقی ہمشیرہ کی نواسی ہوتی ہیں
موصوفہ نے اپنی والدہ کی زیر نگرانی والد کے ساتھ ساتھ رہکر تعلیم
پائی ہے ۔ چونکہ آپ کے والد اکثر اضلاع پر رہتے تھے اسلئے آپ کو کبھی باقاعدہ
اسکول میں تعلیم پانے کا موقع نہیں ملا بلکہ خانگی طور پر تعلیم ہوتی رہی ۔ اردو
فارسی معمولی عربی کی تعلیم گھر پر پائیں اردو آپ بہت صاف لکھتی ہیں
فارسی کا اکثر مطالعہ جاری رہتا ہے ۔ انگریزی بھی خاصی ہے اور آپ کو
ادب انگریزی کا بھی شوق ہے
اکثر رسائل حرم، نور جہاں، انقلاب وغیرہ میں آپکے مضامین
بنت عبدالرب اور کاظمہ کے نام سے طبع ہوئے ہیں ۔
آپ برداشتہ قلم نثر لکھتی ہیں ادب، تاریخ اور اصلاح و تمدن سے

آپ کو بہت دلچسپی ہے اور یہی آپ کا موضوع ہے، کبھی کبھی آپ نظم بھی کہہ لیتی ہیں۔

نمائشی اصول پرستی

لباس کی بھڑک دولتمندی کا اعلان کر سکتی ہے اور شستگی کلام مذاق سلیم کا لیکن تندرستی کی شناخت دوسری علامتوں سے کیجاتی ہے طاقت و توانائی ریشمی چمکدار کپڑوں کے نیچے نہیں بلکہ مزدور عورتوں کے موٹے کپڑوں کے اندر چھپی ہوئی ملے گی جس کا موٹا کھدر رگھر پر بنایا گیا ہو فی زمانہ علمی موشگافیوں اور مذاق کی لطافت نے ملکر "تفریح" کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے ہمارا گرچہ نظام ہمارے آداب، اطوار اصول کے پابند نظر آتے ہیں لیکن نمائشی اصول پرستی کا مایۂ خمیر سرتا سر مکر و فریب ہے۔ ہر دماغ ایک ہی سانچے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تہذیب یہ چاہتی ہے۔ سلیقہ یہ کہتا ہے غرض کہ ہر رسم پابند قاعدہ اور ہر جنبش پابند قانون ہے ہم کبھی اصلی حالت کو ظاہر کرنیکی جرأت نہیں کرتے ہمیشہ اپنے تئیں رسمی بندشوں میں جکڑا رکھتے ہیں نمائش پرستی کا مادہ بہ نسبت مردوں کے عورتوں میں ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے نمائش اور دوسروں پر اثر ڈالنے کا خیال لگا رہتا ہے ایک عورت دوسری پر تفوق حاصل کر کے مقابلہ اور مسابقت کی خواہش میں رہتی ہے متمول خاندان کی عورتیں کسی نہ کسی طرح اپنے خواہشات کے پورا کرنے میں کامیاب

ہو سکتی ہیں۔ مگر متوسط طبقہ میں بہت کم عورتیں ایسی نظر آئینگی جنہیں اپنی زندگی میں اطمینان مسرت و فارغ البالی نصیب ہو ورنہ بیشتر عورتیں زندگی کی کشمکش اور گوناگوں مشکلات میں نظر آئینگی انکی بے کسی اور حالت زار انکے روز افزوں مصائب ہر اہل دل کو تڑپانے کے لئے کافی ہیں اکثر مجھکو ایسی بہنوں سے ملنے اور انکی ناگفتہ حالت دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے کہ بیچاری کمزور دل و دماغ کی عورتیں حیات اور مصائب و آلام کے مقابلے کی تاب نہ لاکر جان شیریں سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔

آتش ظلم سے دنیا ہوئی دوزخ ہم پر
پھونک ڈالا تپ دق نیکے غموں نے اکثر

بے اجل مرتے ہیں تہ خانے کے اندر گھٹکر
ہے جو تنگی میں مناقوں کے لحد سے بدتر
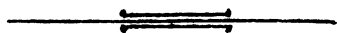
خاتون جہاں بیگم ایم اے

شیخ عبداللہ صاحب ایم اے سی۔ ایڈوکیٹ علیگڈھ و خازن مسلم یونیورسٹی کی منجھلی صاحبزادی ہوتی ہیں۔ گورنمنٹ صوبہ متحدہ نے ۲۳۲ پونڈ سالانہ کا وظیفہ دو سال کیلئے اس غرض سے دیا ہے کہ آپ یورپ جاکر اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کریں لیڈ یز یونیورسٹی انگلستان میں ایم اے ''ٹی'' کی ڈگری کا ڈپلومہ حاصل کریں آپ پہلی مسلم روشن خیال خاتون ہیں جنہیں یہ اعزاز حاصل ہوا آپ سپٹمبر ۱۹۲۷ء میں بغرض تعلیم انگلستان روانہ ہوئیں۔

آپکے زمانہ قیام ہندوستان میں آپ کو اور آپ کی والدہ صاحبہ کو حالات عنایت فرمانے کیلئے متعدد مرتبہ توجہ دلائی گئی خاموشی ہی سب سے بہتر جواب تصور فرمایا گیا۔ اسلئے مزید حالات مل نہ سکے۔ بہت ممکن ہے کہ انگلستان کی واپسی کے بعد جلد دوم میں آپ اپنے حالات عنایت فرمائیں

بنت مولوی محمد الدین صاحب خطاط۔ دہلی کی رہنے والی ہیں
ماہر فن باپ کی طرح خوشنویسی میں مہارت تامہ رکھتی ہیں آپ ایک
علم دوست خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ آپ کو عربی زبان کی کتابت سے
خاص لگاؤ ہے، آپکے تحریروں کے نمونے مبصرین سے خراج تحسین وصول
کر چکے ہیں۔ دہلی علیگڈھ کی زنانہ نمائشوں میں آپ کو تمغے ملے ہیں ایک
پنجسورہ کی کتاب پر ہز ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال نے مرصع پہونچیاں
آپ کو عطا فرمائیں۔
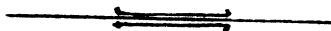
مس جمیلہ سراج الدین ایم-اے پی ایچ ڈی

بنت سراج الدین صاحب آر فورمن کرسچین کالج لاہور پنجاب یونیورسٹی
سے ایم اے کا امتحان کامیاب کیا اور سنہ ۱۹۲۴ء میں گورنمنٹ نے وظیفہ دیکر
بغرض تعلیم انگلستان روانہ کیا جہاں آپنے سنہ ۱۹۲۵ء میں لندن یونیورسٹی سے
معلمی کا امتحان کامیاب کیا پھر نومبر سنہ ۲۵ء میں اڈنبرا یونیورسٹی میں داخل ہوئیں
جہاں اقتصادیات میں پی-ایچ-ڈی- کیلئے ریسرچ کرنا شروع کیا- اسکاٹ لینڈ
کے ایک کارخانہ میں آپنے اپنا کافی وقت دیکر صنعت کی تعلیم حاصل کی اور
سنہ ۲۷ء میں پی ایچ ڈی ہوکر ہندوستان واپس آئیں اور آپ کے آنے سے
قبل گورنمنٹ نے صوبہ پنجاب کے مستورات کو صنعتی تعلیم دینے کے لئے بطور معلمہ آپ کا
معقول مشاہرہ پر تقرر کیا ہے- حال ہی میں آپکے زیر نگرانی ایک نمائش
بھی ہوئی تھی جنمیں آپ کی دلچسپی لائق ستائش ثابت ہوئی-

دوسرا اڈیشن
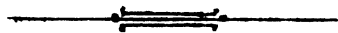
مع اضافہ مضامین اور تصاویر کے نہایت نفاست کے ساتھ

(عنقریب شائع ہوگا)

کوشش کی گئی ہے کہ "نقش ثانی بہتر ز اول" ہو۔ اردو ادب میں یہ ایک خاص شئے ہے درخواستیں جلد آنا چاہیئے۔

محمد عبد الرزاق بسمل
بیرون دبیر پورہ حیدرآباد

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٦	١	فرمائیٔ	فرمائی
١١	١٢	مقدمہ	مقدسہ
١٣	٧	تہرشس	تہرلشیں
١٨	١٠	ساریونی	ساربونی
٢٤	١	بنت	۔
٣٣	٣	عمرمیں	عمریں
٣٦	١٣	دوبارہ	دوبار
٣٨	١١	درگاہ	درس گاہ
٤٠	٢	کرتا	کرنا
٤٣	٧	سرد	سردی
٤٣	١	حسن	حسن علی
٤٤	١٧	نزل	منزل
٤٥	٥	سوئٹزرالیڈ	سوئٹزرلینڈ
٤٧	٤	ہوجاتا	ہوجانا
٤٨	٢	سفرہ	صفحہ
٥٣	١٤	فرمائیںگی	فرمائینگی
٥٤	١٣	سہی	ہستی
٥٧	٩	کرتیں ہیں	کرتیں
٥٨	١	بیہ	بہ
//	٥	در	اور
//	١٠	جایں	جاتیں
//	١٤	سپیشن	رسیپشن
//	١٥	ڈاکٹر	ڈاکٹرکٹر
٥٩	١	ہندہ	ہند
٥١	٧	اسکوٹش	اسکوٹس
٦١	٥	نصوف	تصوف
//	١٤	بہی	بھی
٧٠	١	ٹل	تل
//	٩	کے	کی
٧٢	١٣	محبوبہ	محبوبیہ
٧٥	١٠	زمانہ	زنانہ
٧٩	١٦	سوئٹر	سوئٹزر
٨٦	١٣	اگراں	گراں
٨٧	١٣	د	دیا
//	١٤	ریڈ	ایڈ
٨٨	١٤	کیتا	کینیا
//	١٥	تنز	نز
٨٩	١٠	رما	رہا
//	١٢	رولکا	روبکا
٩٥	٧	کاوٹ	کانو
١٠٣	١	بہی	بھی
١٠٨	١	نے	بے
١٠٩	٤	ہیں	میں
١١٥	٦	جاں	جہاں
١١٨	٨	۔	دیکھا تھا اب
١٢٦	٥	ترے	تیرے
١٢٧	١٠	آو	آہ
//	١٣	کرانے	گرانے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۷	۶	بجے	بجنے
〃	۱۵	مرے	میرے
۱۳	۱۱	گئیں	گئیں
〃	۱۷	چھورا	چھوڑا
۱۳۱	۸	کار	کا
〃	۱۲	نصل	فصل
۱۴۱	۴	منہ	منہہ
۱۴۲	۳	چاہتی	چاہیے
〃	۴	چاہتی	چاہیے
۱۳۰	۶	زمانہ	زنانہ
۱۴۰	۱۴	ا	!
〃	۱۴	آشنانے	آشنائے
[illegible]	۱۶	مرے	میرے
[illegible]	۱	کہلی	کھیلی
〃	۹	قدموس	قدموں
۱۴۹	۲	مرے	میرے
〃	۱۳	ادبیات	ادبیات
۱۵۰	۱	قدیم	قدم
〃	۶	انہیں	ہتیں
۱۵۲	۵	تربیت	ترتیب
۱۵۳	۱	مری	میری
〃	۹	یمیں	تہیں
〃	۱۱	ندر	اندر
۱۵۷	۲	لہرہا	لہریا
〃	۱۲	جبح	صبح
۱۵۸	۶	مریرین	مرمرین
۱۶۰	۳	قصہ	قصبہ
۱۶۱	۱۷	اوس نے	ان سے
۱۶۸	۱۲	شعا	شعار
۱۶۹	۲	چا	جا
〃	۱۰	شیمے	سمے
۱۷۰	۳	ناک	۰۰۰ناک
۱۷۱	۱۰	میں	ہیں
۱۷۳	۱۳	۰	ملا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷۴	۱	فرمائے	فرمائے
〃	۵	اثات	اثاث
۱۷۶	۱۱	نلاوہ	علاوہ
۱۷۹	۹	ماہم	تاہم
〃	۱۴	متبقع	منقطع
〃	۱۵	آمنے	آپ نے
〃	۱۶	میں	تیں
۱۸۵	۳	پڑھ	بڑھ
۱۸۹	۱۲	اخلاف	اخلاق
۱۹۱	۱۷	فبیح	قبیح
۱۹۳	۱۴	میں	۰
۱۹۹	۲	اب	آپ
۲۰۸	۲	ہوئی	موئی
۲۱۱	۱۷	حد	صد
〃	〃	حس	حسن
۲۱۲	۹	منحذب	منجذب
۲۱۵	۱	ٹے	تے
۲۱۸	۴	متاقب	مناقب
۲۲۱	۱۳	دل	دھیان
۲۲۷	۲	نگر	نگر
〃	۱۰	لیلن	لیکن
۲۵۰	۱	جائسٹ	جائنٹ
〃	۱۷	اخر	اختر
۲۶۵	۱۱	۰	ہے
۲۷۰	۴	مدراس	مدارس
۲۷۱	۱۴	ہیں	میں
۲۷۴	۱	صفتہ	صنعتہ
۲۷۵	۲	۰	نیفتے
۲۸۰	۹	پہر	ہمر
۲۸۳	۱۴	طرف	طرب
۲۸۸	۵	انتیارات	اخبارات
۲۹۰	۸	باری	بازی
۲۹۱	۱	پہر	۰
۳۰۴	۷	ہنر	ہر